

باہتمام شری گورکھ ناتھ



हरिहर

رسالہ اوم دہلی کا سالنامہ بابت جنوری سنہ ۱۹۷۰ء

مُکتی انک

سالانہ چندہ: 12/ روپے
قیمت فی کاپی: 4/ روپے
ایڈیٹر: گورکھ ناتھ نندہ

نمسکار

ہے سَت چت آنند تصویر تیری — ستاروں میں پھیلی ہے تنویر تیری
ترنم ترا آبشاروں میں پنہاں — تکلم ترا جوئے باروں میں پنہاں
کلی کے تبسم میں تو ہنس رہا ہے — گُلِ تر کی خوشبو میں تو بس رہا ہے

ہیں چاند اور سورج یہ تیرے سہارے
نمسکار پیارے! نمسکار پیارے

باہتمام شری گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر پرنٹر پبلیشر و مالک نے سعود لیتھو پریس دہلی ۶ سے چھپوا کر دفتر رسالہ اوم اندرون اجمیری گیٹ مکان نمبر ۲۰۰۲ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

رسالہ اوم مکتی آنک" بابت جنوری سنہ ۱۹۷۰ء سالانہ چندہ ۱۲/ قیمت مکتی آنک ۷/ روپے

اوم

جگدیشور

از:-
کوی لوک ناتھ دِل
خوشاب نفوسی حال دہلی

ایسے جگدیشور کو اے دِل
ہم اپنا سیس جھکاتے ہیں

(۱)
جن کے سواگت کو نت اوشا — کرنوں کی مالا لاتی ہے
جن کے سواگت کو پراتہ کال — ہر کلی پھول بن جاتی ہے
جن کے پد پدم چومنے کو — ہر ندی ترنگ میں آتی ہے
جن کے ملنے کو سندھیا بھی — سولہ سنگار لگاتی ہے
جن کے درشن کو رجنی بھی — تاروں کے دیپ جلاتی ہے

ایسے جگدیشور کو اے دِل
ہم اپنا سیس جھکاتے ہیں

(۲)
جو سوریہ چندر میں رہتے ہیں — تیج مئے سندر چھٹا بن کر
جو پشپ لتا میں رہتے ہیں — رنگت اور باس سدا بن کر
جو کالے گھن میں رہتے ہیں — سندر چنچل چپلا بن کر
جو رین دوس میں رہتے ہیں — ٹھنڈی اور گرم ہوا بن کر
جو نت آکاش میں رہتے ہیں — اک شبد انہد کا بن کر

ایسے جگدیشور کو اے دِل
ہم اپنا سیس جھکاتے ہیں

(۳)
جو بھرکٹی کے سنکیتوں سے — سنسار وہار چلاتے ہیں
اُتپتی کی رچنا کرتے ہیں — ہر لیہ کا درشیہ درشاتے ہیں
جیووں کا پالن کرتے ہیں — سرشٹی کا نیم چلاتے ہیں
سُر نر جل چر، تھل چر، نبھ چر — جن کا پریچہ کرواتے ہیں
رگ یجر، اتھرو، سام جن کو — نیتی نیتی کہہ گاتے ہیں

ایسے جگدیشور کو اے دِل
ہم اپنا سیس جھکاتے ہیں

اوم اوم

مکتی کا سرل مارگ

(ایڈیٹر)

مبارک ہیں وہ پُرش جن کو مُکتی کی خواہش دامن گیر ہے۔ کیونکہ اس موکھ اِچھا یعنی مکتی کی پوری خواہش کا ہونا ہی جگیاسا کہلاتی ہے۔ جب تک پُرش جگیاسُو یعنی کسی چیز کا طالب ہی نہ ہو۔ وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے یتن کیسے کریگا سنسار میں مکتی کے سچے طالب بہت کم نظر آتے ہیں۔ ورنہ اس مایا موہ کے جال میں پھنسے ہوئے انیک پُرش جنم مرن کے چکر میں ہی دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ دھن کماتے بال بچوں کی پرورش اور وشے بھوگوں میں ہی منش جنم کو اکارتھ گنوا دیتے ہیں۔ اور جب موت کا وقت آتا ہے۔ تو پچھتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں دُنیا سے ٹھگا گیا۔ جن استری پُتر اور سمبندھیوں کا میرے ساتھ پریم تھا۔ وہ سب خود غرضی اور سوارتھ کی وجہ سے تھا۔ لیکن سے

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اس لئے جو سمجھدار لوگ ہیں۔ وہ صحت اور جوانی ہوتے ہوئے اس مارگ پر چلتے ہیں۔ اپنے آہار وہار کو شُدھ کر کے ایشور بھجن میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ جن سے اُن کا انتہ کرن شُدھ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی برہم نیشٹھ مہاتما کے پاس شردھا پوروک حاضر ہو کر اُن سے دُکھوں کی نورتی اور پرمانند کی پراپتی کے متعلق راستہ دریافت کرتے ہیں۔ مہاتما لوگ جگیاسو کی مانسک اوستھا کے مطابق گیان اپدیش کرتے ہیں۔ اگر اس کے سادھن میں کوئی کمی معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کو وویک ویراگ کھٹ سمپد یعنی شم۔ من کا روکنا۔ دم اندریوں کا روکنا۔ اُپرتی۔ شبد سپرش روپ رس گندھ اور وشئی پرشوں سے پرہیز یعنی اُپرام رہنا۔ شردھا وید واک اور گورو پر پوری شردھا کا ہونا سمادھان یعنی چت کو باہر سے ہٹا کر انتر مکھ ٹھہرانا اور مکتی کی زبردست خواہش کا ہونا۔ ایسے چار سادھن اگر جگیاسو میں کمل ہو چکے ہوں۔ تو بعد میں گورو برہم گیان کا اُپدیش دیتے ہیں۔ یوگ ابھیاس۔ پرانا یام اور دیگر تمام سادھن انتہ کرن کی شُدھی کے لئے ہی ہیں۔ اور یہ سب گیان مارگ سے پہلے کی سیڑھیاں ہیں۔ جو لوگ صرف ان ہی منازل میں اپنی تمام زندگی صرف کر دیتے ہیں اور گیان یعنی آتم وچار کی طرف راغب ہی نہیں ہوتے۔ وہ بھی راستہ میں ہی رہتے ہیں۔ منزل مقصود پر نہیں پہنچتے۔ ہمارے تمام شاستر یہی تعلیم دیتے ہیں کہ دُکھوں کی نورتی اور پرم آنند کی پراپتی انسان کا پرم پرشارتھ ہے۔ اسی کا نام ہی مکتی یا نجات ہے۔ ویدک دھرم یہ ہرگز نہیں سکھاتا کہ پیر پیغمبر۔ گورو۔ رشی مُنی یا اوتار ہی تمہیں نجات دلا سکتے ہیں۔ اور اُن کی ہی سفارش سے تمہیں مکتی ہوگی۔ ویدک شاستر صرف پرشارتھ کو ہی اتی اوشیک (نہایت ضروری) خیال کرتے ہیں۔ جو لوگ پرشارتھ ہین ہیں۔ وہ کبھی بھی مکت نہیں ہو سکتے۔ شاستر یقین

دلاتے ہیں۔ کہ انسان سب کچھ کر سکتا ہے۔ انسان نے اپنی غلطی سے اگیان اور جہالت کو اپنے اوپر غالب آنے دیا ہے۔ جب وہ اس اگیان کے پردے کو چاک کر دیگا۔ تو تمام دکھ دور ہو کر دائمی سکھ پراپت کرے گا۔

انسان گیان سروپ ہے۔ اس کے دل میں گیان کا بھنڈار بھرا ہے۔ یہ نادان اور اگیانی اس لئے بن گیا ہے۔ کہ آجکل کے خود غرض لوگوں نے مت متانتروں کا جال بچھا کر اس کی عقل کو تالا لگا دیا ہے۔ آتما جو نتش کا اپنا آپ ہے۔ وہ تو سدا ہی مکت ہے۔ وہ تو بندھن میں آ ہی نہیں سکتا۔ ویدانت شاستر کی تعلیم یہ ہے۔ کہ سنسار میں کل دو ہی پدارتھ ہیں۔ ایک آتما اور دوسرا اناتما یا الفاظ دیگر ایک جڑ اور دوسرا چیتن۔ یا ایک درشٹا اور دوسرا درشیہ یہ منش درشٹا یعنی سب کچھ دیکھنے والا چیتن سروپ ہے۔ جو ست چت آنند پورن اور سدا ہی مکت ہے۔ جب یہ (آتما) درشیہ یعنی جڑ پدارتھوں اور شریر (جسم) وغیرہ کے ساتھ اپنا سمبندھ پیدا کرتا ہے۔ اور درشیہ کے دہرم اسنت جڑ دکھ روپ اور پرچھن اپنے میں ادوپ (تصور) کرتا ہے۔ تو اپنے آپ کو بندھن یعنی گرفتار سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور ایک فرضی خدا کے سامنے سجدے کرتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے اور موت کے بعد مکت ہونے کی آشا رکھتا اور پیر پیغمبروں کی سفارش کا منتظر رہتا ہے۔ حالانکہ یہ خود مکت روپ ہے۔ تمام درشیہ جگت کے اندر باہر ستا روپ ہو کر موجود ہے۔ جس سے باہر کا جگت دکھائی دیتا ہے اور حرکت میں آتا ہے۔ اصلیت تو یہ ہے۔ کہ سوائے آتما کے دوسری کوئی وستو ہے ہی نہیں (سرونگ کھلوم برہم) وید کہتا ہے کہ نشچے کر کے سب کچھ برھم ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ لَا اِلٰہ اِلّا اللہ۔ سوائے اللہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ جگیاسو کے سمجھانے کے لئے یہ درشیہ اور درشٹا کی ویاکھیا بھی کی جاتی ہے۔ جب جگیاسو اپنے سچدانند آتم سروپ کو جان لیتا ہے۔ اور اس میں قائم ہو جاتا ہے۔ تو یہ درشیہ بھرم ناش ہو جاتا ہے۔ اور سرو تر پری پورن اپنا آپ ہی دکھائی دیتا ہے۔ ماسوائے خدا کی ذات کے دوسری کوئی چیز رہتی ہی نہیں۔ راگ دویش ہرکھ شوک تمام کافور ہو جاتے ہیں۔ اور پرم آنند کی پراپتی ہوتی ہے۔

یوگ شاستر کے مصنف شری پاتنجلی رشی نے مکتی کا سروپ یہی بتایا ہے۔ کہ تمام دکھوں اور کلیشوں سے چھوٹنے اور دائمی سکھ جس کا کبھی ناش نہ ہو۔ کو پراپت ہونا ہی موکھش ہے۔ انہوں نے تمام دکھوں و کلیشوں کو پانچ پرکار سے یوں ورنن کیا ہے۔

(۱) اودیا یعنی جہالت۔ یہ ہی سب دکھوں کی جڑ ہے۔ اسی کے سبب ہی جنم مرن وغیرہ دکھ ساگر میں غوطے کھانے پڑتے ہیں۔ اس اودیا کے بھی چار حصے کئے ہیں۔ پہلا نت پدارتھوں کو انت یعنی ناشوان اور انت کو نت (قائم رہنے والا) سمجھنا۔ یعنی آتما کو ناپائدار اور فانی جسم کو ہمیشہ رہنے والا سمجھنا۔ جہالت کا پہلا انگ ہے۔ دوسرا اپل موتر وغیرہ سے بھرے ہوئے شریر کو پوتر سمجھنا۔ پرشے بھوگوں یعنی اندریوں کے وشیوں میں آسکت رہنا۔ تیسرا دکھ میں سکھ اور سکھ میں دکھ بدھی کا ہونا۔ یعنی کام کرودھ لوبھ موہ راگ دویش ہرکھ شوک ایرشا وغیرہ دکھ روپ دیوہاروں میں سکھ ملنے کی آشا کرنا اور برہمچریہ۔ سنتوش۔ پریم۔ نمرتا۔ وغیرہ سکھ روپ کرموں

کو دُکھ رُوپ سمجھکر اُن کا تیاگ کرنا۔ چوتھا۔ آتما میں اناتما بُدھی اور اناتما میں آتما بُدھی ارتھات اپنی دیہہ کو اجر اور امر سمجھکر اپنے سُکھ کیلئے پشو پکھشیوں کو جن میں آتما موجود ہے۔ ان کو جڑ سمجھکر اُن کو کشٹ دینا اور اُن کا مانس بھکشن کرنا یہ اودّیا کا چوتھا بھاگ ہے۔

پاتنجلی جی فرماتے ہیں۔ کہ ان چار بھاگ والی اودّیا میں پھنسے رہنے سے ہمیشہ بندھن رہتا ہے۔ ایسی پرکرتی والا پُرش کبھی آزاد یعنی مُکت نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کو کبھی سُکھ نہیں ہوتا۔

دُوسرا کلیش (ابھمان اور اہنکار) مانا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا اور دوسروں کے اچھے گُنوں کو بھی گرہن نہ کرنا۔

تیسرا کلیش۔ موہ کا ہونا مانا گیا ہے۔ جب کسی سُکھ کو عرصہ تک بھوگا جائے اور پھر کسی سبب سے وہ سُکھ موجود نہ رہے تو اُس سُکھ کی یاد میں ویاکل رہنا موہ کی وجہ ہی سے ہے۔

چوتھا کلیش۔ دویش یعنی دُشمنی کرنا مانا گیا ہے۔ کسی کے ساتھ ہمیشہ وَیر بھاو رکھنا۔

پانچواں کلیش ابھنویش مانا گیا ہے یعنی موت کے ڈر سے کانپتے رہنا اور شریر کے جنم مرن سے خود کو جنمتا مرتا خیال کرنا۔

ان کلیشوں سے چھوٹنے کے اُپائے بھی پاتنجلی جی نے لکھے ہیں۔ یعنی مہاتماؤں کے اُپدیش اور ست سنگ اور یوگ سادھنوں کے نیم پورک کرنے سے اودّیا نشٹ ہوتی ہے۔ اس کے نشٹ ہونے سے باقی تمام کلیش بھی نشٹ ہو جاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ بندھ اور موکش بُدھی میں ہے۔ جب بُدھی موہ میں پھنستی ہے۔ تب بندھن سمجھنا چاہیئے اس وقت ہرکھ اور شوک ہوتا ہے۔

ایک بیوپاری نے دھن کمانے کی غرض سے کہیں دُور دراز دیشوں میں جانے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت اُس کے اں ایک خورد سالہ لڑکا تھا۔ جب لڑکا بڑا ہُوا تو اپنی ماں سے باپ کا مکمل پتہ دریافت کر کے اُس کو ملنے کیواسطے چل پڑا اتفاق ایسا ہُوا کہ اُس کا باپ بھی دھن وغیرہ کافی کما کر اپنے گھر کو واپس لوٹا۔ دونوں کا راستے میں ایک سرائے میں قیام ہو گیا۔ لڑکا اس سرائے میں اُس کمرے میں اُترا جس کے ساتھ کے کمرے میں اُس کا باپ اُترا تھا۔ مگر نہ بیٹے کو اپنے باپ کے آنے کا حال معلوم ہُوا۔ اور نہ باپ کو بیٹے کا۔ اتفاقاً رات کو لڑکے کے پیٹ میں سخت درد اُٹھا اور درد کی تکلیف کے سبب بیقرار ہو کر رونے اور چلانے لگا۔ سیٹھ نے سرائے کے مالک کو بُلا کر اور کچھ روپئے دے کر کہا۔ کہ اس دُوسرے مُسافر کو سرائے سے باہر کر دو۔ کیونکہ اس کے رونے اور چلانے سے مجھے نیند نہیں آتی۔ لاچار لڑکے کو سرائے سے باہر جانا پڑا۔ اور سردی اور درد کی وجہ سے اس پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ صبح جب لوگوں نے دیکھا۔ تو پولیس والوں کو خبر کی۔ سیٹھ نے تمام حال دیکھا۔ مگر کسی قسم کی ہمدردی نہ کی۔ پولیس نے لڑکے کی تلاشی لی اور ایک چٹھی اس کی جیب سے برآمد ہوئی۔ جو کہ سیٹھ کی دھرم پتنی نے اُسی کے نام لکھی ہوئی تھی۔ جب وہ چٹھی سیٹھ

نے پڑھی تو معلوم ہوا یہ لڑکا تو اُسی کا ہی ہے۔ بس اُس کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ نہایت رنج و غم کے ساتھ رونے لگا۔ ڈاکٹروں کو بُلایا۔ روپیہ پانی کی طرح خرچ کیا۔ بہت علاج معالجے کے بعد لڑکے کو ہوش آیا۔ تب سیٹھ کا دُکھ دُور ہوا۔ اور بہت پرسن ہوا۔ جب تک وہ لڑکے کو غیر سمجھتا تھا۔ تب تک اُس کے دُکھ اور سُکھ کا اس کے من پر اثر نہ پڑا لیکن جس وقت اس کو معلوم ہوا کہ یہ اُس کا اپنا ہی لڑکا ہے۔ تب اُس کے دُکھ سُکھ کو اپنا ہی دُکھ سُکھ ماننے لگا! جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پرماتما کی بنائی ہوئی سرشٹی میں دُکھ سُکھ نہیں ہے۔ بلکہ جیو سرشٹی میں (اسکی اپنی کلپنا کے مطابق) ہی سُکھ اور دُکھ پرتیت ہوتے ہیں۔

اس مثال سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ موہ کے کارن ہی منش کو دُکھ سُکھ پرتیت ہوتا ہے۔ ورنہ ایشور کی بنائی ہوئی سرشٹی میں کہیں دُکھ نہیں۔ شریر اور شریر کے سمبندھیوں تتھا دیگر دُنیاوی پدارتھوں کے ساتھ موہ کرنے سے ہی منش بندھن میں پڑتا ہے۔ اور جنم مرن کے سلسلے میں گرفتار ہوتا ہے۔ وچار اور ست سنگ سے یہ جھوٹا موہ دُور ہو جاتا ہے۔ اپنے سروپ کی لکھتا ہوتی ہے۔ اور اسی مُکتی کو پراپت ہوتا ہے۔ جو کہ اس کے پاس پہلے ہی موجود تھی صرف بھرم کے کارن اس سے محروم تھا۔

اس لئے واجب ہے۔ کہ منش جپ۔ تپ یوگ اور بھگتی وغیرہ سے اپنے من کو شُدھ کرلے۔ پھر کسی شروتری برہم نیشٹھ (شاستروں کو جاننے والے پُورن برہم گیانی مہاتما سے ویدانت سدھانت کو باقاعدگی کے ساتھ شرون کرے شرون کے بعد منن اور پھر ندھیاسن کرے۔ جو لوگ سادھن کرنے کے بغیر ہی "اہنگ برہم اسمی" یعنی برہم ہوں کو طوطے کی طرح بلا سمجھے بوجھے کہتے ہیں۔ اور شاستری کرموں کا تیاگ کر دیتے ہیں۔ وہ تتے وکاروں میں ابھی جن کا چت پھنسا ہوا ہے۔ وہ دمبھی ہیں۔ اُن کا کبھی کلیان نہیں ہو سکتا۔ اس برہم گیان کا ادھکاری وہی ہے جس نے پُورن تپ سے انتہ کرن کے تینوں دوش مل وکشیپ اور آورن دُور کر دیئے ہیں۔ اور تمام خواہشات نفسانی کو زیر کر لیا ہے۔ ایسا پُرش ہی سچا جگیاسو ہے۔ اور وہی مُکتی کے پرم سُکھ کو حاصل کرتا ہے۔"

(اگور کھا ناتھ نندہ)

ضروری نوٹ

"مُکتی انک" ماہ جنوری اور فروری سنہ ۱۹۷۰ء دو ماہ کا پرچہ ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ اُس کے لئے فضول خط وکتابت نہ کریں۔"

جگ بیتی

ازل سے تا ابد نیرنگیاں کس کی خبر ہے
حقیقت میں [illegible] سو عیاں جانیں
نہ پایا [illegible]
ہے معلوم [illegible] اپنی [illegible]

(۲)

صریح تک کا [illegible] عشق ہے
کہاں ابتدا [illegible] عشق ہے
[illegible] صیاد [illegible] ہے
حیات [illegible] عشق ہے

(عاشق محمد)

اوم

شوراتری کے پوتر پرب کے لئے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

از:- پنڈت آسانند جی شرما مخدوم

کبھی نہ ذلت تمہیں ستائے
نہ پیش ادبار تیرے آئے
کوئی نہ آفت تمہیں رُلائے
نہ فکر صورت تمہیں دکھائے
یہ ورد گر برزبان آئے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

تو کلفتوں سے بچا رہے گا
اگر اسے روز و شب رٹے گا
نہ خوف دشمن کا کچھ رہے گا
ہر اک محبت تمہیں کرے گا
رہینگے بھگوان شو سہائے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

نہ آئیں گے پاس روگ تیرے
کٹینگے پل بھر میں سوگ تیرے
رہینگے سب نزد بھوگ تیرے
گنوں کو گائیں گے لوگ تیرے
اگر تو پاکیزگی سے گائے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

یہ منتر بھو جل سے پار کرتا
گناہوں کو پھونک چھار کرتا
پتت کا بھی ہے اُدھار کرتا
جو دائمہ جپ ہزار کرتا
اُسے نہ یم تراس آنے پائے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

وہ گوزجاں کے پتی مہیشور
وہ دیوتاؤں کے دیو شنکر
وہ بھگت وتسل دیا کے ساگر
وہ گنگا دھاری، وہ چندر شیکھر
اسی کی ہیں خوش وہ رٹ لگائے
نمہ شوائے، نمہ شوائے

لگاؤ شو ہر کا نند تم دھیاں
کہ مکت ہونا ہو تیرا آساں
پڑے ہو غفلت میں کیسے غلطاں
اسی کی تم رٹ لگاؤ ناداں
پتہ ہے کیا! سانس پھر نہ آئے
نمہ شوائے، نمہ شوائے



No. 1199 हर हर महादेव S. S. Brijbasi & Sons Bombay-3

اوم اوم

امر سندیش

یعنی گیتا سار

از۔ کوی لوکناتھ آزاد (خوشاب نواسی) دہلی

سرولوک مہیشور یوگیشور ایشور برجیشور شری شیام سُندرجی نے مہابھارت کے سمرانگن میں کنتی نندن پارتھ کو لکش بنا کر اکھل وشو کے پرانی ماتر کو جو دویہ اپدیش دیا۔ اُس کے سار بھاؤ کو کاویہ سوتر میں پرو کر میں نے نام رکھا ہے۔ "امر سندیش" آج سے لگ بھگ اٹھائیس ورش پہلے کی رچی ہوئی یہ رچنا آج رسالہ اوم کے مُکتی انک میں پرکاشت ہو رہی ہے۔ اسے پڑھ کر اتھوا سُن کر یدی ایک وِیکتی بھی کچھ لابھ پراپت کر سکا تو میں اسے سپھل سمجھوں گا۔ ۔ آزاد "

اندھ راج نے پرشن کیا   رن بھومی کی کہو دشا
بولے سنجے بُدھی مان   راجن! سُنیئے کر کے دھیان
شُور وِیر بانکے بلوان   دھارے کھنڈا کھڑگ کرپان
لے برچھا بھالا تلوار   ڈٹے ہیں استر شستر دھار
مہارتھی کورو دل کا   دادا گورو بھیشم یودھا
پانڈو سینا کا سنگار   کُنتی نندن پانڈو کمار
گونجے شنکھ بجے گھڑیال   پارتھ رتھ ہانکت نند لال
آئے سمرانگن کے تیر   اک گھنشیام اک گور شریر
ایک اگر اور اک چندن   اک کستوری اک کُندن
کھڑا دیکھنے ویر مہان   دو بھج دنڈ گج سونڈ سمان
کر کے ویروں کا سنگار   تن پر کیسری بانا دھار
سُندر مُکٹ۔ کُوبج کُنڈل   مُکھ تیجسوی اور اُجول
یووَن کا مد نینوں میں   ویگ یوَن کا انگوں میں
سویم بھکت وتسل بھگوان
بنے ہیں پارتھ کے رتھوان

ایکن مکھ پر گھٹا سمان — مکھ اجول رَوی چھٹا سمان
چندن تلک سشوبھت بھال — ساجے اُروے جینتی مال
مدھر مدھر ادھروں پر پان — مند مند مکھ پر مسکان
جیوں پشپوں پر وائیو شیت — جیوں وینا پر مدھو سنگیت
جیوں ساگر تٹ چندر کلا — پربت شکھر پر جیوں اُوشا
گر کے شترو دل کا دھیان — کانپ اُٹھا پارتھ بلوان
چوٹ سے جیوں وینا کے تار — گرتھ بھو کمپ میں جس پرکار

بولا ہو کر بہت ادھیر
سُنیے بات میری یدُو ویر

کون ہیں لکش بنانے یوگیہ — کون ہیں مار گرانے یوگیہ
کچھ ہیں سیس چڑھانے یوگیہ — کچھ ہیں کنٹھ لگانے یوگیہ
کل تک جن سے لی شکھشا — کل تک جن کا مان کیا
کیسے اُن کو للکاروں — کیسے اُن کو سنگھاروں
رکت میں ڈوبا ہو جو تاج — اُس کو تیاگ کے ہے مہاراج!
اُتم ہے بن گمن کروں — کند مُول سے اُدر بھروں۔
شتھل ہوئے جاتے ہیں انگ — جیون کی رُک گئی ترنگ
کرنے دو مجھ کو وشرام — اب سویکار کرو پرنام
کھو نینسنگ یا بل رہین — نج وچار کے ہُوں آدھین

مجھ پر کرپا کرو بھگوان
لو سنبھالو دھنش اور بان

چکت ہو گئے ہرشی کیش — بول اُٹھے ہے گُڈا کیش!
کیوں تو اِتنا ہوا نراش — مکھ کا کھویا کہاں پرکاش
کمل وَدن ہے کملایا — چندر گہن میں ہے آیا
کہاں گئی وہ چنچلتا — کہاں گیا گورو بل کا
ڈبریہ دھرم کیوں دیے بسار — ساہس کر کچھ سوچ وچار

ڈول نہ باندھو کُل ابھیمان
سن میرا اوناشی گیان

آتما ہے اِک گیت سُکھا!　　تن سہے بالنس کی بانسریا
آتما ہے اِک امر سُدھا　　مَن ہے مِٹی کا مٹکا
آتما امر سگندھ بھرا　　تَن ہے سُندر سمن ہرا
آتم رُوپ ہے جیوتی کا　　تن دھاتو کا ایاک دیا
تن کو بھسم کرے جوالا　　آتما جگ میں امر سدا
تن کو کاٹے کھڑگ کی دھار　　آتما پر نہ ہوت پرہار
تن کو چھیدیں مرتیو بانڑ　　آتما ہے امرت کی کھانڑ
تن کا ہووے جگ میں کھشئے　　آتما اجر امر۔ نربھے۔
آوا گون سناتن ریت　　مرتیو سے مت ہو بھئے بھیت۔
کنچ اُتاریں جیس بدھ شیش　　آتما ایسے بدلے ویش۔
جیسے بدلیں نیا مکان　　ایسے یہ چولا بھی جان۔
جیسے بال کا بالک پَن　　ماں کے دُودھ سے بھرے ستھن
اِک کو تج وے اُکتا کر　　دُوسرا ہی لے اپنا کر
ایسے جیون اور مرنڑ　　کیوں چنتا میں ڈوبے مَن۔
جنما جو مر جائے گا　　کھلا ہے جو کمہلائے گا
ناشوان ہے سدا شریر　　موہ وش تو کیوں ہوا ادھیر
تن کا ہے نواس شمشان　　اُجر امر اپنے کو مان
شُور ویرتا کی رکھ لاج　　سورگ پراپت کر اتھوا راج
اسی میں ہے تیرا کلیان　　یہی یگیہ ہے یہی ہے دان
کرم کھیشتر میں کرم کما　　یش دونو لوکوں میں پا　　(لوک پرلوک)
دیکھ کے شترو دل کی اور　　گرج گانڈیو کو دے ٹنکور
اُٹھ شترو دل پر چھا جا　　جیوں تاروں پر گھور گھٹا
گو پنیہ اَتی اُتم گیان　　آج میں تم سے کروں بکھان
میرے رُوپ انوپ کو جان　　مجھکو کیول پرش نہ مان

سرو کلا سمپورن ہوں
نرتن میں نارائن ہوں
پرش رُوپ پرشوتم ہوں　　نر تن دھار نروتم ہوں

ہیں ہی نٹور ناگر ہوں　　ہیں ہی وشو اُجاگر ہوں
میں ہی گوکل نندن ہوں　　میں ہی تربھون وندن ہوں
جگ میں سمے سمے انکول　　پشیوں کو جب چھیدیں شول
دین کریں جب ہاہاکار　　سادھوؤں پر ہو انیاچار
پاپ کی بھڑک اُٹھے جوالا　　ہو ویران دھرم شالہ
سوکھے ستیہ کی پھلواری　　چھلے پاپ کی اندھیاری
جوبن پر ہو دانوتا　　مُرجھا جائے مانوتا
سجنوں کے ہوں نین سجل　　پھٹیں سنتوں کے انتستھل
ابلائیں پائیں سنتاپ　　دھرم کی جڑھ کو کاٹے پاپ

آرت جن جب کریں پکار
تب میں لیتا ہوں اوتار

دُشٹوں کا کھشے کرنے کو　　بھگتوں کی جے کرنے کو
اب بھی پاپ دبانے کو　　دھرم دھجا پھہرانے کو
آیا ہوں میں نرتن دھار　　کرنے پنتوں کا اُدھار

تو کیوں گانڈیو سنبھال
ان کے سر پر کھڑا ہے کال

تو یودھا ہے سنگھ سمان　　ان سبکو گیدڑ ہی جان
کرم کھیشتر ہے یہ سنسار　　چلے نہ کرم بنا ویوہار (ویاپار)
کرم نہ ہو یدی میگھوں کا　　ہو نہ کوئی ہری لتا
سوریہ چندر نہ کرم کریں　　پھلوں میں رس کس طرح بھریں
کرم پردھان ہے سنسار　　نیاگیوں کا بھی کرم آدھار
پر جو کرم کرے نشکام　　بھینٹ میری کردے پرنام
اُس مانو کے اُتم بھاگ　　اُس کا تیاگ ہے اُتم تیاگ
کرم کے پھل کی رکھ نہ آس　　ہے یہ ہی اُتم سنیاس
جیون میں کر یہ ابھیاس　　مجھے جان پھر اپنے پاس
کر سب موہ اور مت تیاگ　　کر کے کرم، کرم پھل تیاگ
یدھ میں جیت رہے یا ہار　　اس سے تجھکو کیا سروکار

تو دھرتی پر پیڑ لگا　پھل اس کا کیسا ہوگا
اس کی من میں مت کر سوچ　تیاگ یہی من کا سنکوچ

پھر مسکائے اور بولے
کچھ ہرشائے اور بولے

جانتا ہوں کنتی نندن　وانر سا ہے چنچل من
پون سے بڑھ کر اسکی چال　نبھ تک اس کی سرل اچھال
پھیلے تو چھولے تربھون　سمٹے تو اک رج کا کن
نرکھ کے یوں ان پشپوں کا　بن جاتا ہے پھر مرسدا
سُدھا بھرا ہر سُن سنگیت　ہے پارتھ ابھے پیارے میت!
گیان کی من میں جوت جگا　دھیان یوگ سے مجھکو پا
کرم یوگ سے مجھ تک آ　بھگتی یوگ سے مجھے رجھا
کر تو میرا نیتیہ بھجن　کتھا کیرتن اور سمرن
ان سے بندھ جائیگا من　ہے یہ گو پنیہ ورتن

من میں میری مورت دھار
کر سنسار کے سب وہوار

جگ میں رہ جگ کا مت بن　تیاگ موہ کے سب بندھن
جیسے ناؤ رہے منجدھار　جل کو کرے نہیں سویکار
جیسے جل میں رہے کمل　کنتو چھوتا نہیں ہے جل
جیسے مرغابی کے پر　جل میں بھیگ کے ہوں نہ تر
جیسے رہے جنک آدی　متھیا جگ میں سنیہ وادی
جنہوں نے جیت لیا ہے من　کر کے کرم یوگ سادھن
ان کو مان اپمان سمان　ان کو رکت اور پان سمان
ان کو سورن اور دھول سمان　ان کو پھول اور شول سمان
ہو جائے جس جیو کو گیان　کرم۔ اکرم ہیں اسے سمان

تو بھی اپنے پنڈو کمار!
من پر رکھ اپنا ادھیکار

جیسے کچھوے کا آکار　وش کرلے اچھا انوسار

چت کو میری اور لگا   جگ کے کام بھی کرتا جا
من میں میری پریت بسا   تن سے جگ کی ریت نبھا
سن سن مدھر منوہر گان   کر کر مدھو امرت رس پان
چتر بنا پارتھ بلوان   سر جو تٹ پر شلا سمان

بول اٹھے پھر کرونا گار
کر کے دکھیا پر اپکار

رما ہوں سب میں اسی پرکار   جیوں تلسی مالا میں تار   (شوتر)
جیوں پاشان میں آگ کا باس   جیوں پشپوں میں رہے سباس
جیوں گورس میں ہے نونیت   جیوں وینا میں مدھو سنگیت
ایسے میں سنسار میں سار   اور مجھ میں سارا سنسار
اندریوں میں من مو ہے جان   سدھ پرشوں میں کپل سمان
نارد ہوں برہم رشیوں میں   ویاس منی ہوں منیوں میں
اتم اوم ہوں اکھشروں میں   گائیتری ہوں چھندوں میں
گنگا ندی ہوں ندیوں میں   رتو بسنت ہوں رتوؤں میں
راجہ اندر ہوں دیوؤں میں   گرڑ راج ہوں پکشیوں میں
کام دھینو ہوں گئوؤں میں   پیپل ورکش ہوں ورکشوں میں

مجھ پر کر پورن وشواس
یہ سارے ہیں کال کا گراس

ساودھان ہو ہے ارجن!   روپ وراٹ کے کر درشن
چھایا پارتھ کے من سے   نرکھ کوٹی روی جیوتر مئے
یدھ ستھل جگ مگ جگ مگ   بھو منڈل جگ مگ جگ مگ
پروت سم دے ہی وکرال   بھال تیجسوی نین وشال
کوٹی بھجاؤں میں شستر   برسے بھالے اور چکر
کوٹک مکھ تھے کنڈ سمان   جس میں اگنی پرچنڈ مہان
یودھاؤں کی آہوتی   کنتی ست نے جب نرکھی

بولا بھرم سب ہو گئے ناش
من کے بھیتر ہوا پرکاش

آپ کی وانی من موہن! لائی رتن میں نو جیون
لوپ ہوا گنبھیر اگیان جاگ اٹھا سب سویا گیان
دھنیہ دھنیہ یدو ونش کمار جے مدھو سودن کرشن مرار
ہے دیویشور ہو پرنام ہے یوگیشور ہو پرنام
ہے پرانیشور ہو پرنام ہے سرویشور ہو پرنام
تربھون نائک ہو پرنام جن سکھدایک ہو پرنام
یدو کل نائیک ہو پرنام پرم سہائیک ہو پرنام
انتریامی ہو پرنام گھٹ گھٹ گامی ہو پرنام
کرونا سندھو ہو پرنام دینا بندھو ہو پرنام
گرو پرہاری ہو پرنام جن ہتکاری ہو پرنام
اسر سنگھاری ہو پرنام کرشن مراری ہو پرنام
ہے نٹ ناگر ہو پرنام وشو اجاگر ہو پرنام
سب گن اگر ہو پرنام سب سکھ ساگر ہو پرنام

اسر نکندن ہو پرنام
یدو کل چندن ہو پرنام

دیکھ دین۔ ہو گئے وہال دیا سندھو میں آئی اچھال
گونج اٹھے پھر ادھر رسال بول اٹھے گردھر گوپال
جو جن میری شرن میں آئے بھو بھے سب اسکا مٹ جائے
اس کی رہے مجھے ہی چنتا اسکی کروں سوئم میں رکھشا
اس کا آپ اٹھاؤں بھار اس پر دوں سکھ سمپتی وار
کر کموں میں سے بتوار کر دوں اسکی نیا پار
کرم آگیا کا پالن سپھل بنا لے نج جیون
سب دھرموں کو تج کر آ کیول میری شرن ہی پا
دوں گا تجھکو امر بنا ہے پارتھ! ہے پرم سکھا!!
اٹھ اپنا گانڈیو اٹھا اپنا کھشتر دھرم نبھا
باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ زرگ اسنت کا اٹھکر توڑ

کارن بن کرپال کرونیش
ہوئن ہرسے جب ہرشی کیش

اُچھل پڑا تب گڈاکیش | سُن کر اجر "امر سندیش"
گرج اُٹھا کنتی کا لال | کر کے دونو آنکھیں لال
گورو چرنوں میں سیس جھکا | پھر گانڈیو کو لیا اُٹھا
بکھرے بان لئے سنبھال | نوبت باج اُٹھی تت کال
دیو دت کا سُن سنگیت | کورو سبھا ہوئی بھے بھیت
پانڈوں کے من ہوئے ابھئے | بولے کرشن چندر کی جے
سنجے بولا ہے مہاراج! | دھرم راج کا ہو گا راج
ایسا مجھکو ہُوا پرتیت | نر۔ ناراین کی ہے جیت

گونجا پرتی "دل" میں یہ گان
جے جے بھگتوں کے بھگوان

مُکتی

قید حیات و بندِ غم اصل میں دونو ایک ہیں

از۔ دیوان پنڈی داس چوپڑہ۔ بی۔ اے۔ 67/29۔ پٹیل نگر۔ دہلی 8

ہندو رشیوں نے انسانی جیون کے چار پرشارتھ (منتویہ یا مقصد) قرار دیئے ہیں۔،

(۱) اول دھرم۔ انسان جیسے ماحول میں پیدا ہوتا ہے اُس ماحول کے مطابق جو اُسکے فرائض ہوتے ہیں اُن فرائض کو پورا کرنا دھرم کہلاتا ہے۔ انسان جنم اس لئے لیتا ہے کہ گذشتہ جنم میں کئی ایک خواہشات کی تکمیل کی حسرت لئے وہ مرجاتا ہے۔ لہٰذا وہی خواہشات سنسکار روپ میں دوسرے جنم میں اُسکے ساتھ آتی ہیں۔ اور وہ مجبوراً اُن ہی خواہشات کی تکمیل کے لئے کرم مارگ پر گامزن ہوتا ہے۔ یہی کرم اُس کا دھرم ہیں۔

(۲) دوسرا مقصد ارتھ ہے۔ یعنی جب تک جسم اور روح کا میل ہے۔ اور جبتک انسان جسمانیت کو ہی اصلی اپنا آپ سمجھتا ہے اُسکے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جسم خاکی کی ضروریات پوری کرے۔ یہ مادی ضرورتیں صرف دھن سے ہی پوری ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس منزل پر ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دھن دولت فراہم کرے۔ اسی منزل پر رشیوں نے لکشمی دیوی کی پوجا کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۳) تیسری منزل یا مقصد کام ہے۔ یعنی جب تک انسان میں یہ خواہشات موجود ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ

دھرم سے کمائے ہوئے دھن کے ذریعہ اُن خواہشات کو پورا کرے۔ جو آدمی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اُسی کو گیان ہو سکتا ہے۔ کہ خواہشات کی پُورتی محض سراب ہے۔ مرگ ترشنا کی طرح انسان خواہشات کی پورتی میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ لیکن ایک خواہش کی تکمیل دس اور خواہشات کو جنم دیتی ہے۔ اور دس خواہشوں کی تکمیل نننو اور خواہشوں کو پیدا کر دیتی ہے۔ صرف خواہشات کی پورتی کی کوشش سے ہی خواہشات کے موہوم ہونے کا گیان ہو سکتا ہے۔ لہذا دانش مند رشیوں نے کام و خواہش کو بھی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ تینوں تو انسانی زندگی کے مقاصد ہیں لیکن مقصد اعلیٰ صرف مُکتی ہی ہے۔

(۴) لہذا مکتی چوتھا مقصد ہی مقصد اعلیٰ ہے۔ مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر جگیاسو کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلی تین منزلوں کا تلخ تجربہ ہوئے بغیر کبھی انسان کو مُکتی کی خواہش نہیں ہو سکتی ہے۔ جو انسان عیش و عشرت کا جیون بسر کر رہا ہے۔ دھن دولت کی فراہمی میں ہی دن رات مشغول ہے۔ اور اسی خیال میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتا ہے اور دن رات بھگوان سے دھن دولت اور دُنیاوی راحتوں کا طالب ہے۔ اُس کے لئے اس جنم میں یا دُنیا میں کونسا بندھن ہے جس سے کہ وہ چھٹکارا (مُکتی) پانے کا خواہاں ہو سکتا ہے۔ جب ایسا آدمی یہی کہتا ہے کہ وہ مُکتی پانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہا ہے۔ یا قدرت اور بھگوان کے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکتی کا کیا مفہوم ہے۔ مُکتی کیا سروپ ہے"۔ چنانچہ مکتی کی ماہیت کے متعلق خود ہندو رشیوں میں کچھ اختلاف رائے ہے۔ ادویت وادی (وحدت مطلق کے ماننے والے) یہ مانتے ہیں کہ جیو کا اپنی موہوم انفرادی ہستی کھو کر وحدت کے بے پایاں سمندر (برہم) میں مدغم ہو جانا ہی مُکتی ہے۔ یعنی جب جگیاسو کو عین الیقین ہو جاتا ہے کہ وہ خود ہی آخری حقیقت ہے۔ اور اُسکی انفرادی ہستی موہوم ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو مُکت ہی پاتا ہے۔ گویا بندھن تو اس کا محض وہم تھا جس سے مُکت ہو کر وہ اپنے اصل سروپ میں سنہت ہو گیا ہے۔ لیکن وششٹ ادویت وادی ایسا مانتے ہیں کہ مکتی میں انسان اپنی انفرادی ہستی کھوتا نہیں ہے۔ اُسے صرف آخری حقیقت (برہم) کے قریب میں مکمل آنند حاصل ہوتا ہے۔ یہی وصال یاری کی منزل ہے۔

لیکن عام جگیاسو کو اس اختلاف رائے میں جانے ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہر دو قسم کے نکتۂ خیال رکھنے والے ایک حقیقت پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ مُکتی وہ اوستھا ہے جس میں آنند محض کی پراپتی ہوتی ہے۔ رنج و غم کا نام نشان تک مٹ جاتا ہے۔ انسان موت اور آواگون کے چکر سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور تا ابد آنند بھوگتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مُکتی اگر اتنی ہی آنند دایک اوستھا ہے تو انسان ایسی مکتی سے کیوں غافل رہتا ہے۔ اس سوال کا حل ہمیں صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ ہم دُنیاوی بندھن کا کارن معلوم کریں۔ یعنی وہ کون سے اسباب ہیں جنکی وجہ سے انسان سنسار بندھن میں رہتا ہے۔ اور بار بار جنم مرن کے بندھن میں آتا ہے۔ جنم کا کارن تو وہی خواہشات ہیں جنکی پُورتی کی حسرت لئے انسان موت سے واصل ہوتا ہے۔ اب سوچنا پڑتا ہے کہ وہ خواہشات کیوں اور کس طرح سے پیدا ہوتی ہیں۔ ذرا سے غور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خواہشات جو کہ بار بار انسان کو جنم مرن کے چکر

ہیں ڈالتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم اوڈیا کی وجہ سے اپنے جسم اور من کو ہی اپنا اصلی اپنا آپ تصور کرتے ہیں حواس خمسہ (پنچ گیان اندریہ کے ذریعہ جب وہ اس دُنیا کا مشاہدہ کرنے سے اس سنسار کے فریب میں آجاتا ہے تو خواہشات اُسے کرموں کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ اور کرم اُسے خواہشات کی تکمیل کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ گویا وہ جسمانیت اور من کو ہی اپنا سروپ تصور کرنے کے وہم کی وجہ سے ایک لا متناہی چکر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ بندھن اس کا اپنا ہی پیدا کردہ ہے لہٰذا وہ ہی اپنے پرشارتھ سے اس چکر میں سے نکل سکتا ہے۔ اور قدرت نے ہر انسان کو اس چکر میں سے نکلنے کے لئے یعنی مکتی پراپت کرنے کی قابلیت عطا کی ہے۔ انسان اپنے اصلی سروپ کو بھول جاتا ہے۔ اور وہ دُنیا اور سنسار کی چمک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور جسمانی اور مانسک خواہشات کی تکمیل کے لئے مرگ ترشنا کی طرح ساری عُمر بھٹکتا رہتا ہے۔ اور اُتم درشن (جو کہ آنند کا سرچشمہ ہے) سے محروم رہتا ہے۔

یہ اُتم درشن کی منزل بہت لمبی اور کٹھن ہے۔ اور انسان کا اپنا من ہی اس رُوحانی سفر میں تمام مشکلات پیدا کرتا ہے۔ اس سفر میں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سب سے مقدم بات یہ ہے کہ پہلے انسان کو یہ یقین حاصل ہو کہ ہماری بھلائی کس بات میں ہے۔ کیا جسمانیت میں یا کہ رُوحانیت میں ہے۔ اس کے بعد من کو ابھیاس کے ذریعے اپنے وش میں کرنا ہے۔ من کو جگہ باسو حواسات کی دُنیا سے ہٹا کر اپنی ذات (آتما) میں لگا دے۔ اور سوائے اپنی ذات حقیقی (آتما) کے خیال کو کسی طرح نہ جانے دیا جائے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ من کو وش میں کرنا کتنا کٹھن ہے۔ لیکن سوائے اندریوں کے نرودھ کے آتم درشن یا وصال باری کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ کوئی آسان راستہ بتا سکتے ہیں یا کہ کان میں کوئی منتر پھونک کر پرماتما کے درشن کرا سکتے ہیں۔ وہ یقیناً دمبھی ہیں۔ جب دُنیا کے عام مقاصد (دھن دولت رُتبہ وغیرہ) کے حاصل کرنے میں اتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ تو اس لا انتہا خزانہ یعنی آتم درشن کے لئے کیوں نہ کوشش درکار ہوگی۔ قدرت کا اُصول ہے کہ کوئی شے اتنی ہی قابل قدر ہے جتنی کہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوشش درکار ہوتی ہے۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا انسان اسی جنم میں مکت ہو سکتا ہے؟ کیا مکتی کسی اگلے جنم میں ملے گی۔ یا کسی انسان نے آجتک مکتی پائی بھی ہے یا کہ نہیں۔ اگر اس جنم میں انسان کو مکتی کا احساس نہیں ہو سکتا۔ تو انسان کے دماغ میں کچھ ایسا شک بھی پڑ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ شائد مکتی محض امر مفروضہ ہی ہو اور حقیقت نہ ہو۔ ایسی مکتی سے ہمیں کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ ایسے مہاتما اور رشی لوگ بھی ہو چکے ہیں جن کو اسی جنم میں مکتی پراپت ہوئی جو کہ سنسار بندھن سے اس جسم خاکی میں ہی چھوٹ گئے۔ جو کہ اس جنم میں جنم مرن کے چکر سے نکل گئے۔ اور جن کا من شانت ہو گیا۔ برہم تمام اوگنوں سے پرے ہے۔ اس لئے جن کا من شانت ہو گیا ہے اور اندریوں پر جن کو مکمل حکومت حاصل ہے۔ ایسے مُنیوں اور مہاتماؤں کا برہم میں ہی قیام ہوتا ہے! ور وہ جسم اور من کی قیود سے آزاد ہوتے ہیں۔ شریمد بھگوت گیتا میں آیا ہے۔ "وہ یوگی جس کا من شانت ہو گیا ہے۔ جو کہ کرتا پن کے ابھیمان سے آزاد ہو گیا ہے۔ جو کہ پاپ سے مبرا ہو گیا ہے۔ وہی برہم واصل ہے۔ اُسی کو بے پایاں آنند کی پراپتی ہوتی ہے۔" ایسا پُرش ہی حقیقی معنوں میں اس جنم خاکی میں رہتا ہوا بھی مکت ہی ہے۔ اوم شانتی شانتی شانتی۔"

اوم

کہ میں روحانیت کو اب بروئے کار لاؤنگا

شری موہن لال مستانہ بانی آل انڈیا روحانی اتحاد کمیٹی ورکن خصوصی شعبۂ نشر و اشاعت عالمی مذاہب کانفرنس دہلی

بجائی بندرابن میں مدتوں تک بنسری میں نے
سکھائے ہیں حجاب والوں کو اسرار خودی میں نے

خدا کے نور کا دل میرا گہوارہ رہا برسوں
میں اپنی گوپیوں کی آنکھ کا تارا رہا برسوں

میں کنہیا ہوں، میں ہزاروں غم کے ماروں کا سہارا ہوں
کہ موہن نام ہے میرا۔ زمانے بھر کا پیارا ہوں

میں نانک ہوں میں رومی ہوں میں جامی ہوں میں شیرازی
ہزاروں بار کی ہے راز حق کی میں نے غمازی

نہ تیرے پاس ہوں ساقی نہ تجھ سے دور ہوں ساقی
کبھی میں شمس ہوں ساقی۔ کبھی منصور ہوں ساقی

تیری انگشتری کا لال ہوں اور تیرا مستانہ
مرتب کر رہا ہوں آج میں اک اور افسانہ

حجابات خودی و بیخودی اب چاک کرتا ہوں
میں اب اپنی زباں کو اور کچھ بیباک کرتا ہوں

تعصب اور نفرت کو سر انجام پہنچا کر
زمانہ بھر میں حق کا آخری پیغام پہنچا کر

نئے ہندوستاں میں میں نئے افکار لاؤنگا
کہ میں روحانیت کو اب بروئے کار لاؤنگا




(مستانہ)

اوم اوم

پُرشارتھ چتشٹے

(از قلم شری سوامی شاشوت آنند جی مہاراج)

پُرش جسے چاہتا ہو اُسکو پرشارتھ کہتے ہیں۔ الگ الگ ویکتیوں کی اچھّائیں اننت ہونے پر بھی اُن اچھائیں کے وشیوں کو چار حصّوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

دھرم۔ ارتھ۔ کام۔ اور موکش۔ پہلے پرشارتھ دھرم کی ویاکھیا سے پہلے دُوسرے اور تیسرے پرشارتھ کی ویاکھیا کی جاتی ہے۔ ان میں سے دُوسرے نمبر کے پرشارتھ کو ارتھ کہا ہے۔ اس کا مطلب ہے اُپ بھوگ کا لوکک یا لوکات شیہ۔ جن میں استری۔ پُتر۔ دھن۔ گرہیہ (نواس استھان) زیور مالا چندن آدی۔ اَتَ۔ دھن میں کار زمین سکوٹر جہاز۔ حکومت۔ خزانہ سب کچھ شامل ہے۔ استری۔ پُتر میں سارا پریوار اور زیور مالا چندن آدی میں گھر مکان کے اور شریر کی سجاوٹ اور سُکھ کے سبھی سادھن شامل ہیں۔ ان سبھی سُکھ سامگری کو ارتھ میں گِنا گیا ہے۔

اگر یہ سبھی پدارتھ موجود بھی ہیں اور نیروگ شریر اور شانت چِت ہوکر ان کو بھوگ نہیں سکتا۔ تو یہ سب بیکار ہی نہیں بلکہ سُکھ کے ستھان پر دُکھ کا ہیتو ہیں۔ اس لئے شریر اندریہ اور من سے ان کے بھوگنے کی سامرتھیہ ہوتے ہوئے اِنکے بھوگ سے سُکھ لینا یعنی انہیں بھوگنا کام ہے۔ جو کہ پرشارتھ کرم سے تیسرے نمبر پر ہے۔

سنتان ہوتے پر بھی اس کے انوکول لائق اور آگیا کاری اتھوا نیرگھ آیو ہونے پر بھوگ سامگری ہونے پر بھی شریر میں بھوگنے کی اسمرتھتا یا چِت کے دُکھی ہونے پر انکی سمیپتا سے سُکھ بھوگ نہیں کرسکتا۔ بردھ اوستھا آجانے پر استری سُکھ یا بھوگ کی انیہ سامگری کھان پان سے سُکھی ہو نہیں سکتا اور اسی طرح روگی ہونے پر بھی بھوگوں کے رہتے بھی ان کے سُکھ سے ونچت ہی رہتا ہے۔ اس طرح کام رُوپی تیسرے پرشارتھ سے بھی اسکو وشیش لابھ نہیں۔

اس طرح جس کے پاس ارتھ رُوپ سامگری اور کام یعنی اس کا بھوگ سامرتھیہ دونو نہیں وہ اپنے کو بھاگیہ ہین ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے پُرش بھوگ اور اُسکی سامگری کا بھی طلبگار رہتا ہے۔ یہ پُرش کی اِچھا کا وشیہ ہونے سے دونو کو ہی پرشارتھ نام دیا گیا ہے۔

ان ارتھ اور کام کی پراپتی کے سادھن کو شاستر کاروں نے دھرم نام کا پہلا پرشارتھ کہا ہے۔ کیونکہ سادھن کے بنا سادھیہ کی پراپتی نہیں ہو سکتی۔ پرنتو ہم نے ویاکھیا میں پہلے سادھیہ رُوپ ارتھ اور کام کا پہلے نروپن کیا ہے۔ کیوں کہ سمجھنے میں آسانی اسی طرح ہو سکتی ہے۔

پہلے پرشارتھ یعنی دھرم کی پری بھاشا شاستر کاروں نے اس پرکار کی ہے۔ وید پرتی پادیا پرو جن وَدارتھو دھرمہ"

वेद प्रति पाद्यः प्रयोजन वदर्थो धर्मः ॥

ارتھات جس کا پرتی پادن وید تتھا وید انوکول شاستر سمرتی پران اتہاس آدی گرنتھوں میں کیا گیا ہے۔ ایسے پدارتھ کو دھرم کہا جاتا ہے۔ یہ درشٹ اور ادرشٹ بھید سے دو پرکار کا ہے۔ یگیہ یاگ آدی روپ کو درشٹ شبد سے کہا گیا ہے۔ اس سے وپریت کو ادھرم یا پاپ کہا جاتا ہے۔

یدّپی کھیتی بیوپار آدی لوکک کرم بھی ارتھ یعنی بھوگ سامگری اور کام یعنی بھوگ کے سادھن دیکھنے میں آتے ہیں پھر بھی دھرم پر ہی انکی سپھلتا کا انحصار ہے۔ چاہے دھرم یہاں اس جنم میں کیا ہوا ہو چاہے پہلے کسی جنم کا کیا ہوا پنیہ ہو۔ یہاں کے لوکک اُپائے تو دھرم ادھرم سے پیدا ہونے والے سُکھ دُکھ کو پرگٹ کرنے کے سادھن ہیں جیسے دیا سلائی کے مصالحہ کو رگڑنا اگنی کا سادھن تو ہے مگر مصالحہ کا ہونا دوسری بات ہے۔ مصالحہ کے ہوتے ہوئے بھی اسکو رگڑنے سے اگنی پیدا یعنی پرگٹ ہو سکتی ہے۔ اس لئے مصالحہ کے بغیر دیا سلائی ہو تو رگڑنے سے بھی اگنی پرگٹ نہیں ہوگی۔ مصالحہ کے اندر کی اگنی رگڑنے سے پرگٹ ہی ہوتی ہے اور پہلے ہی وہ مصالحہ میں موجود ہے۔ کیول رگڑنے سے وہ پیدا نہیں ہوئی، ایسے ہی دھرم سے ارتھ اور کام کی پراپتی یہاں کے کسی کھیتی بیوپار اور آدی سادھن سے ہو سکتی ہے مگر خود کھیتی بیوپار آدی ارتھ یا کام یعنی بھوگ سامگری یا بھوگ کو نہیں دے سکتے۔ بلکہ اِن سے دھرم روپ ادرشٹ پیدا ہوتا ہے اور اُس سے ارتھ اور کام کی پراپتی ہوتی ہے اور شاستر ورُدھ کرم سے ادھرم روپ ادرشٹ پیدا ہوتا ہے جوکہ دُکھ کا ہیتو بنتا ہے۔

اب چوتھے پرشارتھ کا ورنن کیا جاتا ہے۔ یہی پرم پرشارتھ ہے اور اس کے لئے وید شاستر کی پرورتی ہے۔ کارن سہت دکھوں کی پورن نورتی اور پرمانند کی پراپتی کو موکش کہا جاتا ہے۔

چونکہ منش بھوگ سامگری۔ بھوگ۔ اُن کے ہیتو اور سرب دُکھ نورتی اور پرمانند کی پراپتی سدا چاہتا ہے۔ اس لئے کرم سے چاروں ارتھ کام دھرم اور موکش، پرشارتھ کہے جاتے ہیں۔ دھرم چونکہ ارتھ اور کام کا مول کارن ہے۔ اس لئے اسے پہلے کہا گیا ہے۔ اور دھرم بین پرش کا وویک کے یوگیہ انتہ کرن نہیں بن سکتا اس لئے وہ موکش کا بھی اوانتر سادھن ہے مگر موکش کا مکھیہ سادھن تو گیان ہی ہے۔ اتھوا یوں کہنا چاہئے کہ دھرم ارتھ اور کام کو پرشارتھ کیول گون درشٹی سے کہا گیا ہے۔ واستو میں موکش ہی ایک ماتر پرشارتھ ہے۔ کیوں کہ سبھی پرانی نر دُکھ سُکھ کو ہی چاہتے ہیں یعنی دکھوں سے رہت ہونا اور پرم سُکھ پراپت کرنے کی سب کی اِچھا سدا ہی ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دھرم سے ارتھ اور کام ملتے ہیں۔ یعنی وشیہ سُکھ ملتا ہے۔ مگر وہ کھشنک ہونے سے اشٹ نہیں۔ اور انتیہ ہونے سے اور اپنے سے بھن ہونے سے وناشی اور ہم سے الگ ہو جانے والا ہے اسلئے وویکی پرش سوائے موکش کے کسی کو نہیں چاہتا۔

لوکک سُکھ دھن استری پتر آدی کو دیکھئے کہ جو دھنوان آج اپنے دھن کے نشے میں پھولا نہیں سماتا کل وہ ذرّ ذرّ کا بھکاری ہو کر ہاہا کار کرتا دیکھا جاتا ہے۔ استری کو پا کر بھی اپنی خواہش پوری نہ ہونے سے۔ روگی ہو جانے سے پر پرش سے پریتی ہو جانے سے اتھوا سنتان نہ ہونے سے اتھوا کرور سبھاو وکٹو بانی والی ہونے سے اس سے سُکھ کی آشا کہاں۔ پتروں کے سُکھ کی آج پتروالوں کو خوب انوبھوتی ہو رہی ہے۔ جن کے پتر نہیں وہ تو کیوں اُسکے پیدا نہ ہونے ماتر

سے ہی دُکھی ہیں پرنتو پتر ہونے کی آشا سے گرہ دُکھ۔ پتر اتپن ہونے سے روگ مرتیو کا بھے اور پیدا ہو جانے کے بعد قدم قدم پر اُس کے پالن پوشن۔ تعلیم۔ وواہ اتیادی کی چنتا تھا اُسکے انتر اُسکی سنتان کی چنتا۔ نالائق پتر سے ہر وقت من کو کلیش اور لائق ہو تو اُسکے ویوگ سے اتی کشٹ ہوتا ہے یہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے یہاں کے سُکھوں کو تو دُکھ نہیں کہا جا سکتا ہے اور پرلوک کے سُکھ کیوں سُننے سنائے ہوئے ہی ہیں۔ اور وہاں بھی اندر آدی کو زیت لوگوں کا بھے۔ چھوٹے دیوتاؤں کو دیکھکر ابھیمانی۔ برہما آدی پد کی اِچھا اور سوورگ سے پتن کی ہر وقت چنتا لگی ہی رہتی ہے کسی بھی تپسوی کے تپ کو دیکھ سُنکر اُسکا سنگھاسن ڈولنے لگتا ہے۔ اور وہ اُسکے تپ سے گرانے کے لئے اپسراؤں آدی کو بھیجکر پاپ کا بھاگی بنتا ہے۔ اِسلئے لوک پرلوک کے سُکھ کے ہیتو دھرم ارتھ اور کام کیوں کہنے ماتر کو پرشارتھ ہیں۔ واستو میں پرم پرشارتھ تو کیول موکش ہی ہے۔ جس میں پرمانند سروپ برہم سے سدا کے لئے ابھید ہو جاتا ہے۔ اور پھر کوئی گرنے کا بھے رہتا ہی نہیں اور اسی کے لئے برہم ودیا کا اُپدیش وید اپنشد آدی گرنتھ اور مہاپرش کیا کرتے ہیں۔

کوئی یدی یہ کہے کہ موکش کے سمان دھرم ارتھ کام بھی پرشارتھ ہی ہیں مگر وہ مکھیہ پرشارتھ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے سُکھ نتیہ نہیں ہو سکتے اور سپشٹ ہے کہ جیسے کھیتی کرم جنیہ ہے اور ناش کو پراپت ہو جاتی ہے اس طرح ہی کرم سے پراپت ہونے والے سوورگ لوک آدی سکھ بھی انیتیہ اور ادھار ہی ہیں اور ان کا ناش اوشیہ ہوتا ہے اور بہت کشٹ سادھیہ بھی ہیں۔ اِسلئے وویکی پرش ان سے منہ موڑکر کیول موکش نقد نجات کو ہی چاہتا ہے۔ جو کہ نتیہ ہے اور کرموں کی بجائے گیانی سے ہی اُپلبدھ ہوتا ہے۔ اسی گیان کو پانے کے لئے ادھکاری کی سادھن سمپتی ہونی بہت ضروری ہے بغیر سادھن کے سادھیہ کی پراپتی نہیں ہو سکتی۔ جگیاسو ابھی لئے وویک وپراگیہ دیہمبا اور مموکشتا کا آشریہ لیتا ہے اور ان سے سمپن ہوا ہوا گورو شرن میں انینیہ پریم اور بھگتی سے پراپت ہو کر برہم آتم تتو کو پانے کے لئے پرارتھنا کرتا ہے جس سے اسکو ہمیشہ کے لئے شوکوں اور دکھوں سے چھٹکارا مل جاوے اور نتیہ پورن پرمانند کی پراپتی ہو سکے۔

یدیپی کہیں کہیں سوم رس کا پان کرنے سے امرتو اور چاتُرماسیہ یگیہ سے اوناشی سُکھ کی پراپتی کہی ہے۔ اور سندیہ ہو جاتا ہے کہ یہ دھرم ارتھ کام بھی نتیہ سُکھ کے دینے والے ہیں پرنتو آگے چل کر ان سُکھوں کے انتیہ پنے کا ورنن چھاندوگیہ شرتی میں اسی پرکار ملتا ہے

तद्य थेह कर्म चितो लोकः क्षीयते एवमेवामुत्र
पुण्य चितो लोकः क्षीयते ॥ छां० ८-१-६

ارتھ۔ جس پرکار کرم سے اُتپن کھیتی کے فصل آدی بھی سیمہ پا کر نشٹ ہو جاتے ہیں اسی پرکار کرم آدی یعنی یگیہ تپ آدی کا پھل بھی انتیہ ہی ٹھہرتا ہے۔ نتیہ سکھ کرم سے پراپت نہیں ہوتا۔ موکش نتیہ ہے۔ یہ بات شرتی۔ انوبھو اور ترک (یکتی) سے سدھ ہے۔ شرتی کہتی ہے۔ کہ تتو گیانی جب پراربدھ گھٹنے کے انتر ودیہہ کیولیہ کو پراپت کر لیتا ہے تو پھر اس کا پنر جنم نہیں ہوتا۔

न स पुनरावर्तते न स पुनरावर्तते ॥
तरति शोकमात्मवित् ॥

(آتم ویتا شوکوں سے ترجاتا ہے۔)

وہ اُس پر برہم کو جان کر سدا کے لئے مرتیو روپ سنسار سے ترجاتا ہے۔ اس سے بھن موکش کا کوئی اور سادھن نہیں۔

तमेव विदित्वाति मृत्यु मेति नान्यः पन्था विद्यते ऽयनाय ॥ *

جس کو پراپت کرکے پھر سنسار میں لوٹنا نہیں پڑتا وہ میرا پرم دھام ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

* وہ اُس پر برہم کو جان کر سدا کیلئے مرتیو روپ سنسار سے ترجاتا ہے۔ اس سے بھن موکش کا کوئی اور سادھن نہیں
यद्गत्वा न निवर्तन्ते तद्धाम परमं मम। -

ان سبھی پرمانوں سے سِدھ ہوتا ہے کہ موکش کرم سادھیہ یا کریا جنیہ نہیں یعنی کرموں سے نہیں مل سکتا اسی لئے وہ انتیہ بھی نہیں بلکہ نتیہ ہی ہے۔

کریا جنیہ پھل چار پرکار سے بتائے گئے ہیں۔ (۱) اُتپادیہ उत्पाद्य (۲) وکاریہ विकार्य (۳) سنسکاریہ संसकार्य (۴) پراپیہ (प्राप्य) جیسے چاول اور دودھ ملا کر ہون کرنے لائق ان پُروڈاس पुरोडाश تیار کیا جاتا ہے یا کھیتی سے ان پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ اتپادیہ ہے۔ آتما کو پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ سمست سنسار کا ادھشٹھان ہونے سے پہلے ہی موجود ہے اس لئے کریا سے پراپت نہیں ہو سکتا۔

آتما وکاریہ بھی نہیں۔ جیسے سوم لتا سے سوم رس نچوڑ کر یا وہی تو دودھ کو جامن لگا کر تیار کیا جاتا ہے وہ سوم لتا کا وکار یا دودھ کا پرنیام اور وکار ہے اس طرح آتما کسی کا وکار بھی نہیں بلکہ نروکار ہے۔ اس لئے کرم سے نہیں مل سکتا۔

سنسکاریہ یعنی میلے وستر کو صابن وغیرہ سے سنسکار کیا جاتا ہے یعنی صاف کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی کریا کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ پرنتو آتما تو سبھاؤ سے نرمل اور شُدھ ہونے سے کسی کریا سے شُدھ نہیں کیا جا سکتا۔ آتما میں اگیان میں کال بھی ایسے نہیں جیسے سوریہ میں اندھکار کا سدا ابھاؤ ہے کسی بھی اُپائے سے آتما کو شُدھ بُدھ سروپ بنایا نہیں جاتا بلکہ سبھاؤ سے ہی ایسا ہے۔ اس لئے اس میں کریا کا کوئی بھی سمبندھ نہیں۔

پراپیہ (प्राप्य) بھی آتما نہیں۔ ایک جگہ سے چلکر دوسری جگہ جانا ہوتا ہے آتما سرب ویاپک اور سب کا اپنا آپ ہونے سے چلکر نہیں پایا جاتا اس لئے اس گمن کریا سے بھی اس کا سمبندھ نہیں۔

لہٰذا چار پرکار کی کریا سے آتما پراپت نہیں ہو سکتا۔ اور آتم استھتی روپ موکش کی کریا دوارا پراپت ہونے والا نہیں پھر بھی گلے میں پڑے ہار کو بھول جانے سے جیسے کھویا ہوا مانا جاتا ہے۔ اسی طرح آتما بھی کھویا ہوا سا ہے اس کا بودھ کرا دینے سے وہ پراپت وت پراپت ہوتا ہے اسی طرح دشم پُرش کی پراپتی اس دسویں پُرش کو پہلے بھی ہے ہی پرنتو گیان کے بغیر اپراپت وت ہو رہا ہے۔ اسلئے آتم سروپ کی پراپتی کیول گیان سے ہی ہوتی ہے۔ یہ آتم پراپتی ہی موکش کا سروپ ہے۔ اسلئے اپنشدوں آدی میں گیان سے ہی اُسکی پراپتی کے لئے انیک کتھائیں دی گئی ہیں۔ جس سے سِدھ ہوتا ہے کہ اگیانت روپ سے وستو موجود ہوتے پر بھی اپراپت کے سمان ہی ہوتی ہے۔ اور گیان ہونے پر اُس کی نئی پراپتی نہیں ہوتی پراپت کی پراپتی وت ہی پراپتی ہوتی ہے۔ اور ان ہوتے دُکھ کلیش جو بھرم سے ہو گئے تھے اس بھرم کی نورتی کے سم کال میں ہی اُن کی نورتی بھی ہوتی ہے۔ اسکو نت نورت کی نورتی کہا جاتا ہے۔

اب موکش کا سروپ اور سادھن کہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ موکش کا سروپ تو نرتی شئے سُکھ کی پراپتی اور دُکھ کی نرتی نورتی (نرتی شئے جس سے بڑھکر دوسرا کوئی نہ ہو) یعنی مہان سُکھ کی پراپتی اور سرب دُکھوں سے مکمل چھٹکارا اور بھی ہمیشہ کے لئے۔ شاستروں میں برہم کو ہی آنند سروپ بتلایا گیا ہے۔ آنند برہم، وگیانم، آنند برہم (برہم آنند سروپ ہے۔ برہم وگیان یعنی چیتن اور آنند سروپ ہے) ایم آتما برہم یعنی آتما ہی برہم ہے۔ تتو مسی (تو ہی وہ ہے) ایسے ویدانت واکیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ برہم جو کہ وگیان سروپ آنند سروپ تمہارا ہی اپنا آپ ہے یعنی اپنا آتما ہی ہے اُسی کی پراپتی موکش سروپ ہے۔ اگر برہم آتما سے بھن ہوتا تو وہ اناتما ہوتا اور است جڑ دُکھ روپ اور پریچھن ہوتا کیونکہ ستیم گیان منتم برہم

सत्यं ज्ञान मनन्तं ब्रह्म

یہ برہم کے لکشن ہیں اور ایم آتما برہم یہ آتما ہی برہم سروپ ہے اسلئے برہم یا آتما کی پراپتی دو وستو نہیں بلکہ جل اور پانی کی طرح ایک ہی وستو کے دونام برہم یا آتما ہیں. اس آتم گیان سے ہی برہم روپ آتما کی پراپتی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ اپروکش آتم ساکشات کار ہی برہم پراپتی کا سادھن ہے۔ سے خود شناسی خدا شناسی، اور اس آتم گیان کے سادھن گورو شاستر دوارا مہا واکیوں (برہم آتما کے ابھید کا بودھ کرانے والے اُتی سوکشم مہاواکیوں) کا شروَن منن اور ندھیاسن ہی برہم پراپتی یا موکش کا سادھن ہے۔ انیہ کوئی سادھن نہیں ہوسکتا۔

ادھیکاری بھید سے مہا واکیہ شروَن سے بھی اپروکش ساکشات کار ہو جاتا ہے۔ کیول سنشئے وپرسیا روپ پرتی بندھ کی نورتی کے لئے منن ندھیاسن کی ضرورت مدھیم اور مند ادھکاریوں کو ہوتی ہے۔ اتی ادتم کرت اُپاسک ادھیکاری کو کیول مہا واکیہ شروَن سے دوھی مُکھ سے نت تومسی سے پورن گیان ہو جاتا ہے۔

اسی گیان کا سادھن اُپنشد آدی ہیں۔ انہی کا نچوڑ بھگوت گیتا میں ہے۔ اور وستار سے انہی کی وضاحت برہم سوتروں میں کی گئی ہے۔ انہی کو روچک ڈھنگ سے عملی صورت میں لانے کیلئے پورانوں کی رچنا ہوئی ہے۔ انہی اُپنشد. گیتا اور برہم سوتروں پر شری شنکر آچاریہ جی کے بھاشیہ اور مہا پرشوں کی وکرت ٹیکا گرنتھ ہیں جن کا پٹھن پاٹھن گورو چرنوں میں رہ کر سنیاسی اور تیاگی جگیاسو جن سنسار سے منہ موڑ کر کرتے ہیں اور پھل سروپ جیون مکتی کا سُکھ اس جیون کال میں لیتے ہوئے اور ہزاروں جگیاسوؤں کا اُدھار کرتے ہوئے پرار بدھ کھشئے کے انتر ودیہہ کیولیہ میں برہم سروپ میں ہی سدا کے لئے ایک روپ ہو جاتے ہیں. جیسے گورو بانی کے شروَن میں ــــ

جیون جل میں جل آئے نا	تیوں جیوتی سنگ جوت سمانا
مٹ گئے گون بھیو وشرام	نانک جن کے پورن سب کام

اس پرم پد کو موکش نام سے شاستروں میں کہا گیا ہے. اس کو پانے کے لئے یہ منشیہ تن اور گورو شاستر اور وچار آدی سادھن ہیں. جنہوں نے اس پد کی پراپتی کرلی وہ شری سوامی رام تیرتھ مہاراج کے شبدوں کہہ سکتا ہے. سے

کرلیا جو کرنا تھا اب کام کیا باقی رہا	پالیا جو پانا تھا اب پانا کیا باقی رہا
جانتا تھا سوئی جانا اب کیا باقی رہا	مل گیا جو ملنا تھا اب کیا باقی رہا

اور آخری اوستھا میں شریر تیاگ کے سمے ایسے مہا پرشوں کے اُدگار سنئے۔

پھٹنے لگا حباب تو ہنس ہنس کے کہنے لگا	واہ واہ خوشی ہے میری پل بھر میں بحر ہوں گا
جینا ہی تھا بچھڑنا اب سب سے مل رہوں گا	سارا جہاں ہے لہریں اب میں ہی بحر ہوں گا

(فقط۔ شاشوت آنند تیرتھ)

اوم　　اوم

ہم جیون مکت کیسے بن سکتے ہیں؟

(از شری کانشی رام چاولہ لدھیانہ)

آدرنیہ شری گورکھ ناتھ جی نندہ ہمارے ہاردک دھنیاد کے پاتر ہیں کہ وہ اپنے سالانہ انکوں کے لئے روحانیت سمبندھی بہترین اور اعلیٰ ترین مضامین چُنتے ہیں۔ اس دفعہ جو مضمون انہوں نے چُنا ہے۔ وہ سب پر فوقیت لے گیا ہے میں اب ہر ماہ پیارے اوم کی سیوا نہیں کر رہا ہوں۔ اس کا مجھے قلق ہے لیکن ایسا بوجہ مجبوری ہوا ہے۔ بیاسی سال کی عمر ہو جانے سے میری دونوں آنکھوں میں موتیا اُتر آیا تھا۔ ایک آنکھ کا اپریشن کروا لیا گیا ہے۔ اب اس سے کام چل رہا ہے۔ دوسری آنکھ کا ابھی ہونا ہے۔ ایک ہی آنکھ پر زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا لیکن سالانہ انک کی رچنا میں اپنا پھول چڑھانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس یگیہ میں آہوتی دینا اپنا فرض اور دھرم تصور کرتا ہوں۔ بلاشبہ ایک طرف مادیت نے اپنی ظاہری چمک دمک سے لوگوں کو مسحور کرکے دھرم کی راہ سے گمراہ کر دیا ہے لیکن دوسری طرف اس چمک دمک کے زیر اثر رہ کر جو سراسیمگی اور پریشانی اور اداسی پیدا ہو رہی ہے اور جس کے نتیجے سے ہارٹ فیل کے، پاگل پن کے اور بلڈ پریشر اور ٹی بی کے امراض اور واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے اب بہت سے لوگ اپنا دل ٹٹولنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر ان خطرناک امراض اور جانکاہ واقعات سے بچاؤ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو وہ اس چمک دمک کی طرف سے منہ موڑ کر ادھیاتمکتا کی شرن لینے سے ہی ہو سکتی ہے۔ میرا تو وشواس ہے کہ نہ صرف بھارت ورش میں بلکہ دیگر مادہ پرست ممالک میں بھی یہ حقیقت سب پر واضح ہوتی جا رہی ہے۔ اور ضرور ہو جائیگی اور لوگ روحانیت کے پیرو ہو کر پھر شانتی اور سُکھ کے ماحول میں سانس لے سکینگے۔ پیارا اوم جو اس نیک کام میں اپنی سیواؤں کا یوگ دان دے رہا ہے وہ ہر طرح سے قابل تعریف و تحسین اور قابل مبارکباد اور دھنیاد کے ہے۔ اس میدان میں اوم کا خاص مقام ہے۔

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ سرشٹی کی رچنا میں انسان اشرف المخلوقات سمجھا جاتا ہے۔ باقی سب یونیوں پر منشیہ یونی اسی لئے فائق سمجھی جاتی ہے۔ کہ مانو اس یونی میں ہی اپنے جنم مرن کے چکر سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ بھگوان جیو کو انسان کا جامہ اسی لئے پردان کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی بدھی کا سہارا لیکر موکش کا ادھیکاری بن سکے۔ اگر انسان کا جامہ پا کر بھی ہم موکش پراپتی کے لئے یتن نہیں کرتے اور اپنے اس امولیہ جنم کو دنیاوی جھنجھٹوں میں پھنسے رہ کر ہی نشٹ کر دیتے ہیں تو یہ نہ صرف ہماری مورکھتا بلکہ پرلے درجہ کی بدقسمتی ہے۔

موکش پراپت کرنا ہر انسان کا خواہ وہ مرد ہو یا عورت جنم سدھ ادھیکار ہے۔ پیدائشی حق ہے اس لئے اگر ہم اس حق کے حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں تو اس میں کسی دوسرے کا دوش ہی نہیں ہے اس کے لئے ہم خود ہی ذمہ وار ہیں عام طور پر

سمجھا جاتا ہے کہ انسان اپنے سادھنوں سے جو موکش پراپت کر لیتا ہے۔ اس کا آنند اس کا ماتو شریر چھوڑنے کے بعد ہی ملتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط نہیں ہے لیکن انسان اگر چاہے اور ٹھیک راستہ اختیار کرکے دُرست ڈھنگ کی کوشش کرے تو وہ مرنے سے پہلے ہی یعنی انسانی جسم کو رکھتے ہوئے بھی موکش کا سکھ پراپت کر سکتا ہے۔ ایک مہاپُرش کا فرمان ہے کہ اگر تم اپنی غیر ضروری حاجات اور رذیل خواہشات اور جھوٹے اہنکار سے بالاتر ہو جاؤ تو تمہیں موکش کے پرم آنند کا احساس ہونے لگے گا۔ بلاشبہ یہ چھوٹا سا نسخہ اچوک ہے اور لازمی طور پر وہی اثر دکھاتا ہے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن اس نسخہ کے استعمال کا ادھیکاری ہونا انسان کے جیون میں خاص تبدیلی لانے کا مقتضی ہوتا ہے۔ جب تک اپنے جیون کو ایک خاص سلنچے میں نہ ڈھالا جائے تب تک انسان ان دوشنوں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا ہے۔

اس مضمون میں کوشش کی جائیگی۔ کہ آپ کو وہ سادھن بتائے جائیں۔ جن سے جیون ٹھیک سانچے میں ڈھالا جا سکے اور پھر ان دوشنوں کو خیر باد کہہ کر اسی زندگی میں موکش آنند کا لطف لیا جا سکے۔ اب آپ کے سامنے اس سُندر جیون کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہر انسان جو اس دُنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ اپنی زندگی گذارتا ہے لیکن ہر ایک کی زندگی ایک جیسی نہیں گذرتی۔ اس لئے بعض تو اس طرح سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کہ اپنا جنم سپھل بنا لیتے ہیں۔ اور بعض اس طرح سے اس کا استعمال کرتے ہیں کہ یہاں بھی دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ اور اگلے جنموں کے اپنے دُکھوں کے کھاتہ میں بھی اور زیادتی کر لیتے ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ کونسا جیون تو سپھل کہا جا سکتا ہے۔ اور کونسا ناکام اور ناکامیاب۔ سپھل جیون وہ ہوتا ہے جس کو ہم آدرش جیون کہہ سکتے ہیں۔ اسے اعلیٰ زندگی کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اُسے رشی جیون یا دیوتا جیون کے نام سے بھی پُکار سکتے ہیں۔ ایسا جیون ہی اس زندگی میں بھی سُکھ اور شانتی سے مالا مال کر کے جیون مُکت بنا دیتا ہے

آدرش جیون کے لکشن۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اس آدرش جیون کے کیا لکشن ہیں۔ یہ حقیقت تو ہم سب پر عیاں ہے کہ باقی یونیوں کی نسبت انسان کی یونی میں دو امور کی فوقیت ہے۔ یعنی ایک تو اسے بُدھی یا عقل کا عطیہ بخشا گیا ہے اور دوسرے اس کو ہنسنے کی طاقت دی گئی ہے۔ انہی دو اُمور کا ٹھیک استعمال کرنے سے ہی آدرش جیون بن سکتا ہے۔ یعنی جو انسان بُدھی یا دویک اور وچار سے اپنا جیون بسر کریگا اور اپنی عمر ہنس کر گذاریگا وہ اس جنم کو سپھل بنا لیگا لیکن اس کے خلاف جو دویک رہت جیون گذاریگا اور ساری عمر روتا دھوتا۔ گلہ شکایت کرتا قسمت کو کوستا اور دوسرے لوگوں کی نقطہ چینی کرتا اور اُن پر الزام تراشتا ہوا اپنے دن نکالیگا وہ اپنی زندگی تباہ کریگا۔ بھگوان کرشن نے گیتا میں فرمایا ہے کہ خوش رہنے سے سارے دُکھوں کا ناش ہو جاتا ہے۔

دو طرح کا گیان۔ اب ہم نے آپ کو یہ بتانا ہے کہ دویک پورن جیون کس طرح کا ہوتا ہے۔ دُنیا میں جتنے جیو ہیں اُن سب میں چیتنا ہوتی ہے۔ یعنی گیان ہوتا ہے۔ جہاں جیو ہوگا وہاں چیتنا یا گیان کا ہونا اسی طرح لازمی ہے۔ جس طرح جہاں بھی آگ ہوگی وہاں گرمی کا ہونا لازمی ہے۔ جس طرح گرمی آگ کا سوبھاوک گُن ہے اسی طرح چیتنا یا گیان جیو کا سوبھاوک گُن ہے۔ چیتنا اور گیان ایک ہی شکتی کا نام ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن یہ چیتنا یا گیان ہر ایک انسان میں ایک ہی طرح کا نہیں

ہونا۔ یہ گیان دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو ہوتا ہے نرمل اور وشدھ گیان اس کو ہی وویک کہتے ہیں یعنی جس میں بھلے برے اور لابھ ہانی آدمی کی تمیز کرنے کی اہلیت ہو اور دوسرا اگیان اشدھ یا مل یکت ہوتا ہے اس کو اگیان کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ گیان ہوتا تو ہر ایک انسان میں ہے لیکن کوئی بھاگیہ شالی انسان اسکو وویک کا روپ دیکر سپھل جیوی بن جاتے ہیں اور کوئی اسے اوویک یا اگیان کی شکل دیکر دکھی اور اسپھل جیوی بن جاتے ہیں۔ جیون کی شان اسکی سندرتا۔ اسکی سپھلتا اور اچھتا تو بس وویک سے بنتی ہے اور اسکی تباہی اور بربادی اور وناش اوویک سے ہوتا ہے۔ سچے معنوں میں ہم انسان اسی کو کہہ سکتے ہیں جس کا جیون وویک یکت ہو کیونکہ ایسا جیون ہی سکھ اور شانتی پروان کرتا ہے۔ جو منش اپنا جیون وویک یکت بنانے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی قابل تعریف ہوتا ہے۔ وویک تب پیدا ہوتا ہے کہ جب بدھی میں نرملتا ہو۔ بھاوؤں میں شدھتا ہو۔ وچاروں میں پوترتا ہو۔ ارادوں میں نیکی ہو۔

مانو جیون اور پشو جیون۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ چیتنا یکت یا گیان یکت جیون تو سبھی ہوتے ہیں لیکن ضرورت ہے وویک یکت جیون کی اور ایسا جیون کمیاب ہوتا ہے۔ چونکہ باقی جیون اگیان یکت ہوتے ہیں۔ اسی لئے سنسار میں زیادہ تعداد دکھی لوگوں کی دکھائی دیتی ہے۔ اوویک یا اگیان یکت جیون کو ہم اصلی معنوں میں مانو جیون نہیں کہہ سکتے وہ تو پشو جیون ہوتا ہے۔ سنسکرت میں پشو شبد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ पश्यति इति पशु یعنی جو جیو جدھر دیکھے ادھر ہی چلا جاوے اسے پشو کہتے ہیں۔ پشو کا قاعدہ ہے کہ جس طرف یا جہاں گھاس یا دیگر اس کے کھانے کی چیز پڑی ہو وہ ادھر ہی دوڑ جاتا ہے۔ اسے اتنا وویک یا گیان نہیں ہوتا کہ اس طرف جانے میں فائدہ ہے یا نقصان۔ جیسے مچھلی کھانے کی چیز کو دیکھکر اسکی طرف لپکتی ہے۔ اور شکاری کی بنسی میں پکڑی جاتی ہے۔ یہی حال اوویکی پرشوں کا ہوتا ہے۔ لیکن وویکی پرش نفع نقصان بھلے برے کا وچار کرکے کام کرتا رہے۔ مانو اور پشو میں بھی فرق ہے۔ کہ مانو وچار پوروک کام کرتا ہے اور پشو وویک نہ ہونے سے ایسے کام کرتے ہیں جو انکی تکلیف اور دکھ کا باعث بنتے ہیں اس لئے جو انسان کبھی وویک سے کام نہیں لیتے وہ بھی پشو شرینی میں ہی آ جاتے ہیں۔ اس لئے سکھ اور شانتی کی کامنا کرنے والے انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ وویک سے کام لے اندھا دھند کوئی کام نہ کرے۔ پشو کی طرح پرلوبھنوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کے نہ جائے۔

کیا یہ سنسار دکھ روپ ہے ؟ یہ تو اب آپ نے جان لیا کہ جیون کو سکھی بنانے کیلئے وویک کی ضرورت ہے اب آپ خود ہی اپنے جیون پر ایک نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا آپ کا جیون سکھی ہے یا دکھی ہے تو لازمی طور پر سمجھ لیں کہ کبھی نہ کبھی شکل میں کسی نہ کسی میدان میں آپ اوویک سے کام لے رہے ہیں۔ اس امر کی آزمائش کا طریقہ اب آپ کو بتایا جاتا ہے۔ یہ جو سنسار ہم کو دکھائی دیتا ہے۔ اسکی رچنا اس پرم شکتی مان پرم دیالو پرمیشور نے کی ہے۔ اس کی کوئی تھاہ نہیں ہے اس برہمانڈ میں لاکھوں زمینیں لاکھوں سورج اور لاکھوں دوسرے نکشتر ہیں۔ آپ سے اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ اس سنسار کو کیا سمجھتے ہیں۔ کیا اسے دکھ روپ مانتے ہیں اور کانٹوں بھرا جنگل خیال کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر واقعی آپ اس کو دکھ دھام تصور کرتے ہیں تو یہ آپکی سخت بھول ہے۔ ایسا وچار کرنا پرم دیالو اور کرپالو پرماتما کو جو کہ سوبھاو سے ہی پریم اور دیا کے ساگر ہیں ایک ظالم اور قہروان ہستی

سمجھتا ہے کہ اس نے جیووں کو دُکھی رکھنے کے لئے اس سرشٹی کی رچنا کی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس کا ایسا کرنا امکان سے ہی باہر ہے۔ دُنیا کے معمولی عقل و دانش کے ماتا پتا بھی جو کہ غلطی اور بھول کا بھی شکار ہو سکتے ہیں اپنے بچوں کے لئے کوئی دُکھ دینے والی بات نہیں کرتے تو یہ امر تو کسی طرح سے بھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ سروگیہ اور پرم دیالو پرمیشور جیو روپی اپنے بچوں کے لئے دُکھدائی سرشٹی کا سرجن کریں۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سنسار تو ایک رمنیک مقام ہے۔ اسی کے اندر رہ کر ہی انسان کو اپنے کلیان کے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اکثر انسان اس دُنیا کے اصلی سوروپ کو سمجھنے میں غلطی کرتا ہے۔ اس کا ٹھیک سروپ سمجھنے سے ہی اس کا رہسیہ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جو انسان اس کو صرف بھوگ کا سادھن اور عیش و عشرت کا مقام سمجھتا ہے وہ اس کے سروپ کا غلط تصوّر باندھتا ہے۔ لیکن جو اسے اپنی بہبودی اور بہتری کا مقام سمجھتا ہے۔ اسے موکش پانے کا استھان دیکھتا ہے وہ اس کے سوروپ کا ٹھیک نقشہ باندھتا ہے۔ یہ سنسار تو پربھو کا لیلا دھام ہے۔ اس میں انسانی فلاح کے سب سامان موجود ہیں۔ لیکن سنسار کا یہ اصلی سوروپ سمجھنے کے لئے چت کی نرملتا کی ضرورت ہے میلے من کا انسان اس رہسیہ کو سمجھنے کے ناقابل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

سورج کی روشنی ہر شے پر پڑتی ہے لیکن اس کا اثر مختلف طور سے ہوتا ہے۔ مثلاً جو روشنی پتھر یا مٹی پر پڑے گی اس کا کچھ وکاس نہ ہوگا۔ لیکن جو روشنی پانی پر پڑیگی اس کی چمک کچھ حد تک اپنی جھلک دکھائیگی۔ لیکن جو روشنی ایک شیشے پر پڑیگی۔ وہ اپنی بے حد چمک دکھلائے گی۔ اسی طرح سے ہم پانی پر پڑنے والی روشنی پر بھی دھیان دیں تو دیکھینگے کہ جو میلا اور گندہ پانی ہوگا۔ اس میں روشنی کی چمک کچھ نہ ہوگی۔ مگر جو پانی صاف ہو لیکن حرکت کر رہا ہو اس میں چمک تو دیکھنے میں آئے گی۔ لیکن صاف طور سے نہیں۔ مگر ہاں جہاں پانی بالکل شیشے کی طرح صاف ہو اور پورے طور پر ساکن ہو اس میں وہ چمک اور اپنا پورا جلوہ دکھائیگی۔ بالکل یہی حالت انسان کے چت کی ہے۔ اگر چت میلا ہے تو پربھو لیلا روپی سورج کی روشنی اس پر کوئی چمک نہ دکھائیگی۔ جس چت پر پردہ چھا گیا ہو۔ جیسا کہ پانی پر کائی چھا جاتی ہے یا جو چت ایکاگر نہ ہو۔ چنچل ہو اس میں بھی اگرچہ لیلا روپی سورج کا پرکاش نمایاں اثر نہیں دکھاتا۔ ہاں جو چت شدھ نرمل اور ایکاگر ہو اس پر اس لیلا کا پورا پورا اثر زور سے پرگٹ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت انسان کا چت ایک درپن یعنی شیشے کی مانند ہو جاتا ہے۔ چت پر جو میل آتی ہے۔ وہ تموگن سے آتی ہے۔ اس سے کرودھ اور موہ جیسے دوش اس میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ رجوگن سے چت میں چنچلتا بڑھتی ہے اور ستوگن بھی چت پر ایک ہلکا سا پردہ ڈالے رکھتا ہے۔ ان تینوں سے چت کو بالاتر کرنے سے ہی اس سنسار کا اصلی روپ دکھائی پڑتا ہے۔ پھر یہ دُکھ دھام یا کانٹوں بھرا جنگل دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ ایک بڑی سُندر پھلواڑی نظر آتی ہے جس میں بھگوان کے مانو کلیان کے سارے سادھن بھگوان نے جُٹا رکھے ہیں۔

دُکھ کی اُتپتی ،، عام طور پر انسان اس سنسار کو دکھوں کا گھر اور مصیبتوں کی آماجگاہ سمجھتا ہے۔ اب ہم نے اس امر پر وچار کرنا ہے کہ جس حالت کو دُکھ کا نام دیا جاتا ہے وہ کیا شے ہے اور اس کی پیدائش کس طرح سے ہوتی ہے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے یہ امر دھیان رکھنے کے قابل ہے کہ ہر ایک شے ایک فطرتی گن ہوتا ہے۔ وہ گن اس کے ساتھ ہی رہتا ہے بشرطیکہ کہ اس میں کوئی بیرونی وکار نہ آ جائے۔ جس شے کا جو فطرتی گن ہوتا ہے وہ کوئی لگاؤ پیدا نہیں کرتا۔ مثلاً آگ کا فطرتی گن تپش ہے

یہ گُن اگنی کی ہستی کو قائم رکھتا ہے۔ لیکن اگر اس پر ایک وجاتی شے پانی ڈال دیا جائے تو وہ اگنی کی تپش کو دُور کر کے اس کا اگنی نام ہی ختم کر دیتا ہے۔ یہ بگاڑ کس نے پیدا کیا ایک باہر کی وجاتی شے نے۔ اسی طرح سے پرتھوی کا فطرتی گن گندھ ہے خالص زمین کوئی دُرگندھ نہیں ہوتی لیکن اگر مٹی میں وجاتی شے پانی ڈال دیں تو وہ کیچڑ بن کر دُرگندھ پھیلانے لگے گا۔ یا خالص پانی جو چشمہ سے بہہ رہا ہو کتنا میٹھا اور سواد شٹ ہوتا ہے لیکن اگر اس میں درختوں کی پتیاں وغیرہ گر جائیں تو اسی پانی کو بدبودار بنا دیگی اور وہی پانی جو پہلے سُکھ دائک تھا دکھدائک بن سکتا ہے۔ بیماری پھیلا سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی شے کے فطرتی گن کے خالص شکل میں رہنے سے کوئی وکار پیدا نہیں ہوتا لیکن جب اس میں ایک وجاتی یعنی غیر ذات کی دوسری گن والی شے مل جائے تو بگاڑ پیدا کر دیتی ہے۔

اب چلیئے اپنی طرف انسانی آتما چیتن ہے۔ چیتن کا فطری گن ہے آنند۔ اگر یہ چیتن آتما اپنے فطرتی گن کو محفوظ رکھے اس میں کسی وجاتی شے کے گن کی آمیزش نہ ہونے دے تو اس کا آنند روپی گن جوں کا توں قائم رہیگا۔ اس میں کسی پرکار کے دُکھ وغیرہ کے احساس کا کوئی امکان ہی نہ ہوگا۔ بھگوان آنند سروپ ہیں ان سے رچا ہوا یہ سنسار بھی اس لئے آنند دھام ہی ہے۔ خود آنند روپ ہونے سے اس کا نرمان کیا ہوا یہ جگت بھی آنند روپ ہے۔ جب جیو آتما میں کوئی وجاتی شے اپنا وکار پیدا نہ کرے اس آتما کو یہ سنسار بھی آنند روپ ہی دکھائی دیگا۔ کھانڈ میٹھی شے ہے۔ کھانڈ سے جو مٹھائی بنے گی وہ بھی میٹھی ہی ہوگی۔ اس میں کڑواہٹ نہیں ہو سکتی اسی طرح سے آنند روپ بھگوان سے جس دُنیا کی پیدائش ہوئی ہے وہ دُنیا دُکھ روپ کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ سنسار تو آنند روپ ہی ہے۔ دوش دیکھنے والے کی آنکھوں میں ہے۔ جس آدمی کی آنکھوں میں پیلیا ہو گیا ہو اسے ہر شے پیلی نظر آتی ہے۔ ان چیزوں کے رنگ میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ فرق آ جاتا ہے دیکھنے والی بیمار آنکھ میں۔ اسی طرح سے آنند سروپ پربھو سے بنا ہوا یہ آنندی جگت تو جیسا بنا ہے ویسا ہی رہتا ہے۔ لیکن وکار رہیہ آتما کو کسی وجاتی شے کے مند پربھاو سے وہ دُکھ روپ دکھائی دینے لگتا ہے۔ جس آتما میں کسی وجاتی شے کا اثر نہ پڑا ہو اُسے یہ سنسار جوں کا توں آنند سروپ دکھائی دیتا ہے۔ اس میں دُکھ کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا۔

اب سوال ہوتا ہے کہ وہ کونسی وجاتی شے ہے جو آنند روپ جگت کو دُکھ روپ بناتی ہے۔ اب اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ بھگوان کی سرشٹی دو پرکار کی ہے۔ ایک چیتن اور دوسری جڑ۔ ان کے اپنے اپنے فطرتی گُن ہیں۔ چیتن کا فطرتی گن ہے آنند اور جڑ کا فطرتی گُن ہے تمس۔ مانو کو ضرورت تمس کی بھی ہے۔ اسے گھر بھی چاہیئے اور دیگر ضرورت کی چیزوں کی ضرورت ہے بلا شبہ سنسار ایک اُپیوگی وستو ہے اور انسان اس کا لابھ اُٹھا سکتا ہے۔ لیکن جب یہ چیتن اس جڑ کے تمس کو اپنے اندر ملا لیتا ہے اس وقت وہ وجاتی تمس گن والی شے چیتن کے آنند میں بگاڑ پیدا کر کے دُکھ روپی ایک نئی درگندھ کو پیدا کر دیتی ہے۔ اگر مانو ویویک یعنی گیان سے سنسار کے پدارتھوں کا استعمال تو کرے لیکن ان سے موہ اور غلط پیار کر کے انکے تمس پربھاو کو اپنے فطرتی گن آنند پر اثر انداز نہ ہونے دے تو دُکھ اس کے نزدیک تک نہیں آئے گا اور وہ اس سنسار میں رہتا ہوا۔ سب پدارتھوں کا اُچت اُپبھوگ کرتا ہوا موکش آنند کا بھاگی بن سکیگا۔ لیکن جو اپنی غفلت سے تمس کی پرچھائیں اپنے فطرتی گن آنند پر ڈال لیگا اس سے وہ اس کا آنند ڈھک جائیگا۔ اور تمس اپنا دُکھ روپی اثر پیدا کر دیگا۔ جڑ وستو سے چیتن اگر غلط پیار کرنے لگیگا تو بدھی

پر پردہ پڑ جائیگا وویک کا سورج تمس کے بادلوں سے ڈھک جائیگا۔ اسی لئے ایش اُپنشد کے پہلے منتر میں ہی یہ ہدایت کی گئی ہے۔

ॐ ईशावास्य मिदं सर्वं यत्किञ्च जगत्यां जगत।
तेन त्यक्तेन भुञ्जीथा मा गृधः कस्य स्विद्धनम्॥

ارتھ۔ اس سنسار میں جو کچھ بھی ہے یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ یا نہیں بھی دکھائی دیتا اس سب پر پرمیشور کا ادھیکار ہے اسلئے ان پدارتھوں کا ان پر اپنے ادھیکار کا خیال چھوڑ کر اُپبھوگ کر۔ لالچ میں نہ آجانا کیونکہ یہ دھن مال کسی انسان کا نہیں ہے پرمیشور کا ہے بس یہ ہے وویک پورن جیون کہ سنسار میں سب چیزوں کا استعمال تو کرنا ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانا لیکن ان سے موہ نہ کرنا۔ ان کو اپنا نہ سمجھنا ان کے آنے جانے پر خوشی یا رنج کا اظہار نہ کرنا۔ جو انسان تیاگ بھاونا کو دھارن نہ کرتا ہوا اس سنسار کی چیزوں سے لپٹ جائیگا اس سے ہی خرابی واقع ہوگی۔ اس سے اندر کا پرکاش مٹ جاتا ہے۔ اور اندھکار چھا جاتا ہے۔ آنند کے چشمے میں میل پڑ جائیگی۔ اور دُکھ رُوپی روگ کھڑا ہو جائے گا۔ یہ یقین جانئے کہ پرمیشور کی سرشٹی میں تو دُکھ کا لیش ماتر بھی نہیں ہے۔ انسان جو تمس کے زیر اثر ہو کر اپنی نئی سرشٹی بنا لیتا ہے۔ وہ اس کے دُکھ کا کارن بنتی ہے۔ چند مثالوں کے عرض کرنے سے اس حقیقت کی اچھی طرح سے وضاحت ہو جائیگی۔ بھگوان نے مٹی بنائی ہے۔ اس میں دُکھ کی رائی نہیں ہے یہ کتنی مفید شے ہے اس سے پھل پھول اور کھانے کی جنسوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ہم اس مٹی سے ایک مکان بناتے ہیں۔ نہ تو پہلے مٹی میں کوئی دُکھ تھا نہ مکان میں دُکھ ہے۔ ہمیں ان سے کوئی دُکھ نہیں ہوا۔ لیکن جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ یہ مکان ہمارا ہے بس اس جڑ کا تمس ہمارے اندر داخل ہو گیا۔ اب اُس مکان کو اگر نقصان پہنچے تو ہمیں دُکھ ہوگا۔ کیا وہ دُکھ مکان دے رہا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ ساتھ والے کئی مکانوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ انکی وجہ سے ہمیں کوئی دُکھ نہیں ہوا۔ اسی خاص مکان کو نقصان پہنچنے پر جو دُکھ ہم کو ہوا اس دُکھ کا کارن ہمارا اس میں "اپنا پن" سمجھ لینا ہے۔ حالانکہ مکان بنا ہے مٹی سے مٹی بنائی بھگوان نے اور بھی جو سامگری لکڑی لوہا وغیرہ اس میں لگا ہے۔ وہ بھی سب بھگوان کی رچنا ہے۔ ان سب کا مالک تو ہے بھگوان لیکن ہم نے اپنا ادھیکار جتا کر ودید کی ابروکٹ آگیا کو بُھلا کر اسے اپنے دُکھ کا کارن بنا لیا۔ یہ ہے دکھ کی اُتپتی کا کارن انسان خود تو چیتن ہے اور چیتن کا گُن آنند ہے لیکن اس چیتن میں مٹی اور مکان کے تمس کو اس نے اپنے چیتن میں جگہ دے دی یعنی جڑ کا ممتو یا اپنا پن اس میں شامل کر دیا اس نے آنند کے پرکاش پر اندھکار پھیلا کر دُکھی بنا دیا۔ بے شک ہم مکان بنائیں اس کا پورا سُکھ بھی لیں لیکن کسی وقت بھی اسے اپنا نہ سمجھیں۔ بھگوان کی ملکیت اور امانت سمجھیں۔ اس میں آسکت نہ ہوں۔ پرکرتی کے دِاس نہ بن جائیں تو چیتن اپنا آنندی گُن برقرار رکھیگا اور دُکھ کی پیدائش کا کوئی موقعہ نہ دیگا۔ ہم ہر وقت موکش آنند کا لُطف لیں گے۔

اس لئے سمجھ لینا چاہئے کہ دُکھ سنسار نہیں دیتا۔ بھگوان کی سرشٹی تو رس بھومی ہے بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ اپنا ٹھیک سمبندھ رکھ کر اپنے کام کاج چلا دیں۔ اس طرح سے دُکھ ہمارے چیتن آتما میں نہیں ہے۔ دُکھ سنسار میں نہیں ہے۔ لیکن سنسار جڑ ہونے سے وجانیہ ہے اس کا گُن تمس ہے۔ جب ہم سنسار کے ساتھ موہ کر کے اس کے تامسک گُن اپنے چیتن کے آنند گُن میں ملانے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں اسی وقت دُکھ رُوپی کیچڑ یا گدلا پن پیدا ہو کر ہمارے آنند کو آچھادت کر لیتا ہے۔ اس تمس کا بڑھاوا اپنے چیتن پر

نہ پڑنے دینے کا نام ہی وویک یکت جیون ہے۔ اس کے خلاف جب ہم جڑ میں اپناپن دکھلا کر اس کے ساتھ ناطہ جوڑ لیتے ہیں۔ تو وہ وویک رہت جیون ہوتا ہے اور اسی سے دُکھ کی پیدائش ہوتی ہے۔

اب ایک اور مثال لیجئے۔ سنسار کے اندر ہزاروں لاکھوں جیو انسان کے جامہ میں جنم بھی لیتے ہیں اور انسانی جامہ چھوڑ کر پرلوک بھی سدھار رہے ہیں۔ دُور کی بات نہ سہی بلکہ ہمارے اپنے اپنے نگر میں بلکہ اپنے اپنے پڑوس میں بھی بچے روز پیدا بھی ہو رہے ہیں اور کئی نر ناری اپنا شریر چھوڑ بھی رہے ہیں۔ تو کیا ہم نئے پیدا ہونے والوں کی خوشی مناتے ہیں یا جانے والوں کا رنج و غم منا کر آنسو بہاتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ لیکن اگر ہمارے اپنے گھر میں بچہ پیدا ہو جائے تو ہم پھولے نہیں سماتے۔ باجے بجواتے ہیں اور مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ اور اگر ہمارا اپنا ہی کوئی سمبندھی چل بسے تو ہم دھاڑیں مار کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے چلاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی بھی وہی وجہ ہے یعنی "اپناپن" کا روگ۔ دوسرے گھروں میں پیدا ہونے والے اور مرنے والوں کو چونکہ ہم اپنا نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان کے متعلق نہ ہم کو خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ لیکن اپنے گھر میں پیدائش اور موت کے واقعات سے چونکہ ہم "اپناپن" جوڑ لیتے ہیں۔ اس لئے وہ ہمارے اندر اتار چڑھاؤ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے بھی سدھ ہوتا ہے کہ دُکھ کسی شخص کی موت نہیں دیتی ورنہ ہم کو سب کے مرنے کا دُکھ ہو دُکھ وہی موت دیتی ہے جس کے ساتھ ہم "اپناپن" شامل کر لیتے ہیں۔ اگر یہ سمجھ لیں کہ یہ سب مورتیاں بھگوان نے رچائی ہیں۔ اسی کے یہ کھلونے ہیں۔ انہیں جب وہ چاہے توڑ دے۔ ہم تو ایک مکھی کا پر بھی نہیں بنا سکتے۔ ایک پتہ یا بال جس جگہ سے اکھڑ جائے اس کو وہاں دوبارہ نہیں لگا سکتے۔ اس لئے جب ان مورتیوں کا بنانے والا بھگوان ہے تو اُن کو ملیا میٹ کرنے کا ادھیکار بھی اسی کو ہے۔ پھر ہم کون ہیں۔ اس میں دخل اندازی کرنے والے یا اس کے متعلق نقطہ چینی یا اعتراض کرنے والے۔ جس طرح سے ہم مکان وغیرہ کو بھگوان کی ملکیت سمجھ کر ان کے استعمال سے ہی تعلق رکھ کر اُن چیزوں کو نقصان پہنچنے پر دُکھی ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ اسی طرح سے انسانی مورتیوں کے ساتھ بھی لگاوٹ اور ممتو نہ رکھ کر ہم اپنے کام کاج اُن کے ذریعہ کرتے ہوئے اُن کے چھن جانے پر دُکھی نہیں ہو سکتے۔ دُکھ کا رن "میرا پن" "اپناپن" ہی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے دل سے کہنا چاہیئے۔ سے

ہوش کر اے دل کہ اب ہے وقت تحصیل کمال
جب یہ گذرا وقت خوش پھر ہاتھ آنا ہے محال

فکر ماضی ہے غلط اور خیال آئندہ عبث
باندھ لے اب کمر ہمت اور غنیمت جان حال

رہ تو دنیا میں مگر دُنیا سے نہ تُو جی لگا
ورنہ دنیا میں ہے رنج دائمی اے خوش خصال

اب سوچیئے

یہ حقیقت آپ پر واضح کی جا چکی ہے کہ ہر ایک چیز کا ایک خاص فطرتی گُن ہوتا ہے۔ اگر اس گُن کو کوئی باہر کی چیز مل کر گدلا نہ کرے تو وہ گن اصلی حالت میں قائم رہتا ہے۔ جیسے آتما کا گن آنند ہے۔ اگر اس گُن میں لعدہ کسی دُوجی وستو کا گُن شامل نہ ہونے دیا جائے تو انسان ہمیشہ آنند ہی رہ سکتا ہے۔ اسے معلوم بھی نہ ہو کہ دُکھ نام کی کوئی چیز اس دُنیا میں ہے۔ جب جیو جڑ کا تمس اس اپنے آنندی گن میں ملا لیتا ہے۔ تو اس آنند کے ڈھک جانے سے اس سے محروم ہو کر تمس رُوپی دُکھ کا شکار بنتا ہے۔

پھر یہ بھی آپ پر واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ پربھو کی رچی ہوئی سرشٹی میں دُکھ نہیں ہے۔ نہ وہ کسی کو دُکھ دیتی ہے۔ اگر انسان اس سرشٹی میں رہتا ہوا بے نیازی سے اپنے کام کاج چلاتا رہے تو ایشورکرت سرشٹی رنیک بنی رہتی ہے بس بھرمی رہ کر بے نیاز انسان کو اپنے رس سے لُطف انگیز کرتی ہے۔ اس لئے انسان کو دکھ سے دو چار ہونے کا کوئی موقعہ ہی نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ انسان پھر "اناپن" کی بھاونا کھڑی کر کے اپنی علیحدہ سرشٹی رچنے لگتا ہے۔ تب وہ اپنی رچی ہوئی سرشٹی اس کے لئے دُکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیتی ہے۔

اِس لئے اگر آپ جیون مُکت بننا چاہتے ہو یعنی اسی زندگی میں مکتی کا لطف لینا چاہتے ہو اور دُکھوں کو دُور بھگانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ

۱۔ اپنی سرشٹی نہ بناؤ۔ پربھو کی سرشٹی کا بے نیاز اور بے لاگ ہو کر اُچت اُپ بھوگ کرو۔

۲۔ اپن پو کو چھوڑو۔ بھگوان کی ملکیت پر اپنا ادھکار نہ جماؤ۔ بھگوان کی دی ہوئی چیزوں کو اس کی امانت مان کر ان کا استعمال ہی کرو۔ اُن کے آنے پر پھولا نہیں نہ لگاؤ اور ان کے چلے جانے پر ماتھا مت بیٹھو۔

۳۔ دُنیاوی کاموں کو اپنا فرض جان کر ان کا استعمال کرو۔ ان کے پھل کو بھگوان پر چھوڑو۔

۴۔ جو کرم سابقہ جنموں میں کئے ہیں۔ ان کے پھل کو صبر اور شانتی سے برداشت کرو۔

۵۔ جیو ماتر میں ہی بھگوان کی جیوتی کے درشن کرو۔ ہر ایک کو پریم کی نگاہ سے دیکھو نہ کسی کا انشٹ چنتن کرو اور نہ کسی سے دویش بھاونا رکھو۔

اگر آپ ان نیموں کو پیش نگاہ رکھ کر اپنی زندگی گذاریں گے تو بلاشبہ آپ اسی جنم میں مُکتی کا سُکھ بھوگینگے۔ آزمائش شرط ہے۔

کچھ سہایک سادھن:۔ جیون مُکت بننے کے لئے کافی کچھ آپکی سیوا میں نویدن کیا جا چُکا ہے۔ ان حقائق کو سمجھ لینے اور ان اُصولوں پر عمل پیرا ہونے سے دُکھ یا رنج کو آپ کے سامنے آنے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر کبھی وہ شکل دکھائینگے بھی تو آپ انکو اس طرح سے پرے ہٹا دینگے جس طرح آدمی مچھر یا مکھی کو پرے ہٹا دیتا ہے! اسے ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ آپ کے ہاں ٹیلی فون لگا ہوا ہے۔ اور آپ کا نمبر ۱۱۶۲ ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ تو آپ ریسیور اٹھا کر اسے کان سے لگا کر پوچھتے ہیں کہ گھنٹی بجانے والا کونسے نمبر سے بات چیت کرنا چاہتا ہے تو آواز آتی ہے کہ ۱۵۴۷ سے تو آپ جھٹ یہ کہہ کر ریسیور نیچے رکھ دیتے ہیں کہ اس نے غلط نمبر کی گھنٹی بجائی ہے۔ اور پھر آپ بے نیاز ہو کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جب دُکھ یا رنج آپ کے ہردے پر گھنٹی بجائیں تو آپ ان کو کہہ سکینگے کہ انہوں نے غلط جگہ پر گھنٹی بجائی ہے۔ وہ اپنی گھنٹی کسی دوسری جگہ جا کر بجائیں۔ کیونکہ آپ کا ہردے تو دکھ سکھ نفع نقصان اور جیت ہار کے جوڑوں سے برتر ہو کر سمتا دھارن کر چکا ہے۔ آپکے ہردے میں دُکھ یا رنج کو بٹھانے کے لئے جگہ ہے۔ نہ گنجائش وہاں تو شانتی اور آنند کے بھاوؤں نے اسے بھرپور کر رکھا ہے۔

بلاشبہ آپ دُکھ اور رنج کو اس طرح سے دھتا بتانے کے قابل ہو جاؤ نگے۔ لیکن پھر بھی ہردے میں اس قسم کی سمتا

لانے کے لئے پرتین اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کافی کوشش اور کاوش سے کام لینا پڑتا ہے۔ آپکا یہ پرتین اور بھی زیادہ پھلی بھوت ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کچھ دیگر سادھنوں کی سہائتا لیتے رہینگے کون کون سے ایسے سادھنوں کی سہائتا لینی چاہیئے۔ اس کے متعلق اب عرض کیا جاتا ہے۔

"س" یا " स " کا صرف ایک خاص قدر و قیمت والا حرف ہے کیونکہ بہت سے گن جو انسان کا کلیان کرنے والے ہیں۔ اُن کا پہلا حرف یہی ہوتا ہے یعنی وہ "س" حرف کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ اول تو " स " حرف اکیلا ہی بڑا پُر معنی ہے۔ اس کے معنی ہیں " وہ پرماتما " پھر اوپر عرض ہوا کہ سمتا دھارن کرنی چاہیئے۔ سمتا کا پہلا حرف بھی "س" ہے۔ پھر اوپر کہا گیا کہ سہائک سادھنوں کا سہارا لیجئے۔ اب سہائک۔ سادھن اور سہارا یہ تینوں لفظ بھی "س" حرف کے ساتھ شروع ہوتے ہیں اب اس حرف کے ساتھ شروع ہونے والے گنوں کا ذکر کیا جاتا ہے اوّل تو آپ اس حرف کی شان ایک اور طرح سے دیکھیئے۔ انسان اپنی زندگی میں چاہتا ہے سُکھ۔ سمپتی۔ سپھلتا۔ سدھی سمردھی۔ سنتتی۔ سنمان۔ سنتان۔ سوندریہ۔ سمرتی سورگ وغیرہ یہ سب الفاظ "س" حرف کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ سری لفظ کا آغاز بھی س کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ راگ کے سات سروں کا پہلا شبد بھی "سا" ہے۔ اب وہ گن سُنیئے جو "س" حرف کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔

ستیہ۔ سنیم۔ سداچار۔ سیوا۔ سنیہہ سہن۔ شیلتا۔ سبجا۔ سمتا۔ سنتوش۔ سریشٹتا۔ سوادھیائے ست سنگ۔ سرلتا۔ سدوچار۔ سدورتی۔ سہشنتا۔ سدبھاو۔ شکرت۔ سدبدھی

ان میں سے کم از کم پانچ گن جو آپکو رُچی کر ہوں لے لیجئے یا ان میں رد و بدل کر کے کوئی سے بھی پانچ گن لے لیجئے۔ ان گنوں کے دھارن کرنے سے سمتا از خود من میں اُتپن ہو جاتی ہے۔ اور جیون وویک پورن بن جاتا ہے۔ یہ بات پہلے ہی کہی گئی ہے۔ کہ وویک یکت جیون ہی مانو جیون کہا جا سکتا ہے۔ وویک ہین جیون کو تو ہم پشو جیون ہی کہہ سکتے ہیں۔ یوگ واسشٹ میں موکش دوار کے چار دوار پال"۔ یوگ واسشٹ شاستر میں موکش مندر کے دوارے پر کھڑے چار پہرہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا بتا دینا بھی نامناسب نہ ہوگا اس میں لکھا ہے کہ

मोक्ष द्वारे द्वार पालाश्चत्वारः परिकीर्तितः ।
शमो विचारः संतोषश्चतुर्थः साधु संगः ॥

اس شاستر کا کہنا ہے کہ جو سجن موکش مندر کے اندر جانا چاہیں۔ انہیں اس مندر کے دروازے پر کھڑے چار پہرہ داروں سے متر تا کرنا لازمی ہے۔ وہ چار پہرہ دار ہیں۔ (۱) من کی شانتی (۲) وویک۔ (۳) سنتوش اور (۴) ست سنگ۔ اس شلوک سے اگلے دو شلوکوں میں لکھا ہے کہ ان چاروں سے متر تا کرنی واجب ہے ورنہ تین یا دو سے ہی کرے اور اگر دو یا تین سے میل کرنا کٹھن معلوم ہو تو کم از کم ایک سے ہی شروع کرے۔ ایک کے ساتھ ناطہ جوڑنے سے باقی بھی دھیرے دھیرے از خود پریمی بن جاتے ہیں اور منو کامنا سدھ ہو جاتی ہے "۔ انت میں بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ وہ ہمیں سدبدھی اور شکتی دیں کہ ہم ان نیموں کا پالن کر کے وویک پورن جیون وتیت کرتے ہوئے اسی زندگی میں ہی موکش آنند کے بھاگی بن سکیں۔ اوم شم

اوم اوم

نعرہ حق

(شری گوپالداس جی مسرور)

نہ سوچو زندگی کیا ہے، یہ مرگ ناگہاں کیا ہے
ہمیں تو دیکھنا ہے یہہ کہ انکے درمیاں کیا ہے

نظر جنکی ہو کوئے یار کیجانب، وہ کیوں دیکھیں
ادھر کیا ہے اُدھر کیا ہے یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے

بہت چرچا ہے عالم میں تعجب ہے مگر پھر بھی
زباں کہنے سے قاصر ہے، محبت کی زباں کیا ہے

تیری رحمت، اگر تو قلب انسانی میں ظاہر ہو
میں ہر سجدے سے یہہ کہدوں کہ اب تیرا نشاں کیا ہے

تلاش حق کے متلاشی، میری جانب بھی تُم دیکھو
حقیقت میں حقیقت ہُوں حقیقت پر گماں کیا ہے

نہ بھٹکاؤ جہاں بھر کو، نہ خود بھٹکو، ادھر آؤ
سوائے میرے دل کے لامکاں تیرا مکاں کیا ہے

مری آہیں، مرے نالے، مرے آنسو سبھی بے سُود
ترے در تک نہ جو پہنچی ہو وہ آہ و فغاں کیا ہے

زر و گوہر کے متوالو، کبھی سوچا بھی ہے تم نے
جہاں کی داستانوں میں تمہاری داستاں کیا ہے

قدم جن کے بڑھے ہیں وادیٔ غربت کی راہوں میں
وہی مسرور انساں ہیں، اُنہیں خوف زیاں کیا ہے

اوم

شاہراہ نجات یا مکتی کا راج مارگ ویراگ

از حکیم رمیلداس مضطر بادشاہ پور

گرو دھام۔ نج دھام۔ آتم دھام۔ پرم دھام۔ مکتی۔ آزادی۔ نجات۔ وغیرہ گو الفاظ جدا جدا ہیں۔ مگر سب کا مفہوم ایک ہے۔ اور اس کی بنیاد ہے ضبط دل یعنی من کو بس میں کرنا۔ جو شخص اپنے من کو بس میں نہیں کرتا۔ اس پر غالب نہ ہو کر خود اس سے مغلوب ہو جاتا ہے ایسے انسان کیلئے مذکورہ تمام الفاظ بے معنی رہ جاتے ہیں۔ بقول کہ ؎

ضبط دل پر منحصر ہے علم وحدت کا حصول
جو نہیں ہے اس پہ حاوی اسکی کوشش ہے فضول

سوال یہ ہے۔ کہ من کو کس طرح تابع کیا جائے۔ اور یہی سوال ارجن نے بھی بھگوان کرشن سے کیا تھا۔ کہ ہوا کو تو شاید مٹھی میں بند کیا جا سکے۔ مگر من کو بس میں کرنا کٹھن ہے۔ اسے کس طرح بس میں کیا جائے؟ تو اس سوال کے جواب میں بھگوان نے اتر دیا۔ کہ واقعی من کو تابع کرنا مشکل کام تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص ابھیاس اور ویراگ کے مدنظر زندگی گذارنے کی کوشش کرے۔ تو من ضرور تابع فرماں ہو جاتا ہے۔ ابھیاس اور ویراگ یعنی شغل اور بے تعلقی دو ایسے طریقے ہیں۔ کہ صدق دلی سے ان پر عمل کرنے والا اس زندگی میں بھی آرام سے رہتا ہے۔ اور جیون یاترا (سفر زندگی) ختم کرنے کے بعد اس کا جیو آتما بھی سکھی رہتا ہے۔ یا پرم آتما میں لین ہو جاتا ہے۔

درحقیقت ابھیاس اور ویراگ جیو آتما کے لئے وہی کام کرتے ہیں۔ جو علاج اور پرہیز جسم کیلئے۔ مثلاً جب کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے۔ تو حکیم۔ ڈاکٹر۔ یا وید۔ وغیرہ اسکی تندرستی کے لئے دوائی تجویز کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی پرہیز بھی بتلاتا ہے۔ اگر مریض بموجب ہدایات معالج وقت مقررہ پر دوائی استعمال کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی پرہیز بھی رکھتا ہے تو وہ غالباً جلدی شفایاب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دوائی تو ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی بدپرہیزی بھی کرتا ہے۔ تو ایسا مریض اول تو شفایاب بمشکل ہوتا ہے۔ اور اگر ہوتا ہے۔ تو بہت دیر سے۔ عین اسی طرح جو شخص دل کا بیمار ہے۔ یعنی مانسک روگی ہے۔ ارتھات جس کے اندر کام کرودھ آدمی وکاروں کی بیماری گھر کر چکی ہے۔ جو نفرت۔ دویت بھاونا۔ خود غرضی۔ خود ستائی۔ خود نمائی۔ کٹھورتا۔ وغیرہ سے مانسک طور پر دکھی رہتا ہے۔ اس کا علاج ابھیاس اور ویراگ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ابھیاس تو اس کے مانسک روگ کی دوائی ہے۔ اور ویراگ پرہیز۔ اب یہاں بھی جسمانی بیماری کا اصول کام کرتا ہے کہ اگر مانسک روگی دوائی تو باقاعدہ استعمال کرتا ہے۔ اسلئے وقت مقرر پر اپنا نت نیم۔ سندھیا ہون۔ پاٹھ پوجا۔ وغیرہ تو کرتا رہتا ہے۔ مگر پرہیز نہیں کرتا۔ یعنی دنیاوی پدارتھوں کے ساتھ لگاؤ۔ اور پریوار کے ساتھ موہ نہیں چھوڑتا۔ تو ایسے شخص کیلئے مانسک روگوں سے رہائی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

اب اور وچار کریں۔ کہ انسان بیمار کیوں ہوتا ہے۔؟ اگر ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ تو ثابت ہوگا۔ کہ بد پرہیزی سے جو انسان بد پرہیزی کرتا ہے۔ عام طور پر بیمار رہتا ہے۔ مگر جو شخص خوراک میں بد پرہیزی نہیں کرتا۔ وہ بہت کم بیمار ہوتا ہے۔ یا نہیں بھی ہوتا۔ (لیکن قدرتی حادثات دوسری بات ہے) تو جس طرح جسمانی صحت کے قیام کے لئے پرہیز کا اصول کام کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی صحت کیلئے بھی پرہیز کا اصول کام کرتا ہے۔ یعنی جو شخص بے تعلق (ویراگ پورن) زندگی بسر کریگا۔ وہ یقیناً دل کی بیماریوں۔ (مانسک روگوں) سے بچا رہیگا۔ اور جب بیماری ہی نہیں تو علاج کی کیا ضرورت؟ دوسرے الفاظ میں ویراگ یا بے تعلقی خود ہی علاج ہے۔ اور خود ہی پرہیز۔ اور ہاں اگر پرہیز کرتے ہوئے بھی کوئی معمولی سی تکلیف بھی آجائے۔ تو اس کے لئے تھوڑا سا علاج کرنا ہوتا ہے۔ اور اسی صورت میں وہ بیماری خواہ جسمانی ہو۔ خواہ روحانی جلدی دور ہو کر انسان صحتیاب ہو جاتا ہے۔

خلاصہ اس تحریر کا یہ نکلا۔ کہ اگر کوئی شخص بے تعلقی زندگی بسر کرے۔ تو وہ مانسک روگوں سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ ویراگی جیون بتیت کرنے والے اشخاص ہمیشہ اندرونی طور پر سُکھی رہتے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کیوں موہ مایا میں غلطاں ہے۔ کیوں نہیں اپنے سُدھار کے لئے سادھن کرتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اگیانتا یا جہالت کے زیر اثر ہو کر بھرم میں پڑ جاتا ہے۔ اور ناشوان پدارتھوں کو ابناشی جان کر اُن کے ساتھ دل لگا بیٹھتا ہے۔ اور اسی موہ ممتا یا لگاؤ کے کارن دُکھی رہتا ہے۔ یہ دُنیا جس کو عام دنیادار لوگ سچ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اسکی حقیقت کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہے؟ اس کے ساتھ دل لگانے کا کیا پھل ملتا ہے۔ اور اس سے بے تعلق رہنے سے کیا سُکھ پراپت ہے؟ اس کیلئے مندرجہ ذیل سطور میں مہاپرشوں کے خیالات ملاحظہ فرمایئے۔

بنا پھرتا ہے کیوں دُنیا کا شیدائی ارے غافل ۔۔۔ نہیں ہرگز یہ ہرجائی محبت کرنے کے قابل
کیوں اسکی دلفریبی اور رنگینی پہ ہے مائل ۔۔۔ نہ جانے کب بھر لیگا تیرا اسکی لذتوں سے دل
یہ دھوکے بازیاں ہی سب کو دھوکا دے کے بھرمائے
ارے ناداں کبھی ممکن نہیں۔ تیری یہ بن جائے

انسان۔ مگر نادان انسان۔ صرف چار دن کا مہمان انسان۔ اتنا غرور کس بات پر؟ میزبان کے پدارتھوں پر مہمان کا غرور کرنا عین جہالت ہے۔ سب کچھ ہے تو میزبان کا۔ اس میزبان کا کہ ساری دُنیا جس کی مہمان ہے سب پدارتھ اُسی کے ہیں۔ اور غرور کرتا پھرتا ہے تو۔ ناجائز۔ بالکل ناجائز۔ دیکھ۔ تو جو یہ کہتا پھرتا ہے۔ کہ یہ زمین میری ہے۔ یہ مکان میرا ہے۔ یہ کارخانہ میرا ہے۔ یہ جائیداد میری ہے۔ یہ پدارتھ میرے ہیں وغیرہ یہ تو نے اپنے دل دماغ پر ایک بوجھ سا لاد رکھا ہے اور اسی بوجھ کے نیچے تیری زندگی کی خوشی دبی جا رہی ہے۔ بچاری حقیقی خوشی کرے تو کیا۔ حقیقی خوشی ایک طرح خوشبودار سُندر پھول ہے۔ اور اُس کے اندر سے خوشبودار سندرتا بھرتی رہتی ہے لیکن تو نے جو اس پر اہنکار (میں اور میری) کے کوڑا کرکٹ ڈھیر لگا رکھا ہے۔ اس نے اس خوشبو کو دبا رکھا ہے۔ اب خوشبو آئے تو کیسے اور سندرتا دکھائی دے تو کس طرح۔ یہ تو تو خود اپنے ساتھ بُرا

کررہا ہے۔ کہ خوشبو کو دبا کر گندگی بدبو کو پھیلا رہا ہے۔ کہ جسکی وجہ سے تیرا دل اور دماغ خراب ہو جائینگے اور تجھے ایسا مرض لاحق ہوگا۔ جو اس دُنیا میں تو کیا پرلوک میں بھی تیرا پیچھا نہ چھوڑیگا۔ لیکن ایسا کیوں ہے! پیارے۔ اس کا کارن یہ ہے کہ تو اس حقیقت کو بھُول گیا ہے۔ کہ ؎

ہیں دو روز کے عیش دُنیا کے سب ۔۔۔ نہ اٹکاؤ دُنیا میں دل بے سبب
نہ دولت ہے قائم نہ قائم جوانی ۔۔۔ یہاں کی ہر اک چیز ہے آنی جانی
ہوا سے بکھر جاتے ہیں جیسے بادل ۔۔۔ اُڑے گا یونہی رنگ دُنیا کا اے دل

نہ دھوکے میں اس کے گرفتار رہنا!
ذرا اس کے پھندے سے ہشیار رہنا

اِس لیئے اے پیارے۔ جاگ۔ جاگ۔ اس موہ اور غفلت کی نیند میں کب تک سوتا رہے گا۔ اور یہ نیاک پرکار کے سُپنے کب تک دیکھتا رہے گا۔ یقین رکھ کہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے۔ سُن رہا ہے۔ کررہا ہے۔ سب خواب ہیں۔ اور تو نے انہیں حقیقت مان رکھا ہے۔ نہیں یہ حقیقت نہیں۔ تمہاری یہ حالت بیداری۔ عارف لوگوں کی نظر میں خواب گراں ہے۔ جس کو تو سچ مان رہا ہے۔ گیان وان اسے متھیا یقین کرتے ہیں۔ جس طرح خواب کی حقیقت جاگنے پر معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جہالت کی سچائی بھی علم (گیان) ہونے پر جھوٹ معلوم ہوتی ہے۔ حقیقتاً یہ دُنیا نمود بے بود ہے۔ یعنی نہ ہوکر بھی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً آپ سینما میں ایک دریا دیکھتے ہیں کہ جس میں لوگ نہا رہے ہیں۔ کشتی چل رہی ہیں۔ لہریں صاف نظر آرہی ہے۔ اور یہاں تک کہ پانی کے گرنے کی آواز بھی آرہی ہے۔ مگر کوئی شخص اس بہتے دریا سے ایک چلو بھر پاتی۔ پیالہ بھر کیا ایک بوند پانی کی لے سکے۔ یہ تو سب دکھاوا تھا۔ دکھاوا۔ حقیقت تو تھی نہیں۔ یعینہ یہ کائنات ہے۔ کہ جو دراصل نہ ہو کر بھی نظر آتی ہے اور انسان اس نیست دُنیا سے سچی خوشی پراپت کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کے ہر ایک پدارتھ سے دل باندھ رکھا ہے اس لئے کہ ان سے خوشی ملے گی۔ مگر جس طرح خواب کے یا سینما کے دریا سے ایک گھونٹ بھی پانی نہیں مل سکتا۔ اسی طرح اس ناپائیدار دُنیا سے کبھی بھی سچا سُکھ یا حقیقی خوشی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ؎

دُنیا یہ اک خواب ہے۔ اے دوست یا افسانہ ہے ۔۔۔ اس کو جو سمجھے حقیقت وہ بڑا دیوانہ ہے
اِک سرائے کی طرح ہے چندروزہ یاں قیام ۔۔۔ تو تے لیکن دائمی مسکن اسی کو مانا ہے
غور اس پر بھی کبھی تو نے کیا ہے بیٹھ کر ۔۔۔ کون ہے تو کدھر سے آیا کہاں کو جانا ہے

وائے نادانی کہ تو اصلی وطن کو بھُول کر
اس مکاں پر پھُولتا ہے۔ جو مسافر خانہ ہے

انسان جتنی کوشش کرے۔ جو کچھ وہ کر سکتا ہے اتنا زور لگالے۔ مگر دُنیاوی پدارتھوں میں سے کچھ بھی ساتھ نہ لے جا سکے گا۔ ہزاروں ایکڑ زمین کے مالک سے کہو۔ کہ جاتے وقت ایک ماشہ بھر اس زمین کی مٹی اپنے ساتھ لے جا کہ جس کو تو اپنی کہتا ہے۔ ہزاروں کمروں کے مکانات کے مالک کو کہدو کہ بھائی پرلوک میں آرام کرنے کے لئے ایک کمرہ تو ساتھ

میں لے جا۔ کروڑ پتیوں کو مشورہ دو کہ بھائی چند پیسے اپنی گانٹھ میں باندھ لے۔ تاکہ پرلوک میں تیرے کام آویں۔ اُس آدمی کو کہو کہ جس کو ہزاروں آدمی کہتے ہیں کہ ہماری زندگی آپ پر قربان ہے) کہ کسی وفادار۔ غمگسار۔ جان نثار۔ یار کو اپنا پرلوک کا ساتھی بنا لے۔ تاکہ تو وہاں اکیلا نہ رہے۔ وغیرہ۔ مگر نہیں کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان سر توڑ کوشش کرے نہ تو کوئی پدارتھ ساتھ جائیگا اور نہ کوئی دوست یا رشتہ دار۔ انسان لوک و پرلوک کے لئے جو کچھ سُکھ چاہتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے ملے گا۔ اور انسان کو جو دُکھ ملتا ہے۔ وہ بھی اپنے آپ سے ہی ملتا ہے۔ دُنیاوی پدارتھوں اور رشتہ داروں میں نہ تو سُکھ ہے۔ اور نہ دُکھ۔ مثلاً واقعہ ایک ہوتا ہے۔ جو ایک شخص کے لئے باعث خوشی ہوتا ہے۔ اور دوسرے کے لئے باعث غم۔ انسان ایک ہے۔ جس کو ایک آدمی اپنا دوست خیال کرتا ہے۔ ایک دُشمن، کارن یہ ہے۔ کہ خوشی غمی۔ کا دارومدار دل کی اصلاح پر ہے۔ جو شخص اپنے دل کی اصلاح کر چکا ہے۔ اور اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے۔ کہ ؎

ضبط دل پر منحصر ہے علم وحدت کا حصُول — جو نہیں ہے اس پہ حاوی اُسکی کوشش ہے فضول

وُہ کبھی دُکھی نہیں ہوتا۔ وہ اس حقیقت پر زندگی بسر کرتا ہے۔ کہ دُنیا کے تمام پدارتھ لمحہ بہ لمحہ تبدیلی پذیر ہیں۔ اور جو چیز خود ہر لمحہ تبدیل ہو رہی ہے۔ ہر لمحہ حرکت میں ہے۔ اُس سے سکون یعنی حقیقی خوشی کی اُمید رکھنا ریت سے تیل یا نیم کے پتوں سے مٹھاس حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ جو کہ کبھی بھی پوری نہ ہوگی۔ جیساکہ کسی مہاپُرش نے فرمایا ہے ؎

اگر مال و دولت سے بھر لیں خزانے — جھکیں سر کے بَل آ کے اپنے بیگانے
جو دُنیا کی سب نعمتیں ہوں میسّر — چلے ہر طرف اپنا سکہ سراسر
حکومت ہو حاصل بڑائی ہو حاصل — اگر کُل جہاں کی خدائی ہو حاصل
بجے نام اپنے کا دُنیا میں ڈنکا — رہے سب سے اونچا اگر اپنا جھنڈا!

تو دن چار کی یہ فقط سروری ہے
کسی کو نہ دائم خوشی کچھ ملی ہے،

ایک عام کہاوت ہے۔ کہ ؎ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔"
کون شخص چھاتی پر ہاتھ رکھکر یہ دعوٰی کر سکتا ہے کہ میری موجودہ حالت ہمیشہ قائم رہیگی۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ تبدیلی قانون قدرت ہے۔ جو شخص اس قانون تبدیلی پر یقین رکھتا ہے۔ وہ کسی بھی مادی چیز پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ وہ چشم باطن سے برابر دیکھتا رہتا ہے۔ کہ زندگی اور واقعات لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سارا کھیل صرف چار دن کا ہے فرق اتنا ہے کہ کوئی چار دن پہلے اور کوئی چار دن بعد ان تمام مادی اشیاء سے دستبردار ہو کر چلا ہی جائیگا۔ نہ تو کوئی شخص ان مادی اشیاء کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ اور نہ آپ مادی اشیاء کے ساتھ ہمیشہ رہ سکتا ہے۔ جب بھی مالک کی طرف سے طلبی کا حکم نامہ آتا ہے تو ہر شخص کو سر جھکا کر اس حُکم عالی کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ رشی مُنی کسی کو یہ طاقت نہیں۔ کہ اس فرمان کی حکم عدولی کر سکے۔ یہ حُکم ایک ایسا سخت حُکم ہوتا ہے کہ انسان جس بھی حالت میں ہو اُسے فوراً حاضر ہونا ہوتا ہے جس کو بارگاہ عالی سے حُکم آتا ہے۔ وہ قطعاً چوں چرا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اُس کے پس ماندگان پر

کیا گزرے گی۔ بال بچوں کا کیا ہوگا۔ جائداد کا کیا بنے گا۔ دوست احباب کیسے گذاریں گے۔ اِن باتوں کی شنوائی نہیں ہوتی اور انسان سب تعلقات توڑ کر آخر کوچ ہی کر جاتا ہے۔

تعجب تو یہ ہے۔ کہ انسان اس حقیقت کو جانتا ہوا بھی کہ آخر ایک دن اس دُنیا سے کوچ کرنا ہے۔ پرلوک کی فکر نہیں کرتا۔ اور یہ نہیں سوچتا۔ کہ آگے پرلوک میں جیو آتما پر کیا گذرے گی۔ یہاں کی تو کوئی بھی امداد پرلوک میں مل نہیں سکتی نہ پریوار و سے اور نہ جائداد سے۔ سب بکھیڑا یہیں کا یہیں دھرا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس تمام بکھیڑے کا تعلق پنچ بھوتک شریر سے ہوتا ہے۔ جب یہ قالب عنصری ہی یہاں رہ گیا۔ مٹی میں مل گیا۔ تو پدارتھ کس کا ساتھ دینگے۔ جیو آتما سوکشم ہے۔ اس کا نہ تو ان دُنیاوی پدارتھوں سے کوئی تعلق تھا۔ اور نہ اب ہے۔ وہ جدھر سے آیا۔ اُدھر گیا۔ لیکن اگر اُس نے اگیانتا میں پھنس کر ستھول پدارتھوں کے ساتھ ممتا باندھ لی۔ تو پرلوک میں دُکھ۔ اور نہیں باندھی تو سُکھ۔ بقولیکہ سہ

بیہوش نہ بن۔ باہوش ہے تو – انجام یہ کر دُنیا کے نظر
جس دُنیا سے تو چمٹا ہے – اس کو تو چھوڑنا ہے آخر
کچھ اپنی بھلائی سوچ ذرا – کچھ فکر عاقبت کی بھی کر
یہ دُنیا مکر کا پھندا ہے مت اس میں دل کو پھنسا بابا – اور آگے کا سُکھ پا بابا

روحانی رہبر اپنے اپنے وقت پر ہمیشہ عام دُنیا داروں کو یہی تعلیم دیتے آرہے ہیں۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی زندگی کو مختصر بناؤ۔ زیادہ تعلقات زیادہ خواہشات۔ زیادہ لذات میں سکون قلب ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان جس قدر زیادہ خیالات میں غلطاں رہتا ہے۔ اُسی قدر پریشانی اور بے چینی بڑھتی ہے۔ لیکن شاستر اور مہاپرش یہ کہتے ہیں۔ یہ سکون قلب ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ جس شخص کو سکون قلب کی دولت میسر نہیں وہ اگر کروڑپتی بھی کیوں نہ ہو مہاپرشوں کی نظر میں رُوحانی طور پر کنگال ہی ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ انت متے سوئی گتے۔ وقت آخر انسان کے جس قسم کے خیالات ہونگے۔ وہ انہی خیالات کے مطابق آئندہ جنم لے گا۔" اب سوچنا یہ ہے۔ کہ جس شخص کی تمام زندگی دُنیاوی جھنجھٹوں میں لگی رہے تو مرتے وقت بھی اس کی برتی انہیں خیالات میں ہوگی۔ کہ جو وہ زندگی بھر اپنے دماغ میں بھرتا رہا۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر انت متے سوئی گتے کی بات درست ہے۔ تو جو شخص ساری زندگی دُنیا داری میں مصروف رہا۔ اور انت سمے وہ اپنی برتی کو بھگوان کے چرنوں میں لگالے تو اُسکو بھی سدگتی پراپت ہو سکتی ہے۔ وغیرہ۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ اس کا کارن یہ ہے کہ انسان کے اندر دو طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ ایک ارادہ اور ایک عادت۔ انسان بحالت زندگی اپنی عادت کے ماتحت بھی کام کر سکتا ہے۔ اور ارادہ کے ماتحت بھی۔ مثلاً ایک شخص کو صبح شام سندھیا ہون پاٹھ پوجا نت نیم سوادھیائے کی عادت ہے۔ اور وہ اس عادت سے مجبور ہو کر یہ کام کرتا ہے۔ اور جب تک اپنا یہ نت نیم پورا نہ کرے۔ اُسے بے چینی سی رہتی ہے۔ اور ایک شخص ایسا ہے کہ جس کو ابھی ان کاموں کی عادت نہیں پڑی لیکن وہ یہی کام

اپنے ارادہ کی طاقت سے کرتا ہے۔

اب تشریح طلب بات یہ ہے۔ کہ جب انسان کا آخری وقت آتا ہے۔ تو اس وقت اُسکی قوت ارادہ ختم ہو جاتی ہے مگر قوت عادت موجود رہتی ہے۔ یعنی اُس وقت انسان اپنی دماغی طاقت سوچ بچار سے کوئی خیال نہیں کر سکتا۔ اس انت سمے میں اُس کی برتی وہاں جاکر کام کرتی ہے۔ کہ جسکی اُس کو عادت ہوتی ہے۔ اگر کوئی انسان زندگی بھر آتم چنتن کا اس قدر ابھیاس کرتا رہا ہے۔ اب آتم چنتن اُسکی عادت ہوگئی ہے۔ تو ایسے انسان کو انت سمے اپنی برتی کو آتم چنتن یا پربھو چنتن میں لگانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ کیونکہ عادت ہونے کی وجہ سے اُسکی برتی خود بخود پربھو چنتن میں لین ہو جائے گی۔ اور بخلاف اس کے جو شخص اپنی برتی میں دنیاوی خیالات بھر چکا ہے۔ دنیاداری کی باتیں سوچنا اُسکی عادت بن گئی ہے۔ ایسا شخص لاکھ کوشش کرنے پر بھی انت سمے اپنی برتی کو پربھو چنتن میں نہیں لگا پائے گا۔ کیونکہ اب اس کی قوت ارادی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اور برتی میں دنیاوی خیالات سوچنے کی عادت گھر کر چکی ہے۔ اور وہ انہیں دنیاوی خیالات کے زیر اثر بقول شاستر آوا گون میں رہے گا۔

اتنا کچھ عرض کرنے کے بعد اب آخر میں بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ ہمیں نیک بدھی بخشیں تاکہ ہم اُسکی بخشی نعمتوں کو اُسکی ملکیت سمجھکر صرف استعمال کریں۔ اور کسی بھی چیز کے ساتھ لگاؤ نہ رکھیں اپنی برتی کو پربھو چنتن میں لگائے رکھیں۔ تاکہ انت سمے اس عادت کی وجہ ہماری جیو آتما پرم آتما میں لین ہوکر آوا گون کے چکر سے مکتی حاصل کرے۔ اوم شم اوم

از حکیم ریملداس جی
مضطر

ہمہ اوست

کعبہ میں اور بت خانہ میں ذی ہوش اور دیوانہ میں
ساقی میں اور پیمانہ میں زُلفِ سیاہ اور شانہ میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

گلشن میں اور گلزار میں اور وادئ پُر خار میں
بُلبُل کے نغمہ زار میں شمس و قمر سیّارہ میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

بُلبُل میں اور صیّاد میں مظلوم کی فریاد میں
مقتول میں جلّاد میں آباد غیر آباد میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

قاصد میں اور مقصود میں شاہد میں اور مشہود میں
ظاہر میں اور مفقود میں موجود اور لاموجود میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

اقرار میں انکار میں خاموشی اور گفتار میں
ہر کوچہ بازار میں اغیار میں دلدار میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

عالم میں اور مجہول میں قاتل میں اور مقتول میں
عامل میں اور معمول میں معقول اور نامعقول میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

ناظر میں اور منظور میں ظاہر میں اور مستور میں
موجود میں مغرور میں ظلمات میں اور نور میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

دریاؤں اور انہار میں میدان اور کوہسار میں
دوپہر اور شب تار میں آب رواں اور نار میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

ظالم میں اور مظلوم میں خادم میں اور مخدوم میں
حاکم میں اور محکوم میں قاسم میں اور مقسوم میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

کم ہمتی استقلال میں راحت میں اور ملال میں
آزادی میں جنجال میں دن ۔ رات ۔ ماہ و سال میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

ہر بحر و بر میدان میں طیور خوش الحال میں
دانا میں اور نادان میں دل میں جگر میں جان میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

طیور کے پرواز میں کوئل ۔ پپیہا ۔ باز میں
نازک ادا کے ناز میں کنجوس میں اور فیاض میں
میں نے صنم دیکھا تجھے

جب ہر جگہ ہے وہ عیاں مضطر پھر کسی ایں و آں
ہو منکشف راز نہاں راز نہاں کریوں بیاں
میں نے صنم دیکھا تجھے

سلسلہ کیلئے دیکھو پرچہ ماہ دسمبر ۱۹۶۹ء

قسط سوئم

نقد دھرم

شری سوامی رام تیرتھ جی ایم. اے کے لیکچر کا اقتباس جو اُنہوں نے غازی پور میں اکتوبر ۱۹۰۵ء کو دیا تھا۔

امریکہ کا ذرا مفصل حال

امریکہ میں پہلا تعجب کا ماجرا یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ خاوند تو پروٹسٹنٹ تھا اور عورت رومن کیتھولک۔ دل میں خیال آیا کہ اس قسم کے اختلاف مذہب والے لوگ ہمارے ہند میں (مثل آریہ سماجی اور سناتن دھرمی) تو ایک محلہ میں مشکل سے کاٹتے ہیں۔ اِن میاں بیوی کے ایک گھر میں کیسی گذرتی ہوگی۔ دریافت سے معلوم ہُوا کہ بڑے پیار سے رہتے سہتے ہیں۔ اتوار کے روز خاوند پہلے عورت کو اُس کے رومن کیتھولک گرجا میں ساتھ جاکر چھوڑ آتا ہے۔ ازاں بعد خود اپنے دوسرے گرجا میں جاتا ہے۔ خاوند سے بات چیت ہوئی تو وہ کہنے لگا۔ کہ میری بی بی کے مذہب کا سوال تو اُسکے اور خُدا کے درمیان ہے۔ میں دخل در معقولات دینے والا کون ہُوں؟ میرے ساتھ اس کا حساب بالکل پاک ہے۔ خُدا کے ساتھ اپنے سودے کی وہ جانے۔ کیا خُوب!

امریکہ میں اتحادِ مُلکی کے سامنے اختلاف مذہبی کی کچھ حقیقت نہیں۔ ہندوستان کا آریہ سماجی ہو۔ سکھ ہو۔ مسلمان ہو عیسائی ہو۔ امریکہ میں ہندو ہی کہلاتا ہے۔ اُن کے دلوں میں وحدتِ مُلکی اس قدر سمائی ہے کہ وہ ہمارے یہاں کہ اتنے بھاری مذہبی تفرقوں کو نظر انداز کرتے ذرا دیر نہیں لگاتے۔ ہندوستان کے بعض فرقوں کے لوگ یہ جانتے کہ انجام کار اور مہذّب ملکوں میں ہم نے ہندو ہی کہلانا ہے تو لفظ ہندو پن پہ جھگڑے نہ کرتے اور اِس نام سے اسقدر عار نہ مانتے۔

ایک باعث اُس مُلک کے زبردست ہونے کا یہ بھی ہے۔ کہ وہاں برہمچریہ ہے۔ طاقتِ انسانی عصمت کو زائل نہیں ہونے دیتے۔ عموماً بیس برس تک تو لڑکے یا لڑکی کو خیال بھی نہیں آتا۔ کہ بیاہ کیا چیز ہے۔

امریکہ میں عموماً یونیورسٹی کی تعلیم کا یہ مقصد اور غرض ہے کہ ملک کی چیزیں کام میں لائی آجاویں یعنی زمین معدنیات۔ نباتات اور اجناس وغیرہ کا استعمال اور زیادہ قیمتی بنانا معلوم ہو جائے۔ جتنے فنون سکھلائے جاتے ہیں براہ راست کارآمد اور مفید مطلب۔ کوئی لڑکا بے فائدہ کیمسٹری نہیں پڑھیگا۔ اگر اُس نے علم کیمیا کو استعمال میں لانے کا ہُنر مثل کیمیکل انجینیرنگ بھی ساتھ نہ سکھا ہو۔

ایک مذہبی کالج میں رآم کا لیکچر ہُوا۔ لیکچر کے بعد کالج کے لوگوں نے اپنی جنگی قواعد دکھلائی اور کالج کے جنگی نعرُوں وغیرہ سے لیکچر کی سلامی کی۔ رآم نے پُوچھا یہ کیا؟ کالج تو مذہبی۔ اور تعلیم جنگی۔ پرنسپل صاحب نے جواب دیا۔ مذہب کے معنی ہیں۔ جسم و جسمانیت کو عیسیٰ کی طرح صلیب پر چڑھا دینا۔ خودی کو مٹا دینا۔ جان کو ملک کی خاطر ہتھیلی پر اُٹھائے پھرنا۔ اور یہ جاں نثاری اور سچی بہادری کی رُوح جنگی تعلیم سے آتی ہے۔

اب نرم دلی اور صفا قلبی (انتہ کرن کی شُدھی) کی تعلیم کی کیفیت دیکھئے۔ ایک یونیورسٹی میں رآم گیا۔ جو طالب علموں

اور اُستادوں کی کمائی سے چل رہی تھی۔ طالب علم وہاں فیس وغیرہ کچھ نہیں دیتے۔ علاوہ اور تعلیم کے پروفیسروں کے زیر اہتمام کالج کی زمین پر یا مشینوں (کلوں) پر کام کرتے ہیں۔ پروفیسر ایجاد و اختراع کرتے ہیں۔ اور کرنا سکھلاتے ہیں۔ زمین کے انوکھی ڈھنگ کی نرالی پیداوار اور نئی کاریگری کی آمدنی سے سب اخراجات ادا ہوتے ہیں۔

امریکہ جاپان۔ انگلینڈ جرمنی میں پولیس ازحد شائستہ اور رعایا کی خدمتگار ہے۔ پرچار رکھشک ہے۔ پرجا بھکشک نہیں

توحید۔ سنسکرت میں ویدانت (توحید) کے ازحد مستانہ نسخے ہیں۔ دتاتریے کی اودھوت گیتا۔ اشٹاوکر گیتا۔ شنکر آچاریہ کے استوتر۔ یا بعض حصے یوگ واسشٹ کے۔ فارسی میں سب سے بڑھکر توحید کا کلام شمس تبریز کا ہے۔ اُس سے اُتر کر مثنوی شریف۔ شیخ عطار۔ مغربی وغیرہ۔ لیکن امریکہ میں والٹ وہیٹ مین کے اوراق گیاہ وہی توحید کی مستی اور آزادی لاتے ہیں جو اودھوت گیتا۔ اشٹاوکر گیتا۔ ترانہ ہائے شنکر و شمس تبریز اور بلھا شاہ کا کلام بلکہ اُن سے بھی کہیں بڑھکر۔

حبشی غلاموں کو آزادی دینے کے لئے امریکہ کی خانہ جنگی کے دنوں میں یہ وہیٹ مین ہر لڑائی میں سب سے آگے موجود تھا۔ دونوں طرف کے زخمیوں کو مرہم پٹی کرنا۔ پیاسوں کو پانی پلانا۔ سسکتی جانوں کی جان میں اپنے تبسم سے جان لانا اور اسی موقعہ کی اپنی تازہ تصنیف (نغمۂ اوراقِ گیاہ) کو رات دن گاتے پھرنا اس کا دل لگی کا کام تھا۔ اس ہنگامہ اور شور و شیون میں۔ معرکہ کے کارزار میں۔ بلا کے جنگ و جدل میں۔ وہیٹ مین ایسا بشاش و مطمئن پھرتا تھا۔ جیسے شو شنکر بھوت پریت کے گھمسان میں۔ یا جیسے کرشن بھگوان کورو کھشیتر کے میدان میں مبارک تھے۔

امریکہ میں ایک اور برہم نشٹھ (عارف باعمل) ہنری تھورو بھی ہوا ہے۔ وہ تنہا جنگلوں میں ایک سچے برہمچاری اور سنیاسی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ البتہ ستنی پرست سادھو نہ تھا۔ امریکہ کا سب سے بڑا مصنف ایمرسن اُس تھورو کی بابت لکھتا ہے۔ کہ شہد کی مکھیاں اُسکی چارپائی پر ساتھ سوتی ہیں۔ لیکن اُس نڈر پریم کے پتلے کو نہیں ڈستیں۔ جنگل کے سانپ اُسکے ہاتھوں اور ٹانگوں کو چمٹ جاتے ہیں۔ لیکن وہ کنگن اور پازیب کی طرح اُنکی پرواہ نہیں کرتا۔

خود ایمرسن جسکی تصنیفات میں نئی دنیا میں نئی روح پھونک دی۔ بھگوت گیتا اور اُپنشدوں کا نہ صرف عالم بلکہ بہت بڑا عامل تھا۔ اس نے اپنے مضامین میں اُپنشدوں اور گیتا کے اکثر حوالہ جات دیئے ہیں۔ اور اس کے جج کے دوستوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اسکے خیالات پر بالخصوص گیتا اور اُپنشدوں کا اثر تھا۔ مہاتما تھورو اپنے والڈن میں لکھتا ہے

علی الصباح میں اپنے دل و دماغ کو بھگوت گیتا کے پوتر گنگا جل میں اشنان کراتا ہوں۔

یہ وہ معظم و عالمگیر فلسفہ ہے۔ کہ اس کو تحریر میں آئے دیوتاؤں کے سالوں کے سال بیت گئے۔ لیکن اس کے برابر کی تصنیف نہیں نکلی۔ اس کے مقابلہ میں ہماری موجودہ دنیا معہ اپنے علم ادب کے حقیر اور ناچیز معلوم ہوتی ہے۔ اسکی بزرگی ہمارے قیاس و گمان سے اس قدر برتر ہے کہ مجھے کئی دفعہ خیال آتا ہے کہ شاید یہ فلسفہ کسی اور ہی یُگ میں لکھا گیا ہوگا۔

"ایک موقع پر مصر کے عالیشان میناروں کا ذکر کرتے ہوئے تھورو لکھتا ہے۔ — "پچھلی دنیا کی تمام یادگاروں میں بھگوت گیتا سے عجیب ترین کچھ نہیں"۔ — یہی بھگوت گیتا اور اُپنشدوں کی تعلیم عمل میں آئی ہوئی عملی ویدانت یا تقدس ہو جاتی ہے

اسی کو رگوں پٹھوں میں لاکر وہ لوگ "ترقی" پا رہے ہیں۔ آپ کے یہاں یہ قیمتی نوٹ (ہنڈی) موجود ہے۔ پر کاغذ کے نوٹ سے خواہ کتنا ہی قیمتی ہو بھوک نہیں اترتی۔ اس ہنڈی کو بھنا کر نقد دھرم میں بدلنا پڑے گا۔

جب سیتا جی۔ اجودھیا سے بن باس کو سدھاریں۔ تو اُن کے پیچھے رونق دور ہو گئی۔ ماتم پھیل گیا۔ رعیت بے چین ہو گئی۔ راجہ کا شریر چھوٹ گیا۔ رانیوں کو رونا پیٹنا پڑ گیا۔ تخت چودہ برس تک خالی رہا۔ اور جب سیتا جی کو سمندر پار سے لانے کیلئے مہاراج رامچندر کھڑے ہوگئے۔ تو پرندے (گرڑ اور جٹایو) بھی مدد کو تیار ہوگئے۔ جنگل کے حیوان (بندر ریچھ وغیرہ) لڑنے مرنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ اپنی چھوٹی حیثیت کے مطابق گلہریاں بھی منہ میں ریت کے ذرے بھر بھر کر پل باندھنے کیلئے سمندر میں ڈالنے لگ گئیں۔ ہوا اور پانی بھی موافق بن گئے۔ پتھر بھی جب سمندر میں ڈالے تو سیتا کی خاطر اپنی عادت کو بھول گئے۔ اور بجائے ڈوبنے تیرنے لگے۔

کنم صد سر فدائے پائے سیتا　　چہ یک تا سر چہ دہ تا سر چہ سیتا

(ایک سر۔ دس سر یا تیس سر تو کیا۔ میں سو سر سیتا جی کے قدموں پر فدا کرتا ہوں)

سیتا سے مراد ادھیاتم رامائن میں ہے۔ "برہم ودیا" اس برہم ودیا کو الوداع کہنے سے ہندوستان میں سب طرح کی تباہی وارد ہوئی۔ کیا کیا مصیبت نہیں آئی۔ کس کس دکھ اور بیماری نے ہمیں تختۂ مشق نہیں بنایا؟ ہائے یہ سیتا۔ سمندر پار چلی گئی! عملی برہم ودیا کو سمندر پار سے آج لانے کیلئے کھڑے تو ہو جاؤ۔ اور دیکھو تمام کائنات کی طاقتیں آپس میں شرطیں باندھ باندھ کر تمہاری خدمت کو بجا لانے کو دست بستہ حاضر کھڑی ہیں۔ سب کے سب دیوتا اور ملائک سر تسلیم خم کئے پڑے ہیں۔ قدرت کے قانون قسمیں کھا کھا کر تمہاری مدد کو کمر بستہ تیار کھڑے ہیں۔ اپنی خدائی میں جاگو تو سہی۔ اور پھر دیکھو ہوتا ہے کہ نہیں۔

سارے جہاں میں اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اُس کی وہ بوستاں ہمارا

اوم۔ اوم۔ اوم

کاش کہ ہمارے موجودہ برسر اقتدار رہنما۔ سوامی رام کی مندرجہ بالا تقریر پر غور کریں۔ برہم ودیا (روحانی علم) کو نیست و نابود کرنے کی بجائے اُس کو پڑھانے اور پھیلانے کا اہتمام کریں۔ مغربی تہذیب اور مغربی تعلیم کی لعنت کو اس پوتر بھارت بھومی سے نکال پھینکیں۔ فلمی دنیا میں بوسہ بازی اور عریانی تصاویر دکھانے پر (جو کہ ہندوستانی تہذیب کے برعکس ہے) پر قانوناً پابندی لگائیں۔ سینما کے ذریعے دھارمک تعلیم کو رائج کریں۔ تاکہ سوامی رام۔ سوامی وویکانند۔ مہرشی اروند گھوش۔ مہاتما گاندھی۔ اور گورو نانک دیو جی کی آتمائیں پرسن ہوں۔" ان مہاپرشوں نے بھارتیہ سبھیتا اور سنسکرتی کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی زندگیاں لگا دیں۔ لیکن ہمارے موجودہ مغرب زدہ نام نہاد ریفارمر مندرجہ بالا مہاپرشوں کی محنت پر پانی پھیر رہے ہیں۔ اگر ان کالے انگریزوں نے اپنی بھارتیہ تہذیب کا اسیطرح گلا گھونٹنا جاری رکھا۔ تو یقین جانئے کہ ان مہاتماؤں کے شاپ سے نہ تو یہ لوگ ہی بچ سکینگے اور نہ بھارت کی جنتا۔ اور اس دیش میں ایک ایسی آفت آئیگی جس سے بچنا ناممکن ہو جائیگا۔ اسلئے اے بھارت نواسیو! ابھی وقت ہے کہ سمجھو۔ عیش و عشرت کا تیاگ کرو۔ بھارتیہ سبھیتا اور ادھیاتمک ودیا کو اپناؤ۔ اور

صرف اُن لوگوں کو ہی برسر اقتدار آنے دو جو کہ دھارمک وچار رکھتے ہوں اور مہاتما گاندھی کے سچے انویائی ہوں۔"



منش جنم



قسط ۳

اوم

(شری کرپال سنگھ ۔ ایم ۔ اے ۔)

کانوں کے ذریعہ طرح طرح کے راگ و سنگیت سُنتا ہے۔ اس سے بھی اور دلکش چیزیں سُننے کیلئے بے چین ہوتا ہے۔ زبان کی مدد سے یہ لذیذ اور چٹ پٹے بھوجنوں کا آنند لیتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اچھے بھوجن کھانا چاہتا ہے۔ اسکی دوڑ لالچ کا کہیں بھی خاتمہ نہیں ہوتا۔ یہ اس طرح ہے جیسے اگنی کی بھوک ایندھن ملنے سے اور بھڑکتی ہے۔ اندریوں کے سب وشے (جیسے آنکھ کا وشے دیکھنا۔ کانوں کا وشے سُننا۔ ناک کا وشے سونگھنا۔ وغیرہ) من کی ترشنا روپی آگ کے لئے ایندھن کا کام دیتے ہیں۔ من کی خصلت ہے۔ سو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ سنسارک پدارتھوں کا بھوگ اُسے مستقل شانتی دے سکتا ہے تو یہ اُسکی سب سے بڑی بھول ہے۔ اسی بھول میں پڑا انسان سینما گھروں۔ تھیٹروں۔ بال روموں۔ نائٹ کلبوں۔ شراب کے ٹھیکوں۔ چکلوں۔ اور تفریح و عیاشی کے دُوسرے سامانوں سے سُکھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اُسے وویک اور سنجیدگی (جو سُکھ کا کارن ہیں) سے دُور لے جانے والی ہیں۔ گہری سوچ کا مادہ نزدیک نہیں پھٹکتا۔ یہ گندگی میں آنند لیتا ہے۔ اور پتہ تب لگتا ہے جب ان کا نتیجہ جسمانی بیماریوں یا مقدمہ بازیوں کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے اور خصوصاً بڑھاپے میں بیماری کے ہاتھوں تنگ ہونا پڑتا ہے۔ آج کے انسان کا ایک ہی تکونا اُمورش سُرا یعنی شراب۔ سُندری اور سورن (Wine, Women & Wealth) ہے۔ اسے جینے کا اصلی آنند تب تک نہیں ملسکتا جب تک وہ شوچار ستیم اور سادھنا Sound thinking, (Self Control and spiritual practice) کے ترشول سے لیس نہیں ہوتا۔ اور اس تکون سے باہر نہیں نکلتا۔ آج کا پڑھا لکھا نوجوان فحش اور سنسنی خیز لٹریچر پڑھنے میں آنند محسوس کرتا ہے۔ آزادی ملنے کے بعد اس طرح کے سستے اور گندے لٹریچر میں بھاری اضافہ ہوا ہے۔ صرف دیش میں ہی اسکی اشاعت نہیں بڑھی بدیشوں سے بھی پہلے سے زیادہ درآمد کیا جارہا ہے۔ یہ نوجوانوں کے اخلاق کے لئے زہر قاتل ہے۔ زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے کسی بھی رہنما کا دھیان اس طرف نہیں جاتا۔

ایک بار میں بس میں سفر کررہا تھا تو اپنے ایک واقف کار سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ اُنکے ہاتھ میں انگریزی کا ایک سستی قسم کا رسالہ تھا جس میں خبروں کی شکل میں مرد و عورت کے جنسی تعلقات کو ننگے لفظوں میں بیان کیا گیا تھا۔ میں نے اُن سے کہا کہ اچھا لٹریچر پڑھا کرو جس سے کوئی دماغی و روحانی خوراک ملے۔ وہ بولے یہ رسالہ حقیقت پر سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ بڑے بڑے شریفوں کی شرافت کا پردہ چاک کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ بھئی حقیقت صرف نفسیات (SEX) میں ہی رہ گئی ہے! حقیقت کے تو سمندر بھرے پڑے ہیں۔ تم صرف ایک قطرہ پر مائل ہوگئے ہو جو گندگی میں گرا پڑا ہے۔ شریک گندگی سے آنند لینا چاہتے ہو۔ اسکے اندر وہ ملتا ہوا ہیرا جو تمہارا آتم سروپ ہے۔ جس کا کارن ہی

اس سنسار کے سارے آنند میں اس کا خیال تک نہیں آتا۔ انہوں نے میری بات سنی ضرور لیکن معلوم ہوتا تھا اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔

ہر ایک انسان خوشی اور شانتی کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اگیانتا کے کارن شانتی کا سب سے نزدیکی منبع جو اس کی آتما ہے اسے چھوڑ کر سندر استریوں۔ سنسار کے پدارتھوں اور دھن دولت سے سکھ حاصل کرنا چاہتا ہے انہیں سے بھی جو سکھ ملتا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اسکے اپنے پن۔ اسکی آتما کے کارن ہی ہے لیکن اس بھید کو یہ سمجھ نہیں سکتا۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:۔

بادہ از ما مست شد نے ما ازو — عالم از ما ہست شد نے ما ازو

"میرے کارن ہی شراب میں مستی ہے۔ نہ کہ شراب کے کارن مجھ میں مستی ہے۔ میرے ہی کارن اس دنیا کی ہستی ہے نہ کہ دنیا کے کارن میری ہستی ہے"

آنند اور شانتی کا ساگر اپنی آتما میں موجزن ہے۔ اس سے باہر کوئی خوشی نہیں مل سکتی۔ باہر کی خوشیاں اور سکھ جو محسوس ہوتے ہیں یہ اصل میں آتما کے پرتی بمب (reflections) ہیں۔ مشہور جرمن فلاسفر شوفن ہار (Schopenhaur) نے ٹھیک ہی کہا ہے:۔

It is difficult to find happiness in one self, but it is impossible to find it anywhere else.

"اپنے اندر سے خوشی پراپت کرنا مشکل ہے لیکن کہیں باہر سے اسے پراپت کرنا ناممکن ہے" یہ کٹھن وچار نے ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشی کا سروت اپنے اندر ہے۔ ہم اسے پراپت کر سکتے ہیں۔ اسکے لئے محنت اور ساہنا کی ضرورت ہے۔ مشکل ضرور ہے۔ لیکن ناممکن نہیں۔ لیکن باہر سے خوشی کو ڈھونڈنا ان ہونی بات ہے۔ یہ اسی طرح ناممکن ہے جس طرح زمین اور آسمان کو ملانا۔

انسان میں من کی پردھانتا ہے۔ جسکے آگے چار روپ من۔ بدھی۔ چت اور اہنکار ہیں۔ منشیہ (मनुष्य) شبد من شبد سے ہی بنا ہے۔ جسمیں من پردھان ہو وہ منشیہ ہے۔ من مایا یا پرکرتی کا پتر ہے۔ اس کا انش ہے اسکے ساتھ مل کر اسے بہت خوشی اور آنند محسوس ہوتا ہے۔ جب ہم اسے اس سے الگ کرنا چاہتے ہیں تو دکھ محسوس کرتا ہے۔ بلکہ کئی بار باغی ہو جاتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کھانڈ پانی میں بہت جلدی گھل جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے جنم سے پہلے ہی اس کا پانی کے ساتھ میل تھا۔ جب کھانڈ ابھی بنی بھی نہ تھی تو یہ گنے کی شکل میں موجود تھی جس کے رس میں پانی کی ماترا زیادہ ہوتی ہے۔ جونہی اسے پانی میں ڈالتے ہیں۔ جھٹ اس کے ساتھ گھل مل جاتی ہے۔ اب اگر ہم اسے پانی سے نکالنا چاہیں تو کتنی دقت کرنی پڑتی ہے۔ ایندھن کا خرچ ہوتا ہے۔ وقت کا حرج ہوتا ہے۔ آنکھوں کو دھوئیں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر یہ پانی کو چھوڑ کر الگ ہوتی ہے۔ یہی حال من کا ہے۔ یہ آسانی پرکرتی یا مایا کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اس کے مایا سے ہٹنے اور مایا کو چھوڑنے کے بھید میں ہی ہمارا ناش یا وکاس چھپا ہوا ہے۔

ویسے تو مایا یا پرکرتی ایک ہے جو کہ سارے سنسار میں ویاپت ہے لیکن اس کے دو روپ ہیں ایک بیرونی یا سنھول اور دوسرا اندرونی۔ یا سوکشم۔ یہ ایک اٹل نیم ہے کہ مادی سنسارک یا بیرونی ترقی کے لئے باہری پرکرتی پر کنٹرول کرنا ضروری ہے۔ اور روحانی پرمارتھک یا اندرونی ترقی کے لئے اندرونی پرکرتی پر قابو پانا ضروری ہے انگریزی میں باہری پرکرتی (قدرت) اور اندرونی پرکرتی (خصلت یا سوبھاو) کے لئے ایک ہی شبد (Nature) نیچر استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ ہندی یا سنسکرت میں دونوں کے لئے پرکرتی، (प्रकृति) شبد کا استعمال ہوتا ہے۔ پراچین کال کی یا موجودہ سائنس کی ترقی کی ساری کہانی بیرونی پرکرتی پر قابو پانے کی کہانی ہے۔ سیلاب کا پانی جو انسان کی تباہی کا کارن بنتا تھا کسطرح بندھ باندھ کر روکا گیا۔ نہریں نکالی گئیں اور بجلی پیدا کی گئی۔ انسان مادی طور پر زیادہ سکھی اور خوشحال ہوا۔ آگ اور پانی کو طریقہ سے قابو کر کے اور ایک جا کر کے بھاپ پیدا کی گئی۔ اس سے انجن چلائے گئے۔ جو انسان کی خدمت کرنے کے لئے ہزاروں من بوجھ لیکر بھاگے پھرتے ہیں۔ بھاپ کی مدد سے کئی طرح کے کارخانے چلتے ہیں۔ جو انسان کو مادی خوشحالی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس طرح قدرت کی طاقتوں کو قابو کر کے خاص خاص اصولوں کے تحت اُن سے مادی فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے۔ سائنس کی ہر شاکھا میں یہی اصول قائم کر رہا ہے الگ الگ قدرتی طاقت کی دھارا جو من مانے اور سادھارن یا قدرتی رُخ میں چل رہی ہے اُسے کنٹرول کر کے ایسے رُخ میں موڑا جاتا ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ یہی سائنس ہے۔

اب اندرونی یا رُوحانی ترقی کے لئے بھی یہ ایک اٹل نیم ہے کہ اندرونی پرکرتی کو قابو کر کے اُسکی دھارا کو اندرونی ترقی کے لئے موڑا جاوے۔ علم نفسیات (منووگیان) کے ماہران نے انسان کے الگ الگ قدرتی رجحان (instincts) مانے ہیں۔ جن کو منوورتیاں کہہ سکتے ہیں۔ جیسے کام پرورتی (Sex instinct) زمان پرورتی (Constructive instinct) ساماجک پرورتی (Gregarious instinct) وغیرہ اگر ان پرورتیوں کی دھارائیں من مانے یا قدرتی رُوپ میں کام کرتی جائینگی تو یہ وناش کاری کھیل کھیلیں گی ہر پرورتی کے دو پہلو ہیں ایک مثبت (positive) اور دوسرا نفی (negative) کام پرورتی نفی پہلو میں انسان کا وناش کرتی ہے اور سماج میں بُرائی پھیلاتی ہے۔ مثبت پہلو میں انسان کو بلوان بناتی ہے۔ اور سماج کیلئے بھی فائدہ مند ہوتی ہے۔ اسی طرح زمان پرورتی کے دو تعمیری اور تخریبی constructive and destructive پہلو ہیں اور ساماجک پرورتی کے دو پہلو پریم اور نفرت ہیں۔ اگر ان دھاراؤں کو مثبت رُخ میں نہیں موڑا جائیگا تو یہ انسان اور سماج دونوں کے لئے وکاس کاری ہونے کی بجائے وناش کاری ثابت ہونگی کیونکہ انسانی پرکرتی میں بُرائی کا خمیر قدرتی طور پر گوندھا گیا ہے۔ اسے ہی شاستروں نے مایا کا پردہ کہا ہے۔ اس دھارا کا رُخ موڑنے کو منووگیانی Channelisation of instincts کہتے ہیں۔ اور جب یہ کام سرے چڑھ جاتا ہے۔ رُخ بدلنے میں کامیابی ہو جاتی ہے۔ تو اسے Sublimation of instincts یا پرورتی کا کلیان کاری بنانا، کہتے ہیں۔ یہ

منو وگیانک سدھانت جو یوروپین منو وگیانی ڈاکٹر فرائیڈ (Dr. Frend) وغیرہ نے پرچلت کئے کوئی نئے نہیں۔ ہمیں اس لئے نئے معلوم ہوتے ہیں کہ ہم نے اپنے شاستروں کا مطالعہ نہیں کیا۔ مغرب کی نئی روشنی نے ہمیں اس حد تک چکا چوندھ کیا کہ ہم کو اپنے دھارمک ساہتیہ میں اصلیت نظر آنی یا تو بالکل بند ہوگئی یا بالکل دھندلے رُوپ میں نظر آنے لگی۔ اسی سدھانت کو سُوتر رُوپ میں "سانکھیہ درشن" میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

विमुक्तमोक्षार्थं स्वार्थं वा प्रधानस्य ।

"پردھان (پرکرتی یا مایا) مکت آتما کے بھوگ۔ اور موکش دونو کے لئے کام کرتی ہے۔" یعنی مایا ہی پھنساتی ہے بھوگ بھوگاتی ہے۔ اور مایا ہی آزاد کرتی ہے۔ یہ مایا ہمارے اندر من کے رُوپ میں براجمان ہے۔ پرورتی یا سنکلپ کے رُوپ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اسی پرورتی کو موجودہ منو وگیانی (instincts) کہہ دیتے ہیں۔ انکو ہی کلیان کاری (Sublimate) کرکے ہم نے اچھے انسان۔ اچھے سماجک پرانی بننا ہے۔ پھر اس کے اگلے درجہ میں روحانی دنیا میں پرویش کرکے موکش پد کو پراپت کرنا ہے۔ اسی لئے شاستروں میں پرارتھنا کی گئی ہے۔

"(तन्मे मनः शिव संकल्प मस्तु)" اے پربھو میرا یہ من شبھ سنکلپ والا بنے"

سوچا جائے تو اس کا دوسرا مطلب وہی ہوا کہ ہم اچھا کرتے ہیں کہ ہماری پرورتیوں کی دھارا مثبت پہلو (positive side) کیطرف رُخ کرے۔ پرورتی سنکلپ یا واسنا کو شبھ بنا کر ہم نے اپنے سنسارک دھرم (پتا کا دھرم۔ پتنی کا دھرم۔ بھائی کا دھرم۔ اپنے پیشہ سے متعلقہ دھرم یا ڈیوٹی وغیرہ) کو بھی طرح سے ادا کرنا ہے۔ سنسار سے بھاگنا نہیں۔ یہ بھی ایک یوگ ہے۔ جسے کرم یوگ کہتے ہیں۔ جب ہم اس میں مکمل ہوجائینگے تو پھر ہم پرمارتھک دھرم (آتما کا پرماتما سے متعلقہ فرض) ادا کرنے کے ادھکاری بنیں گے۔

من کو مارنے کی باتیں بہت ہوتی ہیں۔ لیکن من کو کس نے مارا ہے کون مار سکتا ہے! من مرجائے تو شریر ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ من کی طاقت لیکر تو دل دھڑکتا ہے۔ پھیپھڑے اپنا کام کرتے ہیں۔ سانس چلتا ہے۔ سنسار کے تمام کام ہوتے ہیں۔ اسے ہی کرم چکر کہتے ہیں۔ شبد کرم، "कर्म" دو اکشروں (کری ۔ م) (कृ + म) کری (कृ) کا ارتھ کرنا" اور "م" (म) کا ارتھ من ہے۔ جو من کے ذریعہ کیا جائے اُسے کرم کہتے ہیں۔ سوچا جائے تو ہر کام کی بنیاد ہمارا من ہی ہے۔ پہلے من میں خیال پیدا ہوتا ہے پھر ہماری کرم اندریاں (ہاتھ پاؤں وغیرہ) اس کام کو کرتی ہیں۔

(باقی پھر)

نوٹ:۔ "سالنامہ مُکتی انک" دو ماہ جنوری اور فروری ۱۹۷۰ء کا مشترکہ پرچہ ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ناظرین اوم اس کیلئے خط و کتابت نہ کریں۔

(۲) آجکل رسالہ اوم کا سالانہ چندہ بارہ روپے مقرر ہے۔ منی آرڈر کسی ذاتی نام پر ارسال نہ کریں۔ بلکہ صرف "رسالہ اوم اجمیری گیٹ دہلی ۶" کے نام ارسال کریں۔

اوم اوم

آدمیّت

شری ستگور پرشاد سریواستو۔ جھونی۔ ضلع سیتاپور (اُتر پردیش)

قول پر اپنے گر ثبات نہیں — اُسکی دُنیا میں کوئی بات نہیں
یوں تو ہم بھی ہیں آدمی لیکن — آدمیّت کی کوئی بات نہیں
آدمی بلبلہ ہے پانی کا — مستقل دہر میں حیات نہیں
آنا جانا رہیگا کب تک — مر کے بھی دہر سے نجات نہیں
کچھ تو رکھ درد اُنس اور اخلاق — دل نہیں جسمیں یہ صفات نہیں
کاوشیں بڑھ رہی ہیں آپس میں — آہ پہلی سی کوئی بات نہیں
تفرقہ کس لئے ہے آپس میں — ہے خدا ایک پانچ سات نہیں

آہ گل بھی ہوئے تو کاغذ کے
نام ستگور مگر صفات نہیں

رام ناٹک

گذشتہ سے پیوستہ — شری سرداری لال جی نگر گڑھ

(رام مرگ کے پیچھے جاتے ہیں۔ مرگ کبھی دھیمے کبھی تیزی سے کلانچیں بھرتا بہت دور تک رام کو لے جاتا ہے رام مایوس ہوکر اُسے زندہ پکڑنے کا خیال ترک کر کے کمان پر تیر چڑھاتے ہیں کہ مارتیچ ہا! لکشمن!..... ہا! جانکی! کہتے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر رام کے تیر سے جاں بحق ہو جاتا ہے۔ اسکی کھال جدا ہوکر گر پڑتی ہے۔ رام اُٹھا کر وسوسوں بھرے دل کے ساتھ کٹیا کو لوٹتے ہیں۔ سیتا آواز سُنکر بے چین ہو جاتی ہے اور لکشمن سے کہتی ہے)

سیتا۔ ؛ رام تمہیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں شاید کسی مشکل میں گھر گئے ہیں جاؤ جلدی جاؤ۔

(لکشمن اپنی جگہ پر ڈٹے رہتے ہیں اس بے پرواہی کو دیکھکر سیتا دُکھی ہوکر کہتی ہے) ہونہ ہو تمہارے بھائی

پر ضرور کوئی آفت آئی ہے جس نے ان کو بے بس کر دیا ہے، بھگوان کے واسطے جلدی جاؤ۔ اڑے وقت میں بھائی کی مدد کرو۔" (لکشمن پھر بھی حرکت نہیں کرتے یہ دیکھ کر سیتا رونے لگتی ہے۔ اور چلا کر کہتی ہے) سمترا نندن! کیا تم نے بھی آنکھ بدل لی ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ جس بھائی کی وفاداری کا دم بھرتے تھے اس سے یوں آنکھیں پھیر لو گے۔ ــ ہا! پرماتما نے مجھے یہ شکل و صورت نہ دی ہوتی۔"

(یہ سن کر لکشمن کا دل چھلنی ہو جاتا ہے اور وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیتا ہے۔

لکشمن۔ جنک نندنی! تم ماتا سمان ہو، یہ تم کیا کہہ رہی ہو، جس رام نے تمہاری آنکھوں کے نیچے لاکھوں راکھشوں کو موت کے جبڑوں میں دھکیل دیا۔ وہ کسی آفت میں گرفتار نہیں ہو سکتے۔ یہ ضرور اسی مائیچ کی شرارت ہے ــ حوصلہ نہ ہارو، ماتا! رام آتے ہی ہوں گے۔

سیتا۔ بس تمہاری باتوں میں نہ آؤں گی، میں بھانپ گئی ہوں تمہاری نظر کو، اگر تم رام کی مدد کو نہ گئے تو میں ابھی چتا بنا کر بھسم ہو جاؤں گی۔ اور جان پر کھیل جاؤں گی۔

لکشمن۔ ہے بھگوان! یہ کیا سن رہا ہوں میں؟ ــ میرے کان کیوں نہیں پھٹ گئے؟ دھرتو! اے سوریہ! گواہ رہنا! میں رام کی آگیا کے برخلاف جا رہا ہوں۔ اب اور کوئی راستہ نہیں میرے لئے، (سیتا سے) ماتا! بھگوان تمہاری رکھشا کرے، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ سیتا۔ میری کوئی چنتا نہ کرو ــ جا کر بھائی کی جان بچاؤ! جاؤ بیر! جاؤ۔

لکشمن۔ تم ناری سبھاؤ سے مجبور ہو ــ مگر میں یہ لکیر کھینچے جا رہا ہوں اس حد سے باہر قدم نہ رکھنا، بھگوان تمہاری رکھشا کرے ــ لو، اب میں چلا۔

(لکشمن چلا جاتا ہے۔ سیتا بن کے راستوں پر نظر جمائے رام کی راہ تک رہی ہے۔ کہ راون ہاتھ میں ڈنڈا اور کرمنڈل لئے یوگی کے بھیس میں جھاڑیوں سے نکل کٹیا کے نزدیک آ کر "الکھ نرنجن" کی صدا لگاتا ہے، سیتا اسے کند مول اور پھل پیش کرتی ہے۔)

راون۔ سادھو کو بھکشا دینی ہے۔ تو اس لکیر سے باہر آ کر دو۔ ورنہ ہم بھکشا نہیں لینگے۔

(سیتا ہاتھ بڑھاتی ہے۔ راون جھٹکے سے اسے باہر کھینچ لیتا ہے۔ ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو مروڑ کر اور دوسرے سے اسے اوپر اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، سیتا چلانا شروع کر دیتی ہے۔)

سیتا۔ او ناتھ! میرے سوامی! او لکشمن تم مجھے کیوں چھوڑ گئے؟ بچاؤ! بچاؤ! مجھے اس نیچ کے پنجے سے، او او ناتھ! او (کچھ دور جا کر راون، سیتا کو رتھ میں بٹھا کر اپنی راہ پکڑتا ہے سیتا برابر مدد کیلئے چلائے جا رہی ہے۔)

جنگل

(رام مرگ چرم لئے پنچ وٹی کو جا رہے ہیں کچھ دور سے لکشمن کو تیز تیز قدم اٹھائے آتا دیکھ کر کہتے ہیں)

رام۔ لکشمن! یہ کیا؟ ــ تم کہاں؟

لکشمن۔ آپ ہی نے تو مدد کے لئے پکارا تھا، اگرچہ یہ راکھشی مایا کھیل معلوم ہوتا تھا پر مجھے مجبور ہو کر آنا پڑا، جانکی کی کشش

اور آروپ نے میرے صبر کے پاؤں لڑکھڑا دیئے۔

رام ۔ وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا، مرگ کے شکار میں ہم خود شکار ہو گئے۔ میری مرگ گامنی کسی راکھشس کی نظر بد کا شکار ہو گئی ۔۔۔ جانکی نہ رہی تو میری جان کی خیر نہیں۔

لکشمن ۔ تات ! دھیریہ !! ہمیں جلدی پنچ وٹی کو چلنا چاہیئے۔ جانکی انتظار کر رہی ہوگی۔

رام ۔ جانکی اب کہاں ! میرے قدم بھاری ہو رہے ہیں۔ ۔۔۔ آہ ! جو ان قدموں سے لگی رہتی تھی اب تک وہ کسی راکھشس کا نوالہ بن چکی ہوگی۔ (بصد حسرت روانہ ہوتے ہیں)

نوٹ :۔ تلسی رامائن ہی میں نہیں، بالمیکی رامائن میں بھی یہی آتا ہے۔ کہ رام مرگ چرم لئے پنچ وٹی کو لوٹے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ماریچ نے مرگ کی کھال اوڑھ رکھی ہوگی جو اس کے گھات پر الگ ہو کر گر پڑی ورنہ مرگ کو کاٹ کر کھال اتارنے میں بہت وقت خرچ ہوتا۔ اتنی دیر تک رکنا رام کے لئے درست نہ تھا۔

پنچ وٹی (سین)

(کٹیا کے سامنے سا ستھری، کشا، ڈنڈ، اور دوسری چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ رام اور لکشمن اس دشا کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں)

رام (کٹیا کو خالی دیکھ کر) خالی ! ۔۔۔ میرے بھگوان !

(رام کو یارائے ضبط نہیں رہتا ادھیر ہو کر کٹیا کے گرد، پھلواڑی، ندی کے تٹ پر بھاگا بھاگی کرنے لگتے ہیں۔ لکشمن بھی پیچھے پیچھے بھاگا پھرتا ہے۔) کھا گئے اسے (آواز دیتے ہیں) سیتا ! (وقفہ) لے گئے اٹھا کر اسے۔ (وقفہ) سیتا آجاؤ، یہ مذاق اچھا نہیں ! (وقفہ) کہاں چھپی ہو سیتا ! (وقفہ) دیکھو ! میں سنہری چرم لے کر آیا ہوں دیکھو ! کتنا خوبصورت ہے ! (وقفہ) کوئی جواب نہیں، (وقفہ) بولو سیتا ! بولو ! کہاں چھپی ہو ؟ (وقفہ) نہیں بولتی، گھونٹ دیا۔ اس کا گلا کسی نے ۔۔۔ پی گئے۔ اس کا رکت ہوگی ۔۔۔ ہا ! کیا جانے کس بے دردی سے اس کا خون بہایا ہوگا (ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں) لکشمن میرا جینا اب بے کار ہے

لکشمن ۔ (رام کو اٹھاتے ہوئے) تات ! کچھ وچار سے کام لو، چلیئے کھوج کریں، ہمیں کہیں کسی گپھا میں بیٹھی آپ کی پریکشا لے رہی ہوگی۔

رام ۔ لکھن ! کوئی آشا نہ رکھو ۔ ختم ہوا کھیل ۔۔۔ ایودھیا کو کیا منہ لے کر جاؤں گا ! کیا کہوں گا ! کہ اس کی رکھشا نہیں کر سکا راکھشسوں سے نہ بچا سکا ۔ کر گئے ظالم اس کو چٹ ۔

لکشمن ۔ حوصلہ نہ ہارو تات ! ۔۔۔ اس ہرلاپ سے لابھ ؟ اٹھیئے تلاش کی جائے۔ (لکشمن رام کو ڈھارس دیکر اٹھاتے ہیں۔ اور دونوں کھوج کے لئے چل دیتے ہیں۔)

جنگل

(راون سیتا کو لئے جا رہا ہے کہ سیتا کے بین سن کر جٹایو نے اُسے للکارا۔ دونوں نے بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی) جٹایو نے اپنے فولادی پنجوں اور تیکھے فولادی چونچ سے اُسے گھائل کر دیا۔ مگر آپ بھی بُری طرح گھائل ہوا۔ آخر راون کے ایک وار سے ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ زخموں سے لاچار کراہ رہا ہے کہ رام لکشمن داخل ہوتے ہیں)

رام۔ یہ کیا؟ — یہ لہو کے دھبے! — بس چل گیا پتہ بھید یہی کا۔

لکشمن۔ آتا، لالہ ہو جیئے تات! ساری بھومی خون سے لال ہو رہی ہے۔ یہاں تو بھاری رن پڑا معلوم ہوتا ہے۔

رام۔ سنو! کوئی کراہ رہا ہے۔ — سامنے دیکھو! کوئی خون میں لت پت پڑا ہے۔

لکشمن۔ مجھے تو جٹایو بھگت معلوم ہوتے ہیں۔

رام۔ (جٹایو کے نزدیک جا کر) دادا! یہ کس نے صورت بگاڑ دی ہے؟

جٹایو (آواز پہچان کر) رام ہیں کیا؟　　رام۔ جی دادا

جٹایو۔ (نزدیک آنے کا اشارہ کر کے) میرے پران نکلے جا رہے ہیں۔ تم جلدی جا کر جانکی کی سدھ لو، اُس کو راون ہر کر لئے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے روکا ٹوکا لڑا۔ بھڑا۔ مگر جانکی کو نہ چھڑا سکا۔ وہ دکن کی اور گیا ہے۔ آپ متنگ آشرم میں جائیے۔

رام۔ لکشمن! چل (لکشمن کچھ کہنا ہی چاہتا تھا ہے کہ جٹایو پران دے دیتا ہے) ہا! کتنا بدنصیب ہوں میں، اس بن میں یہ ایک خیر خواہ تھے۔ وہ بھی میرے لئے بلیدان ہو گئے۔

لکشمن "تات! دادا کا داہ سنسکار کر کے ہمیں جلدی متنگ آشرم میں چلنا چاہیئے"۔　　رام۔ کون متنگ آشرم؟

لکشمن۔ جٹایو دادا ہی نے تو کہا ہے کہ آپ متنگ آشرم میں جائیے۔　　رام۔ میں نے نہیں سنا۔

متنگ آشرم (سین)

(ایک کٹیا کے سامنے ایک سن رسیدہ استری بیٹھی ہے۔ یہ شبری ہے پاس سرکنڈے اور چٹائیاں پڑی ہیں۔ شبری درختوں کے ریشوں کو بل دے دے کر رسیاں بٹ رہی ہے پرے کوئی الھڑ بھیل لڑکی گیت گاتی ہوئی آ رہی ہے کٹیا کے پاس پہنچ کر ٹوکری کو شبری کے پاس رکھ دیتی ہے۔)

شبری۔ کس سے سیکھا ہے یہ گیت؟　لڑکی۔ اُسی بڈھے سے جو یہاں آیا کرتے ہیں۔　شبری۔ بڈھا نہ کہو، مہاتما کہو۔

لڑکی۔ اچھا دادی اماں! — بھلا شبری دادی! تم اپنا کام کس لئے کرتی ہو! منہ اندھیرے اُٹھ کر متنگ کنڈ کو جانیوالی پگ ڈنڈی کو جھاڑو لگاتی ہو، پھلواڑی کو سینچتی ہو — اب رسیاں بٹ رہی ہو، دن بھر چٹائیاں بناؤ گی — یہ چٹائیاں بڑے کھوسٹ بڈھوں کو دیدو گی۔ ان ننگے بیاروں کو جو گپھاؤں میں رہتے ہیں، وہ تمہیں کچھ نہیں دیتے اُلٹا تم سے گھرنا کرتے ہیں تمھاری چھایا سے بھی دور رہتے ہیں۔

شبری۔ (شبری سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ بے کلی سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے) یہ بالی عمریا اور یہ احساس — ناخوش گوار احساس جس نے

اس کے دُودھ جیسے پوتر من کو تلخ دیا ہے۔ — میرے رام! — (لڑکی سے) مجھ سے کوئی گھرنا نہیں کرتا باؤلی!
— اس وہم سے تم دُور رہو اور لینے دینے یا سودے بازی کے خیال کو دماغ سے دُور رکھو — بے غرض سیوا میرا
دھرم ہے۔ غرض کی سیوا میں کیا مزہ؟ (بیٹھے ہو) اچھا بھلا تم کیا لائی ہو؟
(ٹوکری سے شبری پھل نکال کر الگ رکھتی ہے نیچے بیر ہیں ان کو ایک پتّل پر ڈال کر چکھتی ہے۔ میٹھے میٹھے الگ رکھتی جاتی ہے کہ رام لکشمن آتے ہیں)
رام۔ یہ متنگ آشرم ہے کیا؟ لڑکی۔ جی بابا۔ "
اہو بھاگیہ! شبری کب سے آپکی راہ تاک رہی ہے۔ (ہرش سے ناچ اُٹھتی ہے اور کہتی ہے پوری ہوئی میری کامنا" گاتے
چلے جاتی ہے پھر جلدی سے سنبھل کر آسن دیتی ہے اور ایک پتّل میں اندر سے بیر لا کر سامنے رکھتی ہے) گرہن کیجئے پربھو!
رام۔ (ایک دو بیر کھانے کے بعد) بہت سوادشٹ ہیں! شبری۔ میں نے چکھ چکھ کر میٹھے میٹھے رکھے ہیں پربھو!
رام۔ اتھتی سیوا کے لئے! شبری۔ اور پربھو کے بھوگ کے لئے۔
رام۔ متنگ رشی نے سماج کی اٹھائی ہوئی اونچ نیچ کی دیوار کو ہموار کر کے تمہارا ہی اُدھار نہیں کیا مانوتا پر بھی
اُپکار کیا ہے۔ — منش تپسیا سے رشی مُنی بن سکتا ہے مگر بے لاگ سیوا سے بھگوان کو پا لیتا ہے، دھنیہ ہو تم۔
لکشمن ہمیں جلدی ہے شبری! تمہارے آدرستکار کے ہم آبھاری ہیں اگر پتہ دے سکو تو ہم کچھ پوچھیں؟ شبری۔ کہئے۔
رام۔ ہماری استری کو راون ہر لے گیا ہے۔ تمہیں کچھ خبر ہو تو بتاؤ۔
شبری۔ آکاش مارگ سے یہاں سے کوئی گذرا ضرور ہے وہ راون ہی ہوگا۔ آپ پمپا سر جائیے وہاں رشی موک پربت پر سگریو
سے ملیے اُسے جانکاری ہوگی۔ " لکشمن: تات! اب ہمیں چلنا چاہئے۔

جنگل

رام۔ پمپا کی حد شروع ہو گئی۔ اس بن کی شوبھا کو دیکھ کر میرے من کے سرور میں اُتساہ کے پھول کھل اُٹھے ہیں۔
پتہ لگا کر اب سگریو سے ملنا چاہئے۔
لکشمن۔ تات! ہم ضرور کامیاب ہوں گے دیکھئے۔ سامنے سے کوئی برہمن دیوتا آ رہے ہیں۔ کتنا اچھا شگون ہے؟
ہنومان۔ (برہمن کے بھیس میں) آپ کون ہیں؟ — بھیس تپسیوں کا سا مگر روپ کھشاتر دھرمیوں کا — بن گھنا،
راہیں کٹھن — کیا راہ سے بھٹک گئے ہیں آپ؟ — دھول نے آپ کے مکھڑے کی کانتی کو ہر لیا ہے۔
رام۔ دھول نے نہیں، راون نے " ہنومان۔ راون نے؟ کیا مطلب!
رام۔ پنچ وٹی سے راون ہماری استری کو ہر لے گیا ہے۔ اسی کی تلاش میں ہم پاؤں توڑ رہے ہیں۔
لکشمن۔ آپ مہاراجہ دسرتھ نندن شری رام ہیں میں آپ کا چھوٹا بھائی لکشمن ہوں۔ اگر آپ سگریو کا پتہ جانتے ہوں تو بتائیے
ہنومان۔ سگریو سے آپ کا کام؟
لکشمن۔ راون اسی دشا سے گذرا ہے۔ شاید سگریو سے کچھ پتہ چلے۔ (ایک آہ بھر کر) غریب تپسوی دُکھیارے کا
کون مدد کرتا ہے۔ برہمن ہو یا نر ہو، دم کون کسی کا بھرتا ہے۔

ہنومان۔ نشچے ہی براہمن نہیں، بانر ہوں۔ سگریو کا منتری، پون سُت ہنومان نام۔ آپ راج نیتک بھیدوں سے خوب واقف ہیں۔ جس روگ سے آپ بیمار ہیں اسی سے سگریو بھی لاچار ہے، اس کے بڑے بھائی کسکندھا تریش بالی نے نہ صرف اس کا راج بھاگ ہی دبا لیا ہے۔ بلکہ اس کی استری روما کو بھی چھین لیا ہے چلئے آپ کو رشی موک پربت پر لے چلوں وہاں ہی سگریو ملیں گے۔

رشی موک پربت (سین)

(رام اور لکشمن کو کاندھوں پر اُٹھائے جب ہنومان پہاڑ کے دامن میں پہنچا ہے تو ان کو نیچے اُتار دیتا ہے۔)

ہنومان۔ بھگون! آپ یہاں ذرا رکئے، میں بانر راج کو خبر کرکے ابھی آیا۔ (ہنومان جاتا ہے)

رام۔ سگریو ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھا ہے، کیوں؟ لکشمن۔ بڑے بھائی کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہوگا۔

رام۔ استری کے ویوگ سے ویاکل رہتا ہوگا، دل ٹھکانے لگے تو بہت بگڑے۔

لکشمن۔ ہنومان آرہا ہے، چلئے چل کر سگریو کا ہاتھ پکڑیئے۔ ہنومان۔ (سگریو کو سب حالات سے باخبر کرکے آتا ہے) چلئے پربھو!

(رام اور لکشمن کو پھر کاندھوں پر اُٹھا کر پہاڑی راستہ پر چل دیتا ہے؛ شرام استھان کے نزدیک پہنچکر دونوں بھائی نیچے اتر کر پیدل چلنا شروع کردیتے ہیں سگریو آگے بڑھکر رام کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر کہتا ہے)

سگریو۔ ناتھ! میرا ہاتھ پکڑیئے اور دُکھ کے ساگر سے پار کیجئے۔

ہنومان۔ پربھو! آج سے آپ دونوں متر ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھیئے اقرار کیجیئے کہ دونوں ایک دوسرے کے کشٹ نوارن کرنے کے لئے جی جان کی بازی لگا دیں گے۔

رام۔ کپی راج! متر تا میں لینے دینے پر وچار نہیں کیا جاتا۔ ہم متر کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھتے ہیں۔

سگریو۔ میرا اور آپ کا سمبندھ پران اور تن کا رہے گا۔ جو جیون جانے پر جائے گا۔ آپ بے چنت ہو جئے ماتا کی سُدھ جلدی مل جائیگی۔ (ہنومان سے) پون سُت! اندر سے لانا وہ زیور جو کسی ابلا نے آکاش مارگ سے نیچے گرائے تھے۔

(ہنومان زیور لاکر سگریو کو اور سگریو رام کے ہاتھوں میں دیتا ہے) وہ راون ہی ہوگا جو ومان سے دکھشن کی اور جا رہا تھا۔

باقی پھر

اوم　　اوم

پرو پکار اور ستیہ کا پھل

(کہانی)

(لیکھک منشی رام سرنداس آریہ لاجپت نگر نیو دہلی)

ڈو ہبریو کو اس کے پتا نے کہا اب تم نے وِدّیا پوری کر لی بدھیمان اب دولت کماؤ مجھے تمہاری یوگتا پر پُورن وشواش ہے۔ جاؤ پھلو پھُولو اور سنسار میں لیش کے بھاگی بنو۔ ڈو ہبریو مال سے بھرا جہاز سمندر میں لے کر کسی دیش کو جا رہا تھا راستہ میں ایک اور جہاز ملا جس میں سے لوگوں کے رونے اور چلّانے کی آوازیں سُنائی دیں۔ اس پر ڈو ہبریو نے جہاز کے کپتان سے رابطہ قائم کیا اور پھر دریافت کیا۔ کہ یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا یہ بھوکے ہیں یا بیمار۔ اس جہاز کے کپتان نے جواب دیا کہ یہ تمام قیدی اور غلام ہیں۔ اور ہم انہیں فروخت کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ ڈو ہبریو بولا ٹھہرو شاید ہم ہی سودا کر لیں۔ ترک جہاز کا کپتان مال سے بھرا جہاز دیکھ کر جھٹ تیار ہو گیا۔ اور جہاز کا مال سمیت اپنے جہاز سے تبدیل کر لیا۔ ڈو ہبریو نے تمام قیدی اپنے اپنے گھر پہنچا دیئے۔ مگر ایک سُندر لڑکی اور بڑھیا کے گھر کا پتہ نہ چل سکا۔ انہوں نے کہا ہمارا گھر بہت دُور ہے ہمیں کہیں یا چھوڑ دو۔ ہم روٹی کما کھائینگی۔ یہ دیکھ کر ڈو ہبریو نے لڑکی سے کہا کہ تو میرے ساتھ شادی کر لے میں تیرے لئے سب کچھ کرونگا۔ اس پر لڑکی نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جہاز واپس گھر پہنچا۔ تو ڈو ہبریو نے اپنے پتا کو تمام سرگزشت سُنائی۔ اور بتایا کہ اُس نے دولت کا کسقدر بہترین استعمال کیا ہے۔ کتنے دُکھی لوگوں کی آتما کو شانتی اور سُکھ دیا ہے۔ اور کس قدر سُندر دُلہن بیاہ لایا ہوں۔ جو کتنے ہی جہازوں کی قیمت کے برابر ہے۔ یہ سُنکر پتا بہت ناراض ہُوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے بیٹے کو سمجھا بجھا کر ایک اور جہاز مال سے بھر کر اُس کے سپرد کیا اور ہدائت کی کہ اب سے ٹھیک بیوپار کرنا۔ ڈو ہبریو جہاز لیکر سمندر کے راستے کسی اور بندرگاہ پر پہنچا اور دیکھا کہ پولیس لوگوں کو پکڑ کر جیل لے جا رہی ہے کیونکہ انہوں نے سرکار کو ٹیکس ادا نہیں کیا تھا۔"

ڈو ہبریو نے فی الفور اپنے جہاز کا تمام مال بیچ کر ان لوگوں کا ٹیکس ادا کر دیا۔ اور انہیں پولیس سے نجات دلا دی۔ جب خالی جہاز لے کر ڈو ہبریو چلنے لگا۔ تو بندرگاہ پر ایک خفیہ پولیس آفیسر سادہ وردی میں دیکھ کر بولا یہ انگوٹھی جو تم نے پہن رکھی ہے تمہیں کہاں سے ملی ہے۔ ڈو ہبریو نے سارا حال کہہ سُنایا اور بتایا کہ یہ میری بیوی نے مجھے دی ہے۔ اس پر وہ آفیسر بولا کہ یہ انگوٹھی زار روس کی لڑکی کی ہے۔ اور یہ لڑکی گُم ہے چنانچہ وہ آفیسر ڈو ہبریو کو زار روس کے پاس لے گیا۔ ڈو ہبریو کے وچار بھاونا اور پروپکار کے جذبہ سے بے حد متاثر ہُوا۔ اور خوش ہو کر اُسے پیشکش کی کہ وہ یہاں رہے۔ اُسے اُدھا راج دے دیا جائیگا۔ اس کے بعد منتری اور ڈو ہبریو کو اپنی لڑکی اور ڈو ہبریو کے ماتا پتا کو لانے کے لئے بھیجا۔

چنانچہ ڈو ہبریو گھر پہنچا اور پھر پریوار سمیت واپس روانہ ہوا۔ راستہ میں زار کے منتری و جہاز کے کپتان نے سوچا کہ یہ شخص آدھا راج پاٹ لے جاویگا۔ وہ مارے حسد کے جل اُٹھے انہوں نے سازش کر کے ڈو ہبریو کو سمندر میں پھینک دیا

اور لڑکی و دوبریو کے والدین کو زار روس کے پاس لے گئے۔ ادھر دوبریو نے بڑی کوشش کی کہ زندہ رہے۔ بڑے ہاتھ پیر مارے۔ چنانچہ قدرت نے مدد کی اور وہ ایک چٹان پر جا پہنچا اور دو روز تک وہاں بھوکا پیاسا بیٹھا رہا۔ اس نے بھگوان سے پرارتھنا کی کہ اے بھگوان اب تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں۔ صرف تو ہی پار لے جا سکتا ہے بھگوان پر درڑھ وشواس ہو تو پھر ناممکن، ممکن بن جاتا ہے۔ چنانچہ دوبریو کی ارادھنا اور پرارتھنا منظور ہو گئی! اور بھگوان کی کرپا سے ایک بوڑھا ماہی گیر وہاں سے گذرا۔ دوبریو نے اُسے اپنا سارا حال کہہ سنایا اور بتایا کہ میں زار روس کا داماد ہوں اور مجھے آدھا راج ملنے والا ہے۔ مجھے کنارے لگا دو۔ بوڑھا ماہی گیر بولا۔ جو ملے گا آدھا تیرا اور آدھا میرا یہ شرط منظور ہے۔ دوبریو نے یہ شرط منظور کر کے کنارے گیا۔ اور زار روس کے پاس پہنچا۔ اس نے وہاں بتایا کہ کس طرح منتری اور جہاز کے کپتان نے سازش کر کے اُسے سمندر میں پھینک دیا۔ اور کس طرح اُس نے اپنی جان بچائی۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ منتری تھا کپتان کو معاف کر دیا جائے۔ انہیں سزا نہ دی جائے۔ دوبریو کی اس اُودارتا اور دیالتا سے زار روس اسقدر پربھاوت ہوا کہ اس نے آدھے کی بجائے سارا راج دوبریو کو سونپ دیا۔ اس کے بعد رسم تاج پوشی کا علان کر دیا گیا۔ جس روز دوبریو کے سر پر راج مکٹ رکھا گیا تو رسم کے دوران میں وہ بوڑھا ماہی گیر جس نے دوبریو کی مشروط طور پر جان بچائی تھی راج دربار میں آن پہنچا۔ اور مطالبہ کرنے لگا۔ کہ آدھا راج مجھے دیا جائے۔ اور شرط پوری کی جائے۔ اس موقعہ پر دوبریو چاہتا تو بوڑھے ماہی گیر کو تقریب سے باہر نکلوا دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ بوڑھے کا سواگت کیا اسکی خاطر تواضع کی اور اس سے کہا کہ یہ نقشہ ہے۔ یہ حدود تیری اور یہ میری اب آدھا دھن اور سمپتی بھی بانٹ لو تاکہ میرا وعدہ جو آپ سے کیا تھا پورا ہو۔ دوبریو کا یہ حسن سلوک خلوص اور اُس کی اُودارتا دیکھکر بوڑھے ماہی گیر کے سفید بال سنہرے ہو گئے اور وہ پکار اُٹھا۔ دوبریو جو بشر دیالو ہے جو پروپکاری اور سنیم وادی ہے اور جو اپنے وعدہ کا پکا اور قول کا دھنی ہے۔ اس پر بھگوان دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ہی حکومت کرنے کے قابل ہے ایسے ہی شخص کو راجہ بننے کا ادھیکار ہے۔ یہ کہہ کر بوڑھا ماہی گیر بولا یہ سارا ہی راج تمہارا ہے۔ پھر آشیرواد دیکر چلا گیا۔ دوبریو نے اس واکیہ کو " جو دیالو ہے بھگوان اس پر دیا کرتے ہیں" سامنے رکھکر حکومت کی اور پرجا راجہ سب سکھ اور چین سے رہے۔ ہر طرح امن کا دور دورہ رہا۔ گوسائیں تلسی داس جی نے کہا ہے۔ سہ

دیا دھرم کا مول ہے پاپ مول ابھیمان - تلسی دیا نہ چھوڑیئے جب لگ گھٹ میں پران

اوم شم

گادھی منی کی کتھا

(سپنے کی مایا)

(لیکھک شری دینا ناتھ کپور)

سنت مہاتماؤں نے سنسار کی رچنا کو سپنے کی طرح بتلایا ہے۔ یہ بات بھی بالکل یتارتھ اور ٹھیک ہے ہم سنسار میں جو کچھ دیکھتے انوبھو کرتے اور بھوگ بھوگتے ہیں۔ اگر ٹھیک درشٹی سے دیکھا جاوے تو یہ سب متھیا اور کلپنا ہے۔ یہاں کے سکھ دکھ ہرش شوک مان اپمان اور البشوریہ۔ نردھنتا آدی سب بھرم ماتر ہیں۔ اگر یہ ست ہوتے تو ایک حالت پر قائم رہتے۔ جیون کا انوبھو ہی اس بات کا پرمان ہے۔ کہ اِن سب حالتوں کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔ لیکن منش اگیان وش مُوہی میں دائمی سکھ سمجھتا ہے۔ جیسے راجہ سپنے کی حالت میں بھکاری بنا ہوتا دیکھتا ہے۔ اور ایک بھکاری سپنے میں اپنے کو سورگ کا راجہ اندر۔ . . . کو دیکھتا ہے۔ لیکن جاگنے پر تو وہ تو اپنی اصلی حالت میں ہوتے ہیں۔ کسی کو اس سپنے کا فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا۔ اسی طرح جگ کے پرپنچ کا حال بھی سمجھنا چاہیئے۔ یعنی سنسار میں کبھی دکھ کبھی سکھ۔ کبھی البشوریہ کبھی نردھنتا۔ کبھی مان کبھی اپمان وغیرہ کی حالتیں رہتی ہیں۔ یہ بھی سپنے کی رچنا کی طرح انتیہ اور متھیا ہی جاننی چاہئیں۔ جگت کے دکھ سکھ اور بھوگ بلاس سپنے کی رچنا کی طرح انتیہ اور کلپنا ماتر ہیں۔ اور اس کا یتھارتھ انوبھو گادھی نام کے ایک پراچین منی کو جس پرکار ہوا تھا اس کا ورنن یوگ وششٹھ میں اس پرکار ہے۔

گادھی نام کے ایک پرسدھ منی تپوبن میں رہتے تھے۔ بال اوستھا میں ہی انہیں پورن گورو کے ست سنگ کی پراپتی ہو گئی تھی۔ جس سے اُن کے من میں ویراگیہ اُتپن ہو گیا تھا۔ اور گھر پریوار کا تیاگ کر کے تپوبن میں رہنے لگے تھے۔ اُن کا سمے گورو اُپدیش کو یاد رکھتے ہوئے بھجن ابھیاس میں سکھ سے بیت رہا تھا۔ کچھ سمے کے بعد ایک بار اُن کو گورو کے درشن ہوئے۔ گادھی منی نے اُن کو پرنام کیا۔ اور آدر ستکار کر کے اُن کے شری چرنوں میں ڈنڈوت پرنام کیا۔ گورو جی نے گادھی سے پوچھا۔ تمہاری کوئی اچھا ہو تو کہو۔ گادھی نے نمرتا پوروک اُتر دیا۔ اور تو کوئی ابھلاشا نہیں۔ پرنتو ایک اچھا ہے۔ کہ آپکی رچائی ہوئی مایا نے سب سنسار کو بھرم میں ڈال رکھا ہے۔ یہ کیسی ہے اسکا روپ دیکھنا۔ اور اسے جاننا چاہتا ہوں۔ گورو جی بولے۔ بہت اچھا تمہیں مایا کا سروپ دیکھنے کو ملے گا۔ اس کے دیکھ لینے کے بعد تم ہردے سے اسکا تیاگ کر سکو گے۔" گادھی منی بولے کب اور کس طرح یہ سروپ . . . . . . مجھے دیکھنے کو ملے گا۔ مجھے دیکھنے کی بڑی خواہش ہے گورو جی بولے۔ بہت جلد ہی تم مایا کو دیکھو گے اور اُس کا تمہیں انوبھو ہو گا۔ دھیرج رکھو۔ یہ سن کر گورو دیو تو وہاں سے انتر دھیان ہو گئے۔ اُسکے بعد گادھی منی بہت سمے تک سمرن دھیان میں مگن ہو گئے۔ ایک دن گادھی منی وہاں سے ندی میں اشنان کرنے گئے۔ وہاں وہ ہاتھ میں جل لیکر کسی منتر کا جپ کر رہے تھے اُنہوں نے منتر پڑھتے ہوئے جل میں ڈبکی لگائی اور آدھی گھڑی

تک وہ جل میں رہے۔ ڈبکی لگاتے ہی اچانک اُنہیں منتر بھول گیا۔ اور اُن کے شریر سے چیتنا جاتی رہی۔ مایا کی رچنا۔ گادھی مُنی نے انوبھو کیا۔ کہ وہ اپنے اُسی گھر میں پہنچ گئے ہیں۔ جہاں اُن کا جنم ہوا تھا۔ اور وہاں اُنکا شریر چھوٹ گیا ہے۔ اُن کے سب سمبندھی سب رو رہے ہیں۔ اپنے آپ کو انہوں نے سوکھشم شریر میں انوبھو کیا۔ اور اُسی سوکھشم شریر سے وہ دیکھنے لگے۔ کہ اُنکے شریر کو چتا میں رکھ کر جلا دیا گیا ہے۔ اُسکے بعد اُنہوں نے دیکھا کہ اُنکا سوکھشم شریر کچھ سمے تک اسی طرح وایو منڈل میں گھومتا رہا۔ پھر بھوت منڈل نام کے دیش میں ایک چنڈالوں کی بستی میں رہنے والی کسی چنڈال استری کے گربھ میں اپنے کو پرویش کرتے ہوئے پایا۔ اور چنڈال کے گھر اُن کا جنم ہوا۔ گھر والوں نے اُن کا نام کٹنج رکھا۔ جب بڑا ہوا تو ایک چنڈال لڑکی سے شادی کر دی گئی۔ اُسکے بال بچے ہوئے۔ اُس کے دیگر رشتہ دار سمبندھی بھی کافی تھے۔ کافی سمے تک وہ اس گاؤں میں کئی چنڈالوں کے کام کرتا رہا۔ ایک سمے دیش میں کال پڑا۔ سارے علاقے میں مہا ماری پڑ گئی۔ کٹنج کے پریوار کے سب لوگ اور اُسکی استری بچے وغیرہ مر گئے۔ کٹنج اکیلا رہ گیا۔ گاؤں بھی ویران ہو چکا تھا اِس لئے روزگار کی خاطر وہ گاؤں سے باہر نکل گیا۔ اور کافی دنوں تک پھرتے پھرتے اُتر دشا میں کبیر دیش کی طرف جا نکلا۔ اُنہی دنوں کبیر دیش کے راجہ کا سورگ واس ہو گیا تھا۔ اس دیش کے راجاؤں کا دستور تھا۔ کہ وہ مرنے پر اپنا کسی کو وارث مقرر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ راجہ کے مرنے کے بعد منتری لوگ ایک سدھایا ہوا ہاتھی راجدھانی میں چھوڑ دیتے تھے وہ ہاتھی جس آدمی کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا لے۔ اُسے ہی راجہ بنا دیا جاتا تھا۔ کٹنج بھی گھومتا ہوا اُس راجدھانی شری متی پوری میں جا پہنچا۔ اُسے راجہ کے مرنے کا اور رواج کا پتہ نہیں تھا۔ اتفاق سے کٹنج اُسی دن وہاں جا نکلا۔ یہی وہ دن تھا جس دن راجہ کا چناؤ ہاتھی نے کرنا تھا۔ نگری کو بڑی اچھی طرح سجایا گیا تھا۔ ہاتھی شہر میں گھوم رہا تھا اُس کے پیچھے منتری اور راجیہ کرمچاری بھی ساتھ تھے۔ نگر واسی بڑے چاؤ سے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کہ ہاتھی کسے اُٹھاتا ہے۔ اور راجہ بننے کا سوبھاگ کسکو پراپت ہوتا ہے۔ تب ہی یکا یک کٹنج کے نزدیک ہاتھی آیا۔ اور اُس کو اپنی سونڈ سے اُٹھا کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ ہر طرف سے شور مچ گیا۔ منتری اور راجیہ کرمچاریوں نے بڑی خوشی کے ساتھ کٹنج کو راج محل میں بڑے آدر مان سے لے گئے۔ اب کٹنج نے اپنا نام اور اپنی جاتی چھپائی۔ اُس نے اپنا نام راج محل میں گادلی نبلایا۔ اور اپنی جاتی بھی کچھ اور ہی بتا دی۔ اب وہ وہاں پر راج کرنے لگا۔ شری متی پوری بڑی خوشحال نگری تھی۔ لوگ بڑے دھنوان تھے۔ ایشور یہ کی راجیہ میں کوئی کمی نہ تھی۔ وہاں راجیہ کرتے ہوئے بھوگ ولاس کیا۔ اس کی انیک رانیاں ہوئیں سیوا کرنے کے لئے راج سیوکوں کا جمگھٹ حاضر رہتا تھا۔ منتری گن اور کرمچاری اس کی خدمت خوشامد کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس طرح سُکھ بھوگتے راج کاج کرتے اُنہیں آٹھ برس شری متی پوری نگری میں ہو گئے۔ راجیہ میں ایک چنڈالوں کا اُتسو آیا۔ اُس اُتسو میں شامل ہونے کے لئے دور دور سے چنڈال اور اُن کے سردار وغیرہ بھی شامل ہوئے۔ اتفاق کی بات کہ جس گاؤں میں کٹنج پیدا ہوا تھا۔ وہاں کا چنڈال سردار بھی شامل ہونے کو آیا تھا۔ یہ سردار بوڑھا تھا۔ اور کٹنج کو اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ کٹنج کو اس نے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ اُدھر راجہ اپنے محل کے باہری چھجے پر کھڑا ہو کر رانیوں کے ساتھ یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اور منتری کرمچاری بھی ساتھ میں تھے۔ چنڈالوں کا جلوس ناچتے گاتے ہوئے محل کے نیچے سے گذر رہا تھا۔ کہ اچانک اس بوڑھے چنڈال کی نظر کٹنج پر پڑی کٹنج نے بھی اُسے دیکھا۔

کٹیج نے اُسے اشاروں سے چپ رہنے کو کہا۔ مگر سردار اُسے دیکھتے ہی بول پڑا۔ ارے بھائی کٹیج تم تو ہم لوگوں کو چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو۔ خیر بھگوان نے تمہیں یہ راج سمپدا دی ہے تو مبارک ہو۔ مگر ہم لوگوں کا بھی کچھ خیال رکھنا بھائی۔ راج منتری رانیاں پاس ہی موجود تھیں۔ اُن سب نے یہ بات سُن لی۔ سب نے کہا کہ یہ راجہ تو جنم کا چنڈال ہے۔ ہم تو رات دن اسکی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ اور یہ چنڈال نکلا یہ بڑا انرتھ ہو گیا۔ اب تو یہ خبر ساری نگری میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ کہ یہ راجہ تو چنڈال ہے۔ بھیس کیا تھا۔ رانیاں۔ اور راج منتری اور سیوک سبھی بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ جو اُسکی سیوا کرتے تھے وہ کوئی بھی اُسکے نزدیک آنے کو تیار نہ تھا۔ نگر کے ودوانوں اور برہمنوں نے ایک سبھا بُلائی۔ جس میں یہ وچار ہونے لگا کہ ہم نے جو اس چنڈال کے کھانا کھایا۔ اور اس کے ساتھ مل بیٹھتے تھے۔ اس سے ہم سب بھرشٹ ہو گئے ہیں۔ اس بھاری پاپ کا پرائسچت کس طرح کیا جاوے۔ سوچ وچار کر سب ودوانوں نے فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ آٹھ برس کھاتے پیتے رہنے سے یہ ہمارے شریر بھرشٹ ہو گئے ہیں۔ ان کو چتا میں جلا دیا جاوے۔ چنانچہ ایک بڑی چتا بنوائی گئی۔ اور اُسمیں سب راج منتری سب رانیاں راج سیوک کرمچاری راج دربار کے براہمن وغیرہ جل مرے۔ راجہ کٹیج نے یہ حال دیکھا تو اُسے خیال آیا۔ کہ یہ سب انرتھ میری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ اتنا وچار کر کے وہ بھی اُسی چتا میں کود پڑا۔ اور جل کر بھسم ہو گیا۔

پانی میں ڈبکی لگائے گادھی مُنی آدھ گھڑی کے اندر اندر اتنا سب درشیہ دیکھ گئے۔ اُدھر کٹیج چتا میں جل کر بھسم ہوا۔ اور ادھر گادھی مُنی کے شریر میں چیتنا لوٹ آئی۔ اُنہیں وہ اپنا بھولا ہوا منتر یاد آ گیا۔ اور پہلے کی طرح جپ کرتے ہوئے جل سے باہر نکلے۔ گادھی مُنی کو اس نظارے کو دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ سبب کیا ہے۔ آدھ گھڑی میں ہی میں نے اتنا سب کچھ دیکھ ڈالا۔ کئی سال تو چنڈال روپ میں رہا۔ آٹھ برس تک راجہ بھی کیا۔ یہ سب گھٹنا اُس کے من میں بار بار اُٹھتی رہی۔ جب اس واقعہ کو گذرے کافی دن ہو گئے۔ تو یہ بات بھولنے لگی۔ اور اس نظارے کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا۔ صرف یہ سوچ کر رہ گئے۔ کہ یہ میرے من کا بھرم ہی ہوگا۔

تب کچھ سمے بعد ایک روز ایک براہمن گادھی مُنی کے آشرم پر آئے۔ جن کو گادھی مُنی پہلے بھی جانتے تھے۔ یہ براہمن پریاگ تیرتھ سے لوٹ کر اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ رات گذارنے کیلئے مُنی جی کے پاس ٹھہرے۔ گادھی مُنی نے آدر ستکار کیا۔ پہلے کے جانے ہوئے آدمی کو فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔ پہلے جب گادھی مُنی نے انکو دیکھا تھا تو براہمن ہٹے کٹے تھے۔ لیکن اب بڑے دُبلے ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رہ گیا تھا۔ گادھی مُنی نے بھوجن کراتے سمے براہمن سے پوچھا۔ براہمن تم تو اب بڑے کمزور ہو گئے ہو کیا کارن ہے۔ اس پر براہمن بولے کیا بتاؤں متر میں شاستروں کا پرچار کرتے ہوئے سنجوگ سے شرمیتی پوری نام کی ایک بڑی نگری میں جا پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے میرا بڑا آدر ستکار کیا۔ میں ایک مہینہ وہاں رہا۔ وہاں کے لوگ بڑے دھنوان اور دھرماتما تھے۔ انہوں نے بہت دھن دیا۔ اور سب نے اُن کے گھروں میں کھانا کھایا۔ مگر بعد میں پتہ چلا کہ پہاڑی پر ایک چنڈال راجہ نے آٹھ برس تک راج کیا تھا۔ اور اُس کے دوارا کھائے ہوئے ان کی پرائسچت کرنے کے لئے رانیاں اور راج منتری وغیرہ سب لوگوں نے چتا بنا کر اُس میں بھسم ہو گئے۔ یہ سُنکر میرے کو بھی پرائسچت کرنا پڑا۔ کیوں کہ ملین اَن کھانے سے بُدھی بھرشٹ ہو جاتی ہے۔ اس کا پرائسچت کرنے کے لئے پریاگ راج میں چلا گیا وہاں میں نے تین مہینے تک چندرائن برت کئے اب وہ برت پورا کر کے لوٹ رہا ہوں۔ اسی کارن میرا شریر دُبلا ہو گیا ہے

براہمن کی یہ بات سُن کر گادھی منی کو اور اشچریہ ہُوا۔ اُنہیں وہ سب باتیں یاد آ گئیں۔ جو اُنہوں نے جل میں ڈبکی لگاتے سمے دیکھی تھیں اُنہوں نے براہمن سے پُوچھا۔ براہمن کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ براہمن بولے واستو میں بات ایسی ہی ہے۔

اب گادھی منی نے براہمن کے چلے جانے کے بعد سچائی کی کھوج کرنے کے لئے نشچے کر لیا۔ وہ اُتر دشا کو چل پڑے لمبے سفر کے بعد وہ اُس دیش میں چلے گئے جو بھوت منڈل کہلاتا تھا۔ وہاں سے پوچھتے پوچھتے اُن کو اس گاؤں کا پتہ چل گیا۔ جہاں پر اُن کا جنم چنڈال گھر میں ہوا تھا۔ وہ سب گلی کوچے ویسے ہی جانے پہچانے معلوم ہوتے تھے۔ گاؤں میں اُس نے کٹنج چنڈال کے بارے میں پوچھا تو اس کے ماتا پتا رشتہ دار وہی نکلے جو انہوں نے پانی میں ڈبکی کے نظارے میں دیکھے تھے۔ اس سے گادھی منی کو پکا وشواس ہو گیا کہ یہ سب باتیں خود ہی اُن کے ساتھ بیتی ہیں۔ اب وہ اُدھر سے چلکر پردیش کا پتہ لگایا پوچھتے پوچھتے وہاں کے شہر مینی پوری نگری میں جا پہنچے۔ وہاں دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں پر واقعی ایک کٹنج نامی چنڈال نے آٹھ برس تک راج کیا تھا۔ اور یہ بھی بات سچ نکلی کہ وہاں کے راج منتری اور براہمن اور رانیاں سب پرشچت کرنے کے لئے زندہ چتا میں جل مرے تھے اور کٹنج چنڈال راجہ بھی چتا میں ہی کود کر چتا میں بھسم ہو گیا تھا۔

گادھی مُنی تو اب گہری چنتا میں ڈوب گئے۔ کہ آخر یہ سب کیا تماشہ تھا۔ جل میں ڈُبکی آدھ گھڑی تک ہی لگائی ہوئی کا برسوں کا پھل بن گیا۔ کچھ بھی سمجھ نہ آنے پر وہ واپس اپنے آشرم میں لوٹ آئے۔ وہاں آکر انہوں نے ساری مشکل کا حل یہی سوچا کہ شری گورو دیو جی ہی اس گتھی کو سُلجھا سکیں گے۔ یہ اُنہی سے ہی پوچھنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ وہاں سے چلکر گرو دیو کے آشرم میں پہنچے۔ اُنکے چرنوں میں ڈنڈوت پرنام کیا۔ نمرتا پوروک ساری کتھا بیان کی۔ اور بنتی کی کہ مہاراج آپ اس بھید کو کھولیں جو میرے ساتھ ہو چکا ہے۔

گورو دیو نے اپنی گمبھیر بانی میں اُتر دیا۔ سُنو گادھی جی۔ تمہارا پرشن تھا۔ کہ مایا کیا ہے۔ اور میں اُس کو دیکھنا چاہتا ہُوں سو جو تُم نے دیکھا یہ سب اس مایا کا ہی پرپنچ تھا۔ اس کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ جگت کی کُل رچنا یونہی کلپنا ماتر دکھ بھرم ہے تمہارے کچھ پُورب جنموں کے ایسے ملین سنسکار جمع پڑے تھے۔ جن کے کارن تُم کٹنج نام کے چنڈال رُوپ میں جنم لینا پڑا اور یہ سب کوتک جو تم نے دیکھا۔ یہ تمہارے ساتھ پیش آیا اور اُسکے لئے تمہارے کو کافی عرصہ اس جنم میں رہنا پڑا۔ بس تمہاری درڑھ بھگتی اور بھجن سمرن کے پرتاپ سے تمہارا یہ جنم یونہی کٹ گیا۔ جل میں ڈبکی لگانے وقت جیسا جیسا پھرنا تمہارے من میں اُٹھتا رہا ویسی ویسی رچنا ہوتی گئی۔ یہ سب پھُرنے تمہارے پُورب کے سنسکار تھے۔ وہ سنسکار اُبھر کر کبھی نہ کبھی اپنا اصل رُوپ دکھایا کرتے۔ اور اُن کا پھل تمہیں اُسی طرح کی دیہہ دھارن کر کے بھوگنا پڑتا۔ لیکن بھجن کمائی کے پرتاپ سے تمہارے وہ سنسکار کلپت رچنا میں بھُگت کر نشٹ ہو گئے۔ اب تم نشچنت رہو۔ اور اپنے بھجن سمرن میں لگے رہو۔ ہماری کرپا سے تمہیں مایا کا کوئی پرپنچ نہیں ستا سکے گا۔

گورو کا پوتر اُپدیش پا کر گادھی مُنی دھنیہ ہو گئے۔ اُن کے من میں مایا کے پرتی آگے ہی ویراگیہ تھا اب اور پکا ہو گیا اب اُنہیں سنسار کی وستو کا کوئی موہ نہ رہا۔ اور وہ درڑھ نشچے سے ایکاگر چت ہو کر اسی طرح سے تپ کرنے لگے۔ اور آخر کو مکتی پراپت کر گئے۔

اس کہانی کا مطلب صاف ظاہر کرتا ہے کہ منش کو اپنے پورب کرموں کا بھگتان ضروری کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر بھجن بندگی اور سنسار سے موہ کا تیاگ پربل ہو جاوے تو یہ چند گھڑی میں اچھے برے کرموں کا بھگتان ہو جاتا ہے۔ اس لئے منش کو بھگوان کے پرتی درڑھ وشواس اور بھگتی ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ اس جنم میں اگر پچھلے اچھے برے کرموں کی نورتی اس جنم میں کر سکتا ہے۔ سب وید پران اس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ یہ جنم بار بار نہیں ملتا۔ اس جنم کی نیک کمائی سے مکتی اور برے کرم کرنے سے طرح طرح کی کرموں انوسار یونیاں بھگتنی پڑتی ہیں :"

(شانتی شانتی شانتی)

اوم

قسط نمبر ۲

کیا ہندو قوم زندہ رہیگی؟

(مہاتما شو برت لال جی ورمن)

شودر — قومی جسم کے تین حصے ہو چکے۔ اب چوتھے کا حال سنو۔ شودر کوئی ذلیل اور بے عزت قوم نہیں ہے۔ یہ تمہارے قومی دھڑ کے پاؤں ہیں۔ یہ وہ مبارک ستون ہیں جن پر قوم کی بلند و عالیشان عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ کوئی شخص نہ ہاتھ کو پوجتا ہے۔ نہ سر کو پوجتا ہے۔ صرف جسم میں پاؤں ہی پوجے جاتے ہیں۔ پاؤں کو بہت بڑی عزت کا رتبہ حاصل ہے۔ غلط فہم ہندو! تم کیسے نادان بن گئے۔ براہمن کشتری اور ویش۔ جو شودروں کی بے عزتی کرتے ہیں۔ اُن کم بختوں سے کہو اپنی ٹانگ توڑ ڈالیں۔ اگر تم جسم رکھتے ہوئے ٹانگ کے محتاج ہو تو قومی جسم کے پاؤں جو شودر کہلاتے ہیں۔ کس طرح ذلیل سمجھے جانے کے قابل ہوئے۔ محض شودروں کے انادر کرنے سے تمہاری یہ دُرگتی ہو گئی۔ ہم کو مذہبی مباحثہ سے گریز ہے لیکن سُننے والوں کو ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جہاں ویدوں کے رشی۔ براہمن اور کشتری ہوئے ہیں۔ وہاں ویش آئن اور شودر آئن رشی بھی موجود ہیں۔ مغربی دنیا کے عالم ان کو ویدوں کے منتروں کے مصنف تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہم چونکہ بحیثیت سادھو۔ ویدوں کو کلام الہٰی سمجھتے ہیں۔ اُن کو صرف مفسر اور شارح کا خطاب دیتے ہیں۔

دوسرا پہلو

زندگی کے چار مدارج — سوال کے پہلے پہلو میں بتایا گیا۔ کہ براہمن کھشتری ویش اور شودر الگ الگ نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کے قومی جسم کے چار مختلف عضو ہیں۔ براہمن دماغ۔ کشتری ہاتھ۔ ویش معدہ۔ اور شودر ٹانگیں ہیں۔ یہ جسم کے چار حصے ہیں۔ براہمن میں پانچ طاقتیں ہیں۔ کھشتری میں تین۔ ویش میں دو۔ اور شودر میں ایک ہے۔ چاروں حصے جسم کیلئے ضروری ہیں۔ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔

ہندو قوم کا کانسٹی ٹیوشن CONSTITUTION دراصل قدرتی اصول پر مبنی ہے۔ اعمال اوصاف اور

دلی جذبات کا لحاظ کر کے ورن آشرم کی بُنیاد قائم کی گئی تھی۔ اسمیں کہیں بھی ناقص تمیز اور دلخراش نفرت کی گنجائش نہیں تھی۔ مگر زمانہ کے الٹ پھیر سے اگیان کے سلسلہ میں وہ کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورن بگڑ کر جاتی بن گئے۔ اور چھتیس قوموں کے جھگڑوں بکھیڑوں نے آج ہندوؤں میں لاکھوں شکلی فرقے پیدا کر دیئے۔ جو ایک دوسرے کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔

جب ورن بگڑ گئے تو لازمی بات تھی کہ اُنکی زندگی کے چار مدارج میں بھی فرق آجاتا۔ منوجی نے انسانی زندگی کو چار درجوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ برہمچریہ۔ گرہست۔ وان پرست۔ اور سنیاس۔ یہ تقسیم یوں ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد بھی قدرتی اصول پر ہے۔ جو لوگ اس پر غور کرینگے۔ اُن کو بآسانی پتہ لگ جائیگا۔ کہ دُنیا کی قوموں میں اور ہندوؤں میں کس بات کا فرق ہے زندگی کو چار حصّوں میں تقسیم کرنے کی منشا یہ ہے کہ اس کے کاروبار باقاعدہ جاری رہیں۔ سوسائٹی کے نظام میں فرق نہ آنے پائے۔ اور ہر فرد وبشر انسانی ہستی کے مقصد کو نگاہ کے سامنے رکھکر بتدریج مرحلوں کو طے کرتا جاوے۔ زندگی کا اصلی مقصد کیا ہے۔ اس وقت زیر بحث مضمون نہیں ہے۔ ہمارے سولہ درشن کاروں نے جن میں چھ خاص طور پر صحیح اور قابل تسلیم مانے گئے ہیں۔ سُکھ کی پراپتی اور دُکھ کی نورتی کو زندگی کا مقصد بتاتے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے چار راستے ہیں۔ کرم یوگ راج یوگ۔ بھگتی یوگ اور گیان یوگ۔ گو اِن کے طرز عمل میں اختلاف ہے۔ مگر سب منزل مقصود تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر قسم کے نیک کاروبار کا کرنا بشرطیکہ اسمیں میرا تیرا کا شمول نہ ہو۔ کرم یوگ ہے نفس کو ضبط کرنا۔ من کو قابو میں لانا۔ راج یوگ ہے۔ ست اور است کا نرنے کر کے اصلیت پر قائم ہونا گیان یوگ ہے۔ کوئی کرم نہیں ہوسکتا جبتک من کو قابو میں رکھکر ایشور کو زندگی کا معراج مان کر اور ہر پہلو سے سمجھ بوجھ کر کام نہ کیا جاوے۔ راج یوگ کی تکمیل کے لئے کرم (ریاضت) کرنا۔ ایشور کی بھگتی کرنا حق اور ناحق کی تمیز کرنا ضروری ہے۔ گیان یوگ والا بھی کسی نہ کسی پہلو میں نفس کشی اور حق پرستی کے لئے مجبور ہے اسلئے تم دیکھو کہ یہ چاروں راستے گو کہنے کے لئے جُدا ہیں مگر کس قدر باہم ملے جُلے ہیں۔ ان میں کرم سب میں مقدم سب میں ضروری ہے اور سب کی بنیاد ہے۔ اس سرشٹی کے کاروبار کی اصلیت ہی کرم پر منحصر ہے۔ کون ہے جو کرم نہیں کرتا۔ کرم کرنا سب کیلئے لازمی ہے۔ اس سے کسی کا بچاؤ نہیں ہے۔ دانا رشیوں نے اسکی تقسیم خاص طور پر کر دی ہے تاکہ سمجھنے بوجھنے میں فرق نہ آوے۔ اسمیں سے کرم یوگ خاص شودر کے لئے ہے۔ راج یوگ خالص کھشتری کے لئے ہے۔ بھگتی یوگ خالص ویش کے لئے ہے۔ اور گیان یوگ خالص برہمن کے لئے ہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ گیان والے برہمن کو کرم نہیں کرنا ہے۔ یا کرم والے شودر کو گیان نہیں ہونا چاہئے۔ جس میں جس چیز کی زیادتی ہے۔ اُسی کے لحاظ سے اس کا درجہ قائم کیا گیا ہے۔ ورنہ اُس تمیز کے طبقہ میں کس طرح کی خرابی واقع ہوتی۔"

جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اسی لحاظ سے زندگی کے بھی چار درجہ قائم کئے گئے ہیں۔ برہمچاری خالص کرم یوگی ہے۔ گرہستی خالص بھگتی یوگی ہے۔ وان پرستی راج یوگی ہے۔ سنیاسی خالص گیان یوگی ہے۔ مگر یہاں بھی چاروں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ کسی ایک کو دوسرے سے بالکل جُدا کر دینا سخت غلطی اور نادانی ہوگی۔ برہمچریہ کے زمانہ میں کرم کے ساتھ تپ۔ اُپاسنا و تمیز کی طاقت کو نشو و نما دینی مُراد ہوتی ہے۔ مگر اسمیں کرم کی زیادتی ہوتی ہے۔ صبح سے لیکر شام تک وہ برابر کام کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ اپنے لڑکوں کو آرام طلب بناتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ لڑکے کرم کے لئے زیادہ مخصوص

کئے گئے ہیں۔ غور کر کے دیکھو۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے سیوا اور ٹہل کا کام کتنا کرتے ہیں۔ بالغ آدمی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس قدر برہمچاری پڑھتا ہے۔ اسقدر بالغ یا بوڑھے آدمیوں سے ممکن نہیں ہے۔" اسی برہمچریہ کے زمانہ میں انسانیت قابلیت کی بنیاد قائم کی جاتی ہے۔ بچوں کو بیہودہ شغل اور اشغال میں پھنسا کر تباہ کر دو تو تمام قوم کی قوم تباہ ہو جائیگی۔

قدیم زمانہ میں سب سے زیادہ زور برہمچریہ پر دیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے بات جو ہندو بچوں کو ذہن نشین کرائی جاتی تھی "کوئی کسی سے بڑا نہیں۔ ہر شخص کو کام کرنا چاہئے۔ ہر قسم کا کام اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر بڑا ہے۔ اور انسانی زندگی اپنے لئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ سب کے لئے ہی وقف کر دینی چاہئے۔

جب بچے گورو کے پاس پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ خواہ وہ راجہ کے ہوں۔ یا پرجا کے۔ ان سب کو ایک قسم کی وضع اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اگر برہمن کا لڑکا بھیک مانگ کر گورو کے پاس لاتا تھا۔ تو راجہ کے لڑکے کو بھی یہی کام کرنا پڑتا تھا۔ اس سے صرف اتنی ہی مراد تھی کہ دونوں کی حیثیت ایک سی ہے۔ کرشن ہوں یا سداماں۔ کسی کو کسی پر فوقیت کا رتبہ حاصل نہیں تھا اس حیثیت میں ابتدائی زمانہ میں ہندو بچے ماں باپ سے علیحدہ رہ کر ودیا حاصل کرتے تھے۔ پربھات کے سمے اٹھنا نہا دھو کر سندھیا اور اُپاسنا کرنا۔ پھر سبق پڑھکر بھکشا لانا۔ گورو کی تقسیم کردہ غذا کو خوشی سے کھا کر تحصیل علم میں رات دن مصروف رہنا۔ یہ ہمارے لڑکوں کے لئے شاستروں کی ہدایت تھی۔ سنسکرت کے ایک شلوک کا ترجمہ ہے۔

काक चेष्ठा बको ध्यानं श्वान निद्रा तथैव च।

अल्पाहारी तजे नारी विद्यार्थी पंच लक्षणम् ॥

ارتھ:۔ بگلے کی طرح دھیان کرنے والا۔ کوّے کی طرح احتیاط رکھنے والا۔ کتے کی نیند سونے والا۔ استری کی صحبت سے متنفر۔ اور ریاضت کش۔ یہ چار طالب علموں کے لکشن ہیں۔"

ایسی عادات کے طالب علم قوم کے بنانے والے اور دنیا کے سدھار کرنے والے ہوا کرتے ہیں"۔ برہمچاری قوم کا دیوتا۔ تصور کیا جاتا ہے۔ گرہستی لوگ اس آشرم کو قائم رکھنے کی فکر میں رہا کرتے تھے؛ آج کس کو قوم میں علم و ہنر پھیلانے کا خیال ہے۔ ایک طرف نادان دولت مند اپنے بچوں کو عیش پرست اور آرام طلب بنا رہے ہیں۔ سچائی کے عوض ان میں ریاکاری آرہی ہے۔ نہ تپ ہے نہ بل ہے۔ نہ ریاضت کا خیال ہے۔ نہ اصلی ودیا کا شوق۔ ہندو کی زندگی نفسانیت و عیش طلبی کی زندگی نہیں ہے۔ اگر ابتدا خراب ہوگی۔ تو آئندہ تم ان سے کیا امید رکھ سکتے ہو۔ نادان ماں باپ بچوں کو خراب کر رہے ہیں۔ چھوٹی عمر میں ہی ان کا ویریہ نشٹ ہو جاتا ہے۔ ویریہ کے ساتھ بل پورش گیا اور دل و دماغ بھی خراب ہوا۔ اور جب اعضاء رئیسہ نے جواب دیدیا۔ تو نہ صرف بچوں کی زندگیوں کو ہی ضائع سمجھو بلکہ ان کی وجہ سے قوم کی قوم ہی تباہ ہو جاتی ہے۔ جب عمارت کی بنیاد خراب ہو اس کے در و دیوار کا تذکرہ فضول ہے۔"

(باقی پھر)

ہمارے دیش کی بدقسمتی سمجھو کہ آزادی ملنے کے بعد حکومت ایسے مغرب زدہ لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو کہ مغربی تعلیم کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے ۲۲ سال کے زمانہ میں قوم اور دیش کے اخلاق کا ستیاناش کر دیا ہے۔ اب لڑکے لڑکیاں برہمچریہ دھارن کرنے کی بجائے اپنا سروناش کر رہے ہیں۔

اوم اوم

ہندو دھرم کی جانکاری

(از قلم۔ شری لابھ چند کوہلی)

۱۔ شری بھیشم پتامہ جی (کوروں اور پانڈوں کے دادا کے بھائی) مہاراجہ شانتنو کے بیٹے تھے۔ جو کہ مہارانی گنگا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا بچپن کا نام دیوبرت تھا۔ ان کو اپنے پچھلے جنم کا علم تھا۔ اُن کو یہ بھی علم تھا کہ شری کرشن چندر جی مہاراج ایشور ہیں۔ آپ کوروؤں کی فوج کے کمانڈر تھے۔

۲۔ مہارانی ستیہ وتی گندھا۔ یا ستیہ وتی یہ سورگ بھرشٹ اپسرا آورکا کی لڑکی تھی۔ جو کہ اسکی پیدائش کے بعد پرلوک سدھار گئی۔ اس کی پرورش ایک ملاح نے کی تھی۔ بعد میں مہاراجہ شانتنو کی شادی اس کے ساتھ اس شرط پر ہوئی کہ جو سنتان اس کنیا کے بطن سے پیدا ہوگی۔ وہ تاج وتخت کی وارث ہوگی۔

۳۔ وچتر ویریہ۔ یہ مہاراج شانتنو کے بیٹے تھے جو کہ مہارانی ستیہ وتی سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے دھرت راشٹر اور دوسرے پانڈو۔ مہاراجہ دھرت راشٹر پیدائشی اندھے ہونے کے کارن راج گدی پر نہ بیٹھ سکے۔

۴۔ پانڈو۔ مہاراج پانڈو کے پانچ پُتر تھے۔ یُدھشٹر۔ بھیم۔ ارجن۔ نکل۔ سہدیو۔ بھیم پانڈوں کی فوج کے سپہ سالار تھے ارجن کے جھنڈے پر ہنومان جی کا نشان تھا۔

۵۔ کورو۔ مہاراجہ دھرت راشٹر کی اولاد کورو کہلائی۔ دریودھن ان کے سب سے بڑے لڑکے کا نام ہے۔ ان کے سنو پتر تھے۔ مہارانی گندھاری۔ کوروں کی ماتا تھی۔ رُکمنی۔ ستیہ بھاما۔ شری کرشن مہاراج کی استریوں کے نام تھے۔

دروپدی۔ مہاراجہ دروپد کی پُتری تھی۔ جس کا بواہ ویر ارجن کے ساتھ سوئمبر کی شرط جیتنے پر ہوا تھا۔

شری کرشن چندر جی مہاراج۔ پانڈوؤں کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کے پتاجی کا نام وسدیو اور ماتا کا نام دیوکی تھا۔ ہرشی کیش۔ کیشو۔ مدھوسودن۔ مادھو۔ گیوودراز۔ جناردن۔ یوگ ایشور۔ ہری وشنو۔ سکھ شیام بھگوان کے نام ہیں۔ مہرشی ویدویاس جی اور اس وقت کے دیگر مہان ودوانوں نے ان کو بھگوان وشنو کا اوتار تسلیم کیا۔

سنجے۔ مہاراجہ دھرت راشٹر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے شری ویاس دیو جی کی کرپا سے ہستناپور میں کوروکشیتر کے یُدھ کا حال مہاراجہ دھرت راشٹر کو سُنایا۔ مہرشی ویاس جی نے ان کو دویہ چکشو عطا کئے تھے۔

درون آچاریہ۔ کوروؤں اور پانڈوؤں کے گورو تھے۔

مہارانی کنتی۔ مہاراج پانڈو کی دھرم پتنی تھیں ان کے بطن سے یُدھشٹر۔ بھیم اور ارجن پیدا ہوئے تھے۔ اور مہارانی مادری سے نکل اور سہدیو پیدا ہوئے۔

پتامہ جی۔ کرپا آچاریہ۔ اشوتھاماں۔ وکرن۔ سوم آدتیہ۔ جیدرتھ۔ کوروؤں کی فوج کے بڑے بڑے سردار تھے۔
مہاویر بھیم۔ دھنش دھاری ارجن۔ راجہ یویودھا راجہ وراٹ۔ راجہ دروپد۔ مہارتھی دھشٹ کیتو۔ چیکیتان۔ کاشی راج
اور پروجت۔ کنتی بھوج۔ منشیوں میں شریشٹ یدھامنیو۔ وکرانت۔ اُتموجا۔ سبھدرا کا پُتر ویر ابھیمنیو اور دروپدی کے
پُتر سب ہی مہارتھی تھے۔" مہارتھی اس جوانمرد کو کہتے ہیں۔ جو اکیلا دس ہزار تیر چلانے والوں کا مقابلہ کر سکے۔
اشوتھاماں۔ شری درون آچاریہ کے بیٹے تھے۔" **پانچ جنیہ۔** شری کرشن مہاراج جی کے شنکھ کا نام تھا۔ اس پر پانچ انگلیوں
کے قدرتی نشان تھے۔ ...... **پونڈر۔** بھیم کے شنکھ کا نام تھا۔
شکھنڈی۔ مہاراجہ دروپد کا بیٹا۔ جو کہ لڑکی سے لڑکا بن گیا تھا۔ اسی نے بھیشم پتامہ جی کو میدان جنگ میں زخمی کیا تھا۔ یہ پچھلے جنم
میں پتامہ جی کی استری امبا تھا جس کو انہوں نے سویکار نہیں کیا تھا۔ تو اس نے تپسیا کر کے بدلہ لینے کی ٹھانی تھی۔
گانڈیو۔ ارجن کے دھنش کا نام تھا۔،،
یجیہ۔ گرہست میں یجیہ پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ دیو یگیہ۔ برہم یگیہ۔ پتری یگیہ۔ نری یگیہ۔ بھوت یگیہ۔
(دیوتاؤں) (ویدوں) (بزرگوں) (غریبوں) (چھوٹے جانداروں کے لئے)

رشی۔ وہ پوتر انسان جن کو اپنے من اور اندریوں پر پوری طرح قابو ہو۔
دیو رشی۔ جس رشی کو سب سے اونچا درجہ حاصل ہو۔ دیو رشی نارد برہما کے بیٹے تھے۔
راج رشی۔ گرہست میں رہتے ہوئے جو تپ اور تپسیا میں لاثانی ہوتے ہیں۔
برہما۔ سب سے پہلے دیوتا ہیں جن کو ایشور نے پیدا کیا۔ مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں ان کو بابا آدم کہا ہے۔
برہما نے دُنیا کو پیدا کیا۔ برہما کا دن شروع ہونے پر دُنیا کے دن کا ظہور ہوتا ہے۔ برہما کی رات دُنیا کے فنا
ہونے کا وقت ہے۔ برہما کا دن ایک ہزار چترّیگی یعنی 4 ارب 32 کروڑ سال کے برابر ہے اور اتنی ہی رات ہے۔
پرانوں کے مطابق اس وقت کو اس طرح بانٹا گیا ہے۔

کلجگ	= چار لاکھ بتیس ہزار	432000
دواپر	= آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار	864000
تریتا	= بارہ لاکھ چھیانویں ہزار	1296000
ست یگ	= سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار	1728000
		4320000

بھرگو جی مہاراج۔ برہما کے بیٹے تھے۔ سورگیہ جیوتشی تھے۔
برہما کے من سے سات پرجاپتی پیدا ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک بھرگو جی مہاراج بھی تھے۔
برہسپتی۔ اندر دیوتا کے پروہت تھے۔
پرہلاد۔ وشنو جی مہاراج کے بھگت تھے۔ گرڑ جس پر وشنو جی سواری کرتے تھے۔" گائتری منتر یا
وید ماتا یعنی ویدوں کا مشہور منتر ہے۔ اسکے اُوشٹھان سے سب ردھی سدھیاں پراپت ہوتی ہیں۔

اشنا یا شنکرآچاریہ بھرگو رشی کے پُتر تھے اور اسُروں کے گورو کہلائے
مہرشی وید ویاس جی۔ انہوں نے ویدوں کا وبھاجن کیا۔ برہم سوتر لکھے۔
۱۵ پوران بنائے۔

اوم

شنکا سمادھان ایشور کا دنیا کے کاموں میں دخل

اوم

ایڈیٹر

سوال:۔ ایشور کا دنیا کے کاموں میں کہاں تک دخل ہے۔ انسان کرم کرنے اور پھل بھوگنے میں کہاں تک سوتنتر ہے؟

(ڈاکٹر۔ اے۔ این ملک 3668 دریبہ پان پہاڑ گنج نئی دہلی)

جواب:۔ ایشور دنیا کے اندر اس طرح رما ہوا ہے۔ جیسے سونے کے گہنوں میں سونا یا مٹی کے برتنوں میں مٹی، یا سوپن پرپنچ میں سوپن اوی۔ یہ ظاہر ہے کہ جو سب میں رما ہوا اور چیتن ہے۔ اُسکے ظہور کا نام ہی جگت ہے۔ صرف اُپادھی شدھ ستوگن دہارن کرنے سے ایشور میں ستوگن (رجو تمو کی پردھانتا والا ستوگن) سے جیو اور تمو پردہان اُپادھی ہونے سے وہی جڑ جگت بنا ہوا ہے۔ سوپناوی خود اپنے سے سوپن پرپنچ رچتا ہُوا اپنے آپ میں اسکو قائم رکھتا اور اسکو اپنے میں ہی لین کر لیتا ہے۔

ایشور سے بھن جگت اور جیو مان کر ایشور کو پرچھن ماننا ہوگا اور ایسا ایشور سرب شکتیمان نہیں ہوسکتا۔ اس سے وہ ایشور پنے سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

ایشور سب کا آتما ہوکر سب میں ویاپ رہا ہے۔ اپنے انتہ کرن کی ولکشنتا کے کارن جیووں اور اُنکے کرموں اور اُنکے پھل میں ولکشنتا ہے۔" اصل میں ایک وستو میں انیکتا کی پرتیتی اُپادھی متھیا کے کارن ہی ہے۔ اگر ویوہارک نگاہ سے دیکھا جاوے تو ستوگن پردہان پرماتما کی مایا سے اس کا گیان منشیہ ہے جس سے وہ سوتنتر اور سدا مکت ہے اس کا کسی سے کوئی واستوک سنبندھ نہیں وہ اسنگ اور نرلیپ ہے۔ مگر اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا جیسے سورج یا بجلی وغیرہ کے پرکاش کے بغیر کوئی لکھنا پڑھنا کھیلنا نہیں ہوسکتا۔ مگر ہر فعل کے کرنے والے کو اُسکے فعل کے مطابق پھل ملتا ہے۔ سورج یا پرکاش ملزم نہیں گردانا جا سکتا۔ اسی طرح رجوگن اور تموگن کے آدھین جیو جو کچھ اچھے بُرے کام کرم کرتا ہے اسکو اُس کا پھل اس پھل پرداتا کی سامانیہ پریرنا سے ہی ملتا ہے۔ جیسے جج سے ملزم کو سزا اور نیک کردار والے کو انعام ہے مگر جج کا اس کام سے کوئی سنبندھ نہیں اگر شدھ ستوگن دوارا سادھن سمپن ہوکر اپنے واستو سروپ کا گیان پراپت کر لیا جاوے تو کرموں کے چکر سے نکل جاتا ہے کیونکہ ابھیمان اور پھل اِچھا ہی کرم بندھن کا ہیتو تھے جو گیان سے دُور ہو گئے اب اُس کا بندھن ہی نہیں رہا۔

ایشور کا اور اپنے آتما کا ابھید گیان ہی ابھیمان اور پھل اِچھا کو دُور کرتے ہیں انتم سادھن ہے۔ اس لئے منشیہ کو اگیان سے بندھن اور گیان سے موکش کہا ہے۔

اوم

تعلیم اور سرکار کا فرض

(سوامی دیانندجی سرسوتی)
(ستیارتھ پرکاش سے)

راجہ کو واجب ہے۔ کہ سب لڑکوں اور لڑکیوں کو برہمچریہ کا پابند رکھکر تمام علوم سے مستفیض کرے۔ آٹھ سال کی عمر کے بعد لڑکے اور لڑکی کا ماں باپ کے گھر رہنا قانوناً منع ہونا چاہیئے۔ اس عمر میں وہ آچاریہ کے گھر رہیں یعنی ان کو گورو کل میں داخل کرا دینا چاہیئے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ گوروکل ہونے چاہئیں، لڑکیوں کو پڑھانے کیلئے عورتیں ہی ادھیاپکائیں ہونی چاہئیں۔

جو ماں باپ اور اُستاد لڑکوں کو اور لڑکیوں کو تنبیہ (ڈانٹ ڈپٹ) اور نیک ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ بُرائی سے اُن کو باز رکھتے ہیں۔ وہ گویا اپنے ہاتھوں سے انہیں آب حیات (امرت) کے گھونٹ پلاتے ہیں۔ اور جو لاڈ چاؤ کرتے ہیں۔ وہ گویا زہر دیکر انہیں اپنے ہاتھوں ہلاک کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ لاڈ چاؤ سے اولاد اور شاگردوں میں عیوب پیدا ہوتے ہیں۔ اور تنبیہہ اور سرزنش سے نیک اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

(دیکھئے ہماری بھارتی تہذیب اور مغربی تہذیب میں کسقدر فرق ہے۔ آجکل مغرب زدہ نام نہاد ریفارمروں کی تقلید کرکے ہم نے بچوں کو آزادی دے دی ہے۔ اب آٹھ آٹھ نو نو سال کے بچے سگریٹ اور نشیلی چیزوں کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ اور اُن کا رجحان غنڈہ گردی اور عیش پرستی کی طرف ہے۔ جو لڑکے ماں باپ اور استاد کی عزت کرنا بھی نہیں جانتے۔ وہ تعلیم کو کیا خاک حاصل کریں گے)

رشی دیانندجی لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے خلاف تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ لڑکے اور لڑکیوں کے مدرسے ایک دوسرے سے دو کوس کے فاصلے پر ہوں۔ عورتوں کے مدرسے میں پانچ سال کا لڑکا اور مردوں کے مدرسے میں پانچ سال کی لڑکی تک بھی۔ بے وجہ نہ جانے پائے۔ یعنی جب تک لڑکا اور لڑکی بالترتیب برہمچاری (طالبعلم) رہے۔ تب تک کسی مرد یا عورت اور ایک دوسرے کو دیکھنے چھونے۔ ایکانت میں ملنے۔ گفتگو کرنے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے اور نزدیک ہونے۔ عشقیہ اذکار اور تصورات۔ ان آٹھ قسم کی قربت سے پرہیز کریں۔

(آجکل تو لڑکے اور لڑکیاں سینما دیکھنے۔ عشقیہ اور جاسوسی ناول پڑھنے میں کوئی برائی نہیں سمجھتے۔) کاش کہ ہم لوگ سوامی دیانندجی کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے بچوں کی تعلیم کے لئے گوروکل سسٹم جاری کریں۔ ورنہ موجودہ طریقہ تعلیم تو ہماری تمام نسل کو ہی ناستک۔ نافرماں بردار۔ دیش بھکتی سے متنفر اور بد اخلاق بنا کر رکھ دیگا۔ اور ہماری نام نہاد آزادی بھی خطرہ میں پڑجائے گی۔ کیونکہ دیش بھگتی کے نہ رہنے سے ہمارے تمام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کمیونسٹ دیشوں کے انویائی بنتے جا رہے ہیں۔ اُن کو اپنے دیش جاتی اور دھرم کے ساتھ کوئی لگاؤ یا محبت نہیں رہی۔ اور وہ اپنی قوم کو

ہی نشٹ کرنے کے درپے ہیں۔ کیونکہ اُن کو دھارمک اور دیش بھگتی کی تعلیم سے ہی محروم رکھا گیا ہے جس کے لئے ہمارے موجودہ حکمراں ہی زیادہ ذمہ دار ہیں۔ انکی غلط پالیسیوں کا نتیجہ اب ان کے ہی آگے اُچکا ہے۔ کالج کے لڑکوں کا پولیس کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ بسوں کو جلانا۔ سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچانا۔ گویا حکومت کا سب رعب اور وقار ہی ختم ہوگیا ہے۔ جس سے ہماری آزادی کو ہی خطرہ لاحق ہے۔

اوم



برہمچاری نچکیتا

(اپنشد گاتھا)

ازقلم۔ شری گیاچندر مپال جرنلسٹ

آج سے لاکھوں سال پہلے کا ذکر ہے۔ کہ رشی ارنی راج شروس نے اپنی زندگی گذارنے کے بعد دل میں خیال کیا۔ کہ عاقبت سدھارنے کے لئے سرومیدھ یگ کیا جاوے۔ چنانچہ اگلے روز یگ شروع کیا گیا۔ اس یگیہ میں دور دراز سے چوٹی کے ودوان بُلائے گئے۔ آخری آہوتی یگیہ کنڈ میں ناریل کی ڈالی گئی۔ اس کے بعد دیوتاؤں کو نمسکار کر کے سورج کو جل چڑھا کر براہمنوں کو دکشنا دینی شروع کر دی۔ راج شروس نے اپنا سارا دھن براہمنوں کو دان دیدیا۔ اور اس کے ساتھ گئوئیں بھی دان دیدیں۔ لیکن رشی کے بیٹے نچکیتا کو ناگوار گذرا۔ کہ پتا نے اپنے کلیان کی خاطر گھر کا تمام مال و متاع دان دیدیا ہے۔ مگر........... پھر ایک خیال دل میں آیا۔ کہ پتاجی نے جو گئوئیں دان دی ہیں۔ ان میں کئی بوڑھی اور ناکارہ ہیں۔ ایسی اشیاء دان کرنے سے بھلا پتاجی کو کیا پھل ملے گا۔ اور یہ دان تو محض ایک پاکھنڈ سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب گائیں دودھ دیتی ہیں تو ان کی سیوا کرتے رہے۔ مگر جب دودھ دینے سے بھاگ گئیں تو ان کو دان کے بہانے سے براہمنوں کے حوالے کر دیں۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس سے نچکیتا اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایسی گئوئیں دان دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ بھگوان ناراض ہوگا۔ اور فرض پدری کے پیش نظر تہیہ کرلیا۔ کہ اپنے پتا کو اس کجروی سے ضرور روکنا چاہئے چنانچہ باپ کے پاس گیا۔ پتاجی۔ آپ نے گائیں تو براہمنوں کو دان دے دیں۔ بھلا مجھے کس کے حوالے کرو گے؟ میں اپنی زندگی کیسے گذاروں گا؟.....

رشی۔ چپ رہو۔ گستاخ لڑکے۔ اس لئے ہی تم کو پال پوس کر، پڑھا لکھا کر حیوان سے انسان بنایا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ تو صغیر سنی میں ہی اپنے باپ کی بے عزتی کر رہا ہے۔ تیری یہ حرکت؟.... مجھے پتہ ہوتا۔ کہ بڑا ہو کر تو ایسے نادان کام کرے گا۔ تو پیدا ہوتے ہی مروا دیتا۔ ... دوسری بار۔ نچکیتا نے پھر بات دہرائی ... رشی راج شروس نے آگ بگولہ ہو کر کہا کہ جاؤ میں تجھے موت کے سپرد کرتا ہوں ... ان قہر آلودہ الفاظ سے سناٹا چھا گیا۔ باتوں باتوں میں معاملہ طول پکڑ گیا۔ رشی کا وچن تھا..... نچکیتا نے سوچا۔ کہ اب کیا کروں۔ کام کیا تھا۔ اپنے پتا کے فائدہ کی خاطر مگر یہ تو اُلٹی گنگا بہنے لگی۔ نچکیتا سمجھدار تھا۔ رشی پتر تھا

آجکل کے ہونہار لڑکوں کی مانند بالکل نہ تھا۔ ورنہ گھر سے بھاگ کر نجات حاصل کر سکتا تھا.... پھر یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ اتنو پتا کے وچن پورے ہو کر ہی رہیں گے۔ ایک مصمم ارادہ کر کے اٹھا کہ چلو اب تو موت کی سیڑھی پر چڑھنا ہی ہوگا۔ اور یہ بھی دل میں سوجھی۔ کہ انسانی جامہ میں رشی منی اور سادھارن منش کے لئے موت لازمی ہے۔ بھلا موت کے ڈر سے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے۔ اور موت کے آہنی پنجہ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ ہماری اکیس پشتوں میں سے کسی بزرگ نے اپنے قول کو نبھانے سے کبھی غفلت نہیں کی۔ نچکیتا نوجوان تھا۔ خیال آیا۔ کہ یہ دنیا فانی ہے۔ بچپن جوانی۔ بڑھاپا۔ تینوں۔ انسان کے بس کا روگ نہیں۔ جو جاندار پیدا ہوتا ہے اُس کی موت یقینی ہے۔ اب تو اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ نچکیتا نے موت کی طرف نہایت سرعت کے ساتھ قدم بڑھایا۔ برہمچاری نچکیتا نے دل میں یہ لاثانی سنکلپ کر کے یم پوری کی راہ لی.... نچکیتا یم پوری میں پہنچ گیا۔ یمراج وہاں موجود نہ تھے۔ اُنکی عدم موجودگی میں ان کے کرمچاریوں نے اس تیجسوی بالک کا ستکار کیا۔ نچکیتا نے کہا کہ میں یمراج جی کو ملنے آیا ہوں۔ کرمچاریوں نے کہا کہ آپ انتظار کریں۔ نچکیتا نے کہا کہ اچھا جب تک وہ واپس نہیں آتے۔ میں ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ نچکیتا نے اپنا آسن لگا لیا۔ اور تین دن تک بالکل بھوک ہڑتال کئے رکھی۔ جس سے ساری یم پوری میں نچکیتا کی کٹھن تپسیا کی تعریف ہونے لگی خوش قسمتی سے یم راج بھی تین دن کے بعد واپس آ گئے۔ ابھی قریب ہی آئے تھے۔ کہ ان کے پوچھنے سے پیشتر ہی ان کو نمسکار کیا اور ان کو احوال پوچھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔.... اور یمراج کو عرض کی کہ مہاراج پیاس لگی ہوئی ہے۔ آپ نے گھر میں آئے ہوئے مہمان کی اچھی سُدھ لی ہے۔

یمراج اس بالک کی دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور محسوس کیا۔ کہ بالک تجھے واقعی تین یوم تک یہاں بھوک کے پیاس سے رہنا پڑا ہے۔ اس لئے ان تینوں دنوں کے لئے تین ور تجھکو دیتا ہوں۔ مانگو بے خوف ہو کر۔ نچکیتا نے عرض کی (۱) کہ مہاراج میرے ادھر آجانے سے میرے پتا کا دل بے چین ہو گیا ہوگا۔ اس لئے پتا جی کی فکر تشویش دور کر دی جائے اور مجھ پر جو اُن کا غضبناک غصہ ہے وہ بھی کافور ہو جائے۔ اور جب واپس گھر جاؤں۔ تو حسب سابق مجھے پیار کریں۔ یمراج نے کہا کہ اے برہمچاری۔ تمہارے پتا کا غصہ دُور ہوگا۔ وہ تم کو اپنے بیٹے کی طرح ہی رکھیں گے۔ (۲) دوسرے ور کے لئے نچکیتا نے عرض کی کہ مہاراج مجھے سورگ پراپت کرنے کے سادھن بتلائیں۔ کیونکہ ادھر تو ہر جگہ آنند ہی آنند نظر آرہا ہے۔ یمراج بالک سُنو۔ اگنی تمام لوگوں کی روحانی زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جو انسان اگنی ودیا کو سمجھ لیتا ہے۔ اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھو! اس اگنی کو اونچے پہاڑوں پر اندھیری غاروں میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ اگنی انسانی ہردے کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے۔ تو یکسوئی قلب سے تم اس شکتی کو اپنے اندر سے بیدار کر سکتے ہو اس کے بیدار کرنے کے لئے ہٹھ یوگ۔ راج یوگ۔ کرم یوگ کے اصولوں پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔ اور یمراج نے ساتھ ہی اُپدیش بھی کیا۔ طریقے بھی بتائے اور خوش ہو کر کہا۔ کہ آئندہ یہ اگنی تمہارے نام سے یعنی "ناچکیت اگنی" سے مشہور ہو گی (۳) بالک نے کہا۔ کہ موت کے بعد انسان کی رُوح کہاں جاتی ہے؟ یم راج۔ بالک۔ میں تو موت کا دیو ہوں۔ اس لئے اس سوال سے میرا تعلق نہیں۔ مگر ادھر بالک ہٹھ تھا۔ بالک اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ اور جواب کے لئے رضامند کر لیا۔ یمراج نے پھر کہا کہ ہر

انسان کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک ترقی کا دُوسرا تنزلی کا۔ ایک نیکی اور دوسرا بدی کا۔ مگر یہ درست ہے۔ کہ اس میں سے نیکی کا راستہ بہت ہی مشکل ہے۔ بُرائی کی طرف ہر شخص دوڑتا ہے۔ بُرائی کرنے یعنی گناہ کرنے سے دل خوش رہتا ہے۔ اور بعد میں انسان کف افسوس ملتا ہے۔ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر انسان پہلے انجام کا خیال کرلے تو دُکھوں کا مرکز نہ بنے۔ اور نشکام بھگتی ہی انسان کی عاقبت سُدھار دیتی ہے۔ مرنے کے بعد انسان کے ساتھ اس کا دھرم ہی جاتا ہے۔ وہی سچی سہایتا کرسکتا ہے۔ نچکیتا نے کہا کہ مہاراج۔ مجھے تو بھوگ ولاس کی بالکل ضرورت نہیں۔ مجھے ہزاروں لاکھوں سال کی لمبی عمر کی ضرورت نہیں۔ میں صرف برہم ودّیا کو جاننا چاہتا ہوں۔ اس لئے مجھے جیون ودّیا کا دان دیجئے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی ور بیشک نہ دیں۔ نچکیتا کے اس اٹل وشواس کو دیکھکر یمراج کا دل بے حد خوش ہوا۔ اور کہا۔ کہ براہمن کمار

تمہارے سامنے سُنہری اصول ہیں۔ اور وشواس دلانے پر سچّا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ یعنی لوبھ۔ لالچ۔ عیش وعشرت کی زندگی کو بالائے طاق رکھنے کا خیال کیا ہے۔ اس لئے میں تجھے جیون ودّیا سکھاتا ہوں۔ واقعی تم اس لاثانی ودّیا کے سیکھنے کے قابل ہو۔ اور تیرے دل میں بے پناہ جذبہ سیکھنے کا ہے۔ سچے معنوں میں جیون ودّیا کے سیکھنے کے ادھیکاری ہو۔ اور ایسے دلی جذبات اور شردھا والا انسان بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے۔

چُنانچہ یم راج نے نچکیتا کو جیون ودّیا یعنی برہم ودّیا کا منوہر اُپدیش دینا شروع کردیا۔ اور اس کے ایک ایک منطق پر پوری پوری روشنی ڈال کر اس کی تسکین کرادی۔ جس سے نچکیتا کا دل بے حد خوش ہوگیا۔ اور نچکیتا کا اس اپدیش سے سُدھار ہوگیا۔ ایسے ایسے لاثانی برہمچاری بھارت ورش میں ہو چکے ہیں۔ جنہوں کی ایشور بھگتی نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اور جاتی کا نام روشن کیا۔



اُٹھ! ہوشیار ہوجا

خنجر آبدار، کُند ہے۔ تیزاب آب آب ہے ضعیفی ولاغری تجھ سے دُور۔ مگر پھر بھی تو ڈرنے پر مجبور

مادرِ ہند کے سپوت

ذرا اپنی قوم کی حالتِ زار پر معمولی سی نظر گردانی کرکے دیکھ تو سہی! آج یہ کتنی ذلیل ہو رہی ہے ہر چہار اطراف سے آہ وبکا، نالہ وفغاں کی صدا جگر خراش بن رہی ہے۔ تیرے ٹکڑوں پر پلنے والے ہی مارِ آستین بن رہے ہیں۔ تجھے ہر ممکن ذریعے سے برباد کرنے کی ٹھان لی گئی ہے اور تو لمبی تانے محوِ خواب ہے۔ معلوم نہیں تیری رگوں میں پانی بھر چکا ہے۔ یا خون کی بہت ہی کم مقدار باقی رہ گئی ہے :

عرشِ بریں کے چمکدار ستارے!

زمین سے اُٹھی ہوئی گرد وغبار کیا تجھے ماند کردیگی؟ کبھی لعل خاک میں چمک چھوڑ دیتا ہے؟ آہنی قفس کیا شیر کو گرجنے سے روک سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر تو اپنی چمک کیوں کھو رہا ہے۔ ارے! یاد کر اپنی گذشتہ عظمت کو اور کردے منوّر کُل عالم کو

اُٹھ! ہوشیار ہوجا۔

مانندِ شیر گرج، بھگادے اِدھر اُدھر کے گیدڑوں کو۔ جو تیرے غار کے اردگرد شور وغل مچا رہے ہیں۔ تیری ہستی کو مٹانے والے خود نہ مٹ جائیں تو ہندو کہلانا ہی چھوڑ دے۔"

اُٹھ موت کا خوف ہٹا بابا

(شری دولت رام جی پوری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

جو پیدا ہوا اُس مرنا ہے اک روز ہر اک نے مرنا ہے پھر مرنے سے کیا ڈرنا ہے
اُٹھ موت کا خوف ہٹا بابا

یہ جسم ہمارا چولا ہے یہ آتما پہنے چولا ہے اک روز بدلنا چولا ہے
اُٹھ من کو یہ سمجھا بابا

یہ موت انمول نگینہ ہے یہ مُکتی کا اک زینہ ہے تیرا کیوں لرزاں سینہ ہے
اُٹھ اس سے خوف نہ کھا بابا

جو حق کی خاطر لڑتے ہیں وہ دھرم کو پورا کرتے ہیں ایشور کے پیارے بنتے ہیں
اُٹھ تُو بھی فرض نبھا بابا

جو جام شہادت پیتے ہیں مر کر بھی سدا وہ جیتے ہیں دل ایشور سے وہ سیتے ہیں
اُٹھ تو بھی جان لڑا بابا

یہ جسم تمہارا فانی ہے جو آتما ہے لافانی ہے یہ سچا راز نہانی ہے
اُٹھ مضطر ہوش میں آ بابا
اُٹھ موت کا خوف ہٹا بابا

اوم اوم

چہل درویش

(گیان دھیان کی کہانیوں کا مجموعہ)

(از منشی سورج نرائن صاحب مہر)

چہل درویش کتاب کو کتب ویدانت کا دیباچہ سمجھنا چاہیئے. ناظرین کو خیال رہے کہ فقیر مہر کوئی آچاریہ یا رشی نہیں ہے جو نیا پنتھ قائم کرتا ہے یا پرانے فلسفے میں اپنی نئی موجیں بیان کرتا ہے. میں آپکی طرح گرہستی آدمی ہوں ذمہ دار سرکاری افسر ہوں. بغرض دنیا میں رہتا ہوں اور دنیا کے سب کاروبار کرتا ہوں. ہاں میں نے اپنے گھر کا شاستر پڑھا ہے اور چاہتا یہ ہوں کہ جو لطف خود اٹھایا ہے وہ سب اٹھائیں. اس کتاب سے مطلب صرف یہ ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں ویدانت پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے. اسی غرض سے اپنشد شریمد بھگوت گیتا. یوگ واسشٹ. بچار ساگر. تلسی کرت رامائن وغیرہ کا خلاصہ مطلب یا کہیں کہیں اقتباسات دیئے ہیں. یوگ اور سانکھیہ شاستر کا خلاصہ مطلب بھی اس میں آتا ہے اور اور کتابوں کا بھی ذکر خیر ہے. یہ ایک سلسلہ کتب کی پہلی کتاب ہے جس میں اور کتابیں بھی نکلیں گی. اور سب میں یہ التزام ہوگا کہ آسان عام فہم اور دلچسپ ہوں. ان میں سے یوگ واسشٹ. فلسفہ. گیتا. سوامی وویکانند کے لکچر وغیرہ سال آئندہ میں شائع کرنے کی کوشش کرونگا.

اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کسی اشانت من کو شانتی نصیب ہوئی. اگر کسی شاستر پڑھنے والے کا کوئی پیچیدہ عقیدہ حل ہو گیا. اگر ناظرین میں سے کسی کو اسے پڑھ کر شاستر پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا. یا اور کچھ نہیں تو اس کے مضامین کی شوق انگیزی سے سنسکرت یا ہندی ہی تحصیل کرنے کا ذوق ہو گیا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی. ناظرین کے حق میں میری سچے دل سے آشیرباد ہے.

ویدانت پڑھیں جو مہر وہ شاد رہیں — بے فکر رہیں خوش رہیں آباد رہیں
ہو گیان کی برکت سے انہیں یہ توفیق — رہتے ہوئے بھی جہاں میں آزاد رہیں

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۱۰ء

خاکسار سورج نرائن مہر

اوم　　اوم تت ست　　اوم

تمہیدی کہانی

(سادھوؤں سے ناظرین کی پہلی ملاقات)

منظر ہے عجیب دلفزا روح فزا　　پانی ہے رواں اور کھلا ہے سبزہ
سیر کہسار قابل دید ہے یہاں　　یاں قدرت حق کا ہے مجسم جلوہ

پہاڑ کا سہانا اور دلفزا مقام ہے۔ جدھر نگاہ جاتی ہے۔ عروس قدرت ہر ہفت بنی دکھائی دیتی ہے۔ یہ خشک پہاڑ نہیں ہیں۔ کہ دیکھنے میں تو کالی یا بھوری سی بھینسیں نظر آئیں اور پاس پہنچکر معلوم ہو کہ بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔ بلکہ ہر سبز اور شاداب کوہستان ہے۔ ایک بحر سبزہ ہے کہ آگے پیچھے۔ اوپر نیچے۔ دائیں بائیں موجیں مار رہا ہے۔ جدھر دیکھو سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ چیڑ۔ دیودار اور چلغوزوں کے قد کشیدہ درخت بلندی میں آسمان سے سرگوشی کرتے نظر آتے ہیں ان کے سوئی سے سبز سبز پتے آنکھوں میں کھُبے جاتے ہیں۔ اور انکی بلندی دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں بڑے بڑے جنات ہونگے۔ کسی عارف کی بد دعا سے شجر بن گئے ہیں سبے شمار درخت اور پودے جھاڑیاں اور گھاس اپنا اپنا جوبن علیحدہ دکھا رہے ہیں۔ کسی کے پتے سبز ہیں۔ کسی کے کاہی، کوئی زردی لئے ہیں۔ کوئی سرخی کسی میں پھل آ رہے ہیں کسی میں پھول کھل رہے ہیں۔ غرض چودہ لاکھ بناسپتی کھلی ہوئی ہے۔ اور رنگ بو کا وہ عالم ہے کہ آنکھوں میں اور دماغ میں سرور آتا ہے سبزے کی بہار کے ساتھ پانی کی بھی بہار ہے۔ جس چوٹی کی طرف نظر کیجئے یا جس ڈھلان کو دیکھئے اس پر سے پہاڑی نالے شور و غل مچاتے نیچے اُترتے چلے آتے ہیں۔ کاہی رنگ کی گھنی نباتات میں یہ سفید سفید جھاگ دار پانی بہتا ہوا بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شوجی کی جٹاؤں میں گنگا چکر کھاتی چلی آتی ہے۔ پانی کی آب دیکھنے میں موتی کو شرماتی ہے اور پیو تو کیسا ٹھنڈا میٹھا اور خوش ذائقہ ہے۔ کہ آبحیات کیا ہوگا۔ یہ نالے پہاڑی چوٹیوں اور ڈھلانوں سے اپنا خراج لیتے ہوئے نیچے ایک بڑے دریا میں جا ملتے ہیں۔ یہ گنگا کی دھار ہے۔ کہ ابھی پہاڑوں میں بہ رہی اور اُتر کے نیچے میدان تک نہیں پہنچی ہے۔ گنگا بہت نیچے کھڈوں میں بہتی ہے۔ لیکن اسکی روانی کی صدا اوپر پہاڑوں تک پہنچتی ہے۔ اور کانوں میں وہ دلکش سُر آتے ہیں کہ لائق و فائق گانے والوں کے گانے میں وہ مزا نہیں آتا۔ جنہوں نے یہ قدرتی راگ سُنے ہیں۔ وہ مصنوعی موسیقی پر کان نہیں دیا کرتے۔ یہاں ایک اور قسم کا نغمہ خوش آہنگ بھی گوش زد ہوتا ہے جسکو سُن کر کانوں میں امرت رس پڑتا ہے۔ یہ خوش رنگ خوش نوا پرندوں کے زمزمے ہیں۔ جو زبان حال سے اس طرح مترنم ہیں

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در کہسار　　وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار
کوہ و صحرا و درختاں ہمہ در تسبیح اند　　نہ کم از بلبل مستی تو بنال اے ہشیار

سبزہ و آب کی یہ کیفیت ہے کہ نظر اُٹھائے نہیں اُٹھتی اس پر سماں وہ کہ دل لوٹا جاتا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں یکے بعد دیگرے بلند ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے۔ برابر یہی سلسلے کے سلسلے ہیں۔ جو چوٹیاں دور ہیں وہ برف کی سفید چادر اوڑھے کھڑی ہیں۔ اور ان پر دھوپ پڑتی ہے تو نگاہ کو چکا چوند آتی ہے۔ پہاڑی راستے جنہیں بٹیا سمجھنا چاہیئے۔ کہیں کہیں اس طرح چکر کھاتے جاتے ہیں۔ جس طرح سانپ لہراتا ہوا چلتا ہے۔ انہیں بٹیوں میں سے ایک پر کچھ آدمی چل رہے ہیں۔

راستہ تنگ ہے اس وجہ سے دو دو تین تین آدمیوں سے زیادہ کہیں پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی قطار لمبی ہے۔ یہ سب سادھو ہیں۔ گیروے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں ہیں۔ پہاڑوں کے سبزے میں ان کے گیروے بستر کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض چار ابرو چٹ رنڈ منڈ ہیں۔ بعض جٹا دھاری ہیں۔ بعض بڈھے ہیں۔ بعض ادھیڑ اور بعض نوجوان۔ آپس میں ہنستے بولتے یا باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پہاڑ پر چلے جا رہے ہیں۔ چڑھائی بیشک بہت ہے لیکن سر زور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزے سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے چلے جا رہے ہیں۔

اس وقت شام کے کوئی پانچ بجے ہونگے۔ آسمان پر کچھ بادل ہیں۔ کیونکہ پہاڑ پر اور خاص کر بدری نارائن کے راستے میں بادل کس وقت نہیں ہوتے۔ لیکن ہلکی ہلکی دھوپ کھل رہی ہے۔ جو بدن کو ناگوار نہیں گزرتی۔ بلکہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دھوپ چوٹیوں پر ہے۔ ڈھلانوں پر ہے۔ درختوں پر ہے۔ بٹیا پر ہے۔ اور سادھوؤں کے بستروں پر ہے۔ غرض ہر شے پر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز کو چاندی سے منڈھ دیا ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ لیکن زور کی نہیں ہے۔ مند مند سگندھ پھولوں اور پتوں میں سے اُٹھ رہی ہے۔ اور اس سے ہر شخص کا دل و دماغ باغ باغ ہوا جاتا ہے ایسے دلکش سمے میں بے اختیار راگ کی طرف دل دوڑتا ہے چنانچہ دو خوش الحان سادھوؤں نے پیلو کے میٹھے سُروں میں الاپنا شروع کیا۔ یہ گاتے جاتے تھے اور دوسرے سادھو مل کر ٹیپ بولتے جاتے تھے۔ ؎

تیری مایا کے بل جاؤں - پربھو تیری مایا کے بل جاؤں
شیل بنائے اندپوری سم برنت شوبھا لجاؤں
پتر پھول پھل ترور سندر کیا دیکھوں کیا کھاؤں
پربھو تیری مایا کے بل جاؤں
پشو پکھشی نر اچل اور چل کس کس کے گن گاؤں
سب تو ہے پربھو سب میں تو ہے میں تجھکو سر ناؤں
پربھو تیری مایا کے بل جاؤں

ترجمہ۔ اے قادرِ مطلق میں تیری قدرت کے قربان جاؤں۔ تو نے بہشت کی مانند پہاڑ بنائے ہیں۔ جن کی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ ان میں خوبصورت شاندار درخت اور ان میں پتے پھول اور پھل ہیں کیا کیا دیکھوں اور کیا کیا

دکھاؤں۔ پرند۔ چرند۔ انسان۔ جمادات اور حیوانات کس کس کی تعریف کروں۔ میرے پربھو سب تجھ میں ہے۔ اور سب میں تو ہے۔ میں تجھے سر جھکاتا ہوں۔

وہ دلکش سماں۔ اس پر پیلو کے میٹھے سُر اور پھر دو نوجوانوں کی ملی ہوئی سُریلی آوازیں سب کو ایسا لطف آیا کہ بے اختیار تحسین اور آفریں کرنے لگے۔ اس وقت ہوا ذرا ذرا تیز ہو گئی تھی۔ اور وہ متفرق سفید سفید بادل جو آسمان پر کہیں کہیں نظر آتے تھے۔ اکٹھے ہو کر ابر کی صورت اختیار کرنے لگے تھے۔ ایک سادھو نے کہا بھائی نتیا نند ستیا نند اساڑھ کا ابر آیا ہے۔ اور شاید یہی پہلا ابر ہے۔ کوئی میٹھی سی ملار لاپو۔ ایک بڈھا سا سادھو بولا۔ ارے دیوانے ہو گئے ہو۔ ابھی منزل پر پہنچے ڈیڑھ گھنٹہ چاہئے۔ ملاریں گا کر کہیں مینہ برسانا ہے منزل کیونکر لوگے۔ یہ سُن کر سب ہنسنے لگے۔ ایک ٹھٹول سادھو بولا۔ مہاراج ملار گانے سے ست جگ میں مینہ برستا ہوگا۔ آج کل تو کلجگ ہے۔ راگ راگنی میں تاثیر ہی کہاں رہی ہے۔ اور پھر نتیا نند ستیا نند کا گانا کہ نہ تال ہے نہ سُر ہیں۔ ابر آیا بھی تو اُن کی ملار سُن کر اُڑ جائے گا۔ اس پر کئی سادھو بولے۔ نتیا نند تم اِن مہاتماؤں کی باتوں پر نہ جانا اِن کا ایسی ہی باتیں بنانے کا سبھاؤ ہے۔ تمہارا گانا بہت ہی با اصول اور میٹھا ہے۔ ہاں کوئی ملار شروع کرو۔ دونوں گانے والے شاید اس قسم کے تمسخر کے خوگر تھے۔ وہ سُن سُن کر مسکراتے رہے۔ اور آخر نٹ ملار میں یہ پد الاپنے شروع کئے۔ ؎

سکھی گھر آئی بدریا کاری
دلکے دامنی ہو متواری   سکھی گھر آئی بدریا کاری

بجلی چمکے بدرا گرجے   بوند پڑے پت ڈاری
کوئل مور پپیہا را بولے   برسے شیتل باری
سکھی گھر آئی بدریا کاری

ترجمہ۔ اے سہیلی کالے بادل گھر آئے۔ برق مضطر چمکتی ہے۔ اے سہیلی کالے بادل گھر آئے ہیں بجلی چمکتی ہے۔ بادل گرجتا ہے۔ درختوں کے پتوں اور شاخسار پر بوندیں پڑتی ہیں۔ کوئل۔ مور۔ اور پپیہے بول رہے ہیں اور ٹھنڈا پانی برستا ہے۔ اے سکھی۔ الخ:

ملار کے سُر نہایت میٹھے ہوتے ہیں۔ اس پر نٹ اور ملار دونوں کا میل سُن سُن کر دل لوٹا جاتا تھا۔ اب اسے راگ کی تاثیر کہئے۔ محض اتفاق سمجھئے یا یوں مان لیجئے کہ موسم ہی ابر و باراں کا تھا۔ ہوا نہایت تیز ہو گئی۔ اور بادلوں نے ڈراؤنی شکل اختیار کی۔ بوڑھے سادھو نے حقیقت میں سچ کہا تھا۔ منزل ابھی ڈیڑھ گھنٹہ کا راستہ تھا۔ یہ منڈلی آج دیر کر کے چلی تھی اور اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ گزشتہ مقام پر ایک مالدار سیٹھ نے انہیں نیوتا دیا تھا۔ اور چونکہ کھانا تکلف کا بنوایا تھا۔ اس باعث سے کچھ اس میں دیر ہوئی۔ کچھ کتھا وارتا میں دیر لگی۔ اس طرح وقت مقررہ سے دو گھنٹے بعد

چلے تھے لیکن انہیں خیال تھا کہ شام ہوتے ہوتے منزل جا لینگے۔ اور بیشک ان کا خیال درست تھا لیکن ابر و باد کے سامنے کس کی پیش جاتی ہے۔

راسخ الاعتقاد بھلے آدمی سادھو سیوا اور جاتریوں کی نفع رسانی کی غرض سے راستے کی مرمت کرتے اور کراتے رہتے تھے لیکن باایں ہمہ اکثر جگہ سڑک ٹوٹی ہوئی ملتی تھی۔ اور بہتیری جگہ ایسی تنگ تھی۔ کہ ایک ہی آدمی اس پر چل سکتا تھا۔ دو چار پہلو بہ پہلو ہرگز نہیں گزر سکتے تھے۔ ایسے دشوار گذار راستوں پر تیز ہوا اور بارش میں چلنا احاطۂ امکان سے باہر تھا۔ اور اس وقت اسی مصیبت کا سامنا اس منڈلی کو تھا۔

یہ لوگ ابھی منزل سے بہت دور تھے۔ اور ہوا ایسی تیز ہو گئی تھی کہ پگ ڈنڈی پر قدم مشکل سے جمایا جاتا تھا تھوڑی دیر میں زمین و آسمان تیرہ و تاریک ہو گیا۔ آسمان پر کالے بادل دوڑتے پھرتے تھے۔ کھنڈوں اور غاروں میں سے بخارات اٹھ اٹھ کر چاروں طرف چھاتے جاتے تھے۔ غرض اوپر بادل تھے۔ نیچے بادل تھے۔ جہاں یہ چل رہے تھے وہاں بادل دوڑ رہے تھے۔ سہ

ہوا پہ دوڑتا تھا اس طرح سحاب سیاہ — کہ جیسے جائے کوئی پیل مست بے زنجیر

اس صورت میں منزل پر پہنچنا محض ناممکن تھا۔ بارش اب آئی کی آئی تھی۔ تھوڑے سے فاصلے پر ایک مکان نظر آتا تھا۔ سب نے ادھر کا رخ کیا اور تیز تیز قدم اٹھائے۔ یہ بھاگے چلے جاتے تھے کہ پہلے بہت بڑی بڑی چھدری چھدری بوندیں پڑنی شروع ہوئیں۔ انہوں نے اور قدم تیز کئے اور جوں توں کر کے اس مکان کے برانڈے میں پہنچ گئے۔ بڈھے بڈھے سادھو جن کا قدم بہت تیز نہیں اٹھتا تھا۔ ابھی ذرا پیچھے پیچھے ہانپتے ہوئے چلے آتے تھے کہ موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا اور وہ بیس پچیس قدم کا فاصلہ طے کرنے میں ہی تر بتر ہو گئے۔ بجلی کوند کوند کر آتی تھی۔ رعد کے شور سے کان پھٹے جاتے تھے۔ اور مینہ زور کا برس رہا تھا کہ قلیل تر عرصے میں سب جگہ پانی ہی پانی ہو گیا۔

جس مکان میں سادھو پناہ گزیں ہوئے تھے وہ ایک معمولی پہاڑی مکان تھا۔ ایک چھوٹا کوٹھا اور ایک ذرا بڑا کمرہ تھا۔ اور دونوں کے باہر کے رخ برانڈا تھا۔ یہاں ایک بڈھا پہاڑی نگاہ حسرت سے مینہ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ شخص مالک مکان تھا۔ اور شاید اس فکر میں غلطاں پیچاں تھا کہ آج گاؤں میں گھر پہنچ چکا ہیں بھوکے پیاسے رات کاٹنی پڑیگی۔ سوامی برہمانند جو اس منڈلی میں سب سے بوڑھے سادھو تھے اور جن کا ادب و عزت تمام منڈلی کرتی تھی۔ اس شخص کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ کہو ساہ جی کس فکر میں کھڑے ہو۔ اور کیا دیکھ رہے ہو۔

بڈھا پہاڑی سادھو کے قدم لینے کو جھکا اور کہنے لگا۔ مہاراج بارش خوب گھر کر آئی ہے۔ رات بھر تھمتی نظر نہیں آتی۔ میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ اتنے مہاتما سادھوؤں نے آج میرے گھر کو پوتر کیا ہے لیکن کیسا بدبخت ہوں کہ یہاں نہ کھانے کا سامان ہے نہ پینے کا۔ ان کی تواضع کروں تو کیا کروں۔ یہ مکان میرا کوئلوں کا گودام ہے۔ جو لوگ بدری نارائن کے درشنوں کو آتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کوئلے بیچا کرتا ہوں۔ اور یوں میرا اور میرے کنبے کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ چھوٹا کوٹھا کوئلوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور بڑے میں بھی تھوڑے بہت کل ہی ڈالے ہیں۔ یہ مکان کھولے دیتا

اس میں آپ سب بیٹھیے۔ میں کوئلہ سلگاتا ہوں۔ آگ سینکئے دم کے دم میں کیسی سردی ہوگئی ہے۔ اوہو آپ تو کانپ رہے ہیں۔ اور آپ کے تمام بستر بھیگے ہوئے ہیں۔

یہ کہکر بڈھے نے جیب میں سے کنجی نکالی اور مکان کا قفل کھولا۔ حقیقت میں اندر کا کوٹھا چھت تک کوئلوں سے بھرا ہوا تھا اور باہر کے کمرے میں بھی چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ پانچ چھ جوان جوان سادھو آئے اور انہوں نے مٹی کی دو کونڈیاں انگیٹھیاں جو وہاں رکھی تھیں کوئلوں سے بھر بھر کر اٹھائیں۔ اور باہر برانڈے میں لائے۔ دو نے ٹوکریاں بھر بھر کر کوئلے باہر ڈالے اور کمرے کو صاف کر کے بیٹھنے کے لائق بنایا۔ بڈھے بڈھے سادھو سردی سے کانپ رہے تھے۔ اور جوان بھی تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ بلند مقامات پر جہاں تیز ہوا چلی اور بارش ہوئی۔ مئی جون کے مہینوں میں میدانوں کی دسمبر کی سی سردی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ان میں سے بہتوں کے کپڑے بھی تر بتر ہو گئے تھے اور وہ اوروں سے زیادہ کانپ رہے تھے۔

بڈھے پہاڑی نے دیا سلائی نکالی اور اپنی چادر پھاڑ کر آگ روشن کی۔ کوئلے سوکھے ہوئے اور اچھے تھے تھوڑی دیر میں دہک گئے۔ اور وہی سادھو انگیٹھیوں کو اٹھا کر اندر لے آئے۔ کمرہ خاصہ بڑا تھا۔ اگر بڑا نہ ہوتا تو بڑی دقت درپیش آتی۔ کیونکہ سادھو تعداد میں چالیس تھے۔ اور بڈھا پہاڑی اکتالیسواں آدمی تھا۔ انگیٹھیاں بیچ میں رکھکر دیواروں کے سہارے صفیں باندھ باندھ کر سب بیٹھ گئے۔ اس وقت بارش کا ایسا زور شور تھا اور بادل ایسے گرج رہے تھے۔ کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ بڈھے نے اٹھکر مکان کے دروازے بند کئے اور اوپر کے روشندان کھولے تاکہ سردی سے بھی پناہ ملے اور تنفس اور دہکتے کوئلوں سے ہوا خراب ہوکر دم گھٹنے اور مرنے کی نوبت نہ پہنچے تھوڑی دیر میں کمرہ گرم ہوگیا۔ اور جو لوگ سردی سے کانپ رہے تھے اُن کی جان میں جان آئی۔

بڈھا پہاڑی ہاتھ باندھکر کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا مہاتماؤ! مجھے معاف کرنا۔ آپ سب بھوکے ہونگے۔ اور میں خود بھی بھوکا ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے لاچاری ہے۔ میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ جہاں آج آپ کا قیام کرنے کا ارادہ تھا۔ اور وہ یہاں سے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ اس طوفان میں وہاں جانا بالکل ناممکن ہے۔

سوامی برہمانند جو بڑے شانت اور میٹھا بولنے والے آدمی تھے۔ کہنے لگے ساہ جی تم ناحق فکر کرتے ہو۔ ہم میں سے بہت سے تو ایک آہاری یعنی ایک وقت کھانا کھانے والے آدمی ہیں۔ دوپہر کو کھانا کھا کر چلے تھے۔ ہمیں کچھ بھوجن کی ضرورت نہیں۔ اور جو دونوں وقت کھاتے ہیں۔ وہ بھی تو آخر سادھو ہی ہیں۔ سادھو کو سہن شیل ہونا چاہیئے۔ ہمارے لئے ہر جگہ دعوت تیار نہیں ملا کرتی۔ بعض دفعہ دو دو تین تین دن کے فاقے ہو جاتے ہیں بس تم ناحق ہمیں شرمندہ کرتے ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بہت سے سادھو بھوکے تھے۔ کیونکہ اول تو پہاڑی ہوا اور دوسرے چار یا پانچ گھنٹے کا سفر۔ بھوک کا لگنا کچھ تعجب کی بات نہیں تھی۔ اور اگر اس وقت انہیں کھانا ملتا تو شوق سے کھاتے لیکن اب چار و ناچار صبر کرتے ہی بنی سوامی برہمانند کے جن ایسے شانتی دائک تھے کہ سب یک زبان ہو کر بولے۔ مہاراج کھانا روز ہی کھاتے ہیں آپ ان باتوں کا ذکر ہی موقوف کیجئے۔

چونکہ کئی آدمی ساتھ بولے تھے۔ کمرے میں غل مچ گیا۔ برہمانند جی نے کہا۔ سادھو ایک ایک بولو تاکہ بات سمجھ میں آئے۔ یہ سن کر سادھو نتیانند جو راستے میں لگاتار آ رہا تھا۔ ایک عجیب خیال سوجھا اور اس نے برہمانند سے کہا مہاراج میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے آپ اجازت دیں تو گوش گزار کر دوں۔ برہمانند نے کہا ہاں کہو اور ضرور کہو۔ وہ بولا مہاراج ہم لوگوں کے پاس بستر کم ہے۔ اور اس مکان میں لیٹنے اور سونے کی جگہ بھی نہیں ہے۔ نہ بیٹھے بیٹھے نیند آئے گی۔ نہ سردی سونے دیگی۔ ہم آج رت جگا کیوں نہ کر دیں۔ جیسے آپ نے کہا ایک ایک بولو۔ ایک ایک ہی ٹولی اگیا سے ایک ایک دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانی گیان دھیان کی سنائے۔ پڑھی پڑھائی۔ سنی سنائی۔ آپ بیتی یا جگ بیتی۔ اس طرح آرام سے رات کٹ جائے گی۔ اور سادھو سنگ کا لابھ بھی ہم سب کو حاصل ہو جائیگا۔

سب نے اس رائے پر صاد کیا۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ بیٹا نتیانند۔ تم نے بہت ہی اچھی بات کہی۔ حقیقت میں ہم سب کو آج بیٹھے بیٹھے رات کاٹنی پڑے گی سونے کے واسطے نہ تو اس مکان میں جگہ ہے۔ نہ سردی سونے دیگی۔ بے شک رت جگا کر دو۔ اور سادھو سنگ کا فائدہ اُٹھاؤ۔ گیان دھیان کی باتوں میں رس ہوتا ہے۔ باتوں باتوں میں رات اس طرح گزر جائیگی کہ معلوم بھی نہ ہوگی۔ پھر یہ باتیں دلچسپ کہانیوں میں بیان ہوں تو سونے پر سہاگے کا کام دینگی۔ شاستر کا مضمون آسان نہیں۔ دقیق ہے۔ فلسفیانہ بحثیں اُٹھتی ہیں۔ پیچیدہ منطقی دلائل سے کام پڑتا ہے۔ جن میں طبیعت الجھتی ہے پر ان پر سوچنے سمجھنے والی طبیعتیں ہی غور و خوض کر سکتی ہیں لیکن ایسے آدمی سو میں پانچ بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ ہاں دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانیوں کے ذریعے سے مشکل سے مشکل باتیں آسانی کے ساتھ سمجھائی جا سکتی ہیں اور سب کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

سادھوؤ! تم سب ایک ایک کہانی ایسی بیان کرو۔ کہ ویدانت شاستر کے اعلیٰ خیالات کی اُن سے تشریح ہوتی چلی جائے۔ گیان دھیان کی سب باتیں آجائیں۔ عملی طریقے بتاؤ۔ پیچیدگیوں کو سلجھاؤ! اجمال کی تفصیل کرو۔ مشکل مضامین پر دلچسپی اور آسانی کی روشنی ڈالو۔ غرض شاستر کا مطلب آئینے کی طرح صاف کر کے دکھا دو۔ بیچ بیچ میں ہم بھی مطالب کی توضیح اور تشریح کرتے جائیں گے۔ بیٹا نتیانند! چونکہ یہ خیال تمہارا ہے۔ اس وجہ سے پہلی کتھا تم ہی شروع کرو۔ نتیانند نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کی اور اپنی داستان اس طرح بیان کرنا شروع کی۔

باب اوّل ابتدائی مرحلے " پہلے سادھو کی کہانی

خوشی کی زندگی میں دنیا کی بے ثباتی

جھوٹی دنیا کی ہے کہانی ساری ۔۔۔ اور نقش بر آب زندگانی ساری

یہ عالم تمثال ہے نیرنگ خیال ۔۔۔ اے طبع رواں تری روانی ساری

مہاراج! میں نے یہ گیروے کپڑے جنم سے نہیں پہنے ہیں یعنی میری پیدائش کسی سادھو کے گھر نہیں ہوئی ہیں ایک ساہوکار کا لڑکا اور ذات کا کھتری ہوں۔ میرے باپ کی دوکان نگرکوٹ میں تھی۔ اور وہ مرصع زیورات خرید و فروخت کرنے کے علاوہ لین دین اور ہنڈی پرچے کا بیوپار بھی کرتے تھے۔ نگرکوٹ ایسا استھان ہے جہاں شملے سے لگا کر سینٹ بندر امیٹو اور پشاور سے لے کر رنگون تک کے آدمی بھون کی جاترا کو آیا کرتے ہیں۔ اور بڑے میلوں یا خاص تیوہاروں پر ہی نہیں بلکہ تمام سال آنے جانے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ یہ لوگ میرے باپ کے نام ہنڈیاں لایا کرتے تھے۔ اُنکا سُود ہی اتنا پڑ جاتا تھا کہ ہمارا گزارہ فارغ البالی اور آسودہ حالی سے ہوتا تھا۔ گھر کا عالیشان سنگین مکان تھا۔ نوکر چاکر تھے۔ گائے بھینس اور گھوڑے تھے۔ غرض امیرانہ ٹھاٹھ تھا۔

میں نے بڑے ناز و نعمت سے پرورش پائی، کیونکہ اکلوتا بیٹا تھا اور ماں باپ نے بڑی عمر میں میری صورت دیکھی تھی۔ اچھے سے اچھے زیور اور کپڑے مجھے پہناتے تھے۔ اور اچھے سے اچھا کھانا مجھے کھلاتے تھے۔ دیس دیس سے باپ سے ملاقاتی بچپن میں میرے لئے کھلونے لایا کرتے تھے۔ چنانچہ میرا کمرہ عجائب خانہ معلوم ہوا کرتا تھا۔ ماں باپ نے ان لاڈلے نخروں کے ساتھ میری تعلیم و تربیت بھی نظر انداز نہیں کی تھی گھر پر پنڈت ملازم تھا۔ میں نے پہلے مہاجنی حساب اور ہندی پڑھنا لکھنا سیکھا۔ اور بعد میں سنسکرت پڑھی۔ اس زمانہ میں انگریزی کا بھی رواج ہوتا چلا تھا۔ ایک بنگالی بابو کوئی چار مہینے نگرکوٹ میں آ کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے انگریزی بھی پڑھائی۔ بعد میں اور اسباب پیدا ہوتے چلے گئے۔ جن سے اس زبان میں بھی اور اردو میں بھی مجھے خاصی دسترس ہو گئی:

لیکن ہندی اور سنسکرت کی مٹھاس کو کونسی زبان پہنچتی ہے ہندی میں میں نے تلسی داس جی مہاراج کی رامائین پڑھی تھی۔ اور بھگتی رس میں خاص مزہ آتا تھا سنسکرت میں یوں تو تھوڑا بہت ہر ایک شاستر دیکھا تھا لیکن ہمارے بوڑھے پنڈت کو ویدانت سے خاص شوق تھا۔ اور اس نے مجھے گیتا۔ اپنشد۔ برہم سوتر اور کھنڈ گرنتھ بھی پڑھائے تھے یوگ واسشٹ کو میں مزے لے لے کر پڑھا کرتا تھا۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اسکی زبان بڑی میٹھی اور گیان بہت اعلیٰ درجے کا ہے! اور کچھ اس باعث سے کہ مجھے مہاراج رام چندر جی کے چرنوں میں بڑا اشٹ تھا اور یہ کتاب بھی اصل میں رامائین ہی کا حصہ ہے:

بارہ برس کی عمر میں پاس ہی کے قصبے میں میری ایک اچھے گھرانے میں شادی ہو گئی تھی۔ بیوی نہایت حسین۔ خوش مزاج اور بڑی ہی نیک بخت عورت ثابت ہوئی۔ بغرض سب سامان ایسے جمع تھے۔ کہ ہمارے گھر میں چھوٹے بڑے۔ بڑی خوشی۔ اطمینان اور تسکین طبع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے میرے ماں باپ پُرانے فیشن کے دھرماتما ہندو تھے۔ اور انہیں سے میں نے سادھو سیوا۔ محتاجوں اور مستحقوں کو خیرات دینی۔ بزرگوں کا نام ادب سے لینا! اور ہر طرح کے نیک کاموں میں شوق ظاہر کرنا سیکھا تھا۔ پرمیشور ایسے محبت والے ماں باپ۔ گورو۔ استری اور نوکر چاکر سب کو دے۔ اس سنیاس کے عالم میں بھی جب مجھے ان میں سے کسی کا خیال آ جاتا ہے۔ تو دل میں جوش محبت موجیں مارنے لگتا ہے اور مُنہ سے بے اختیار دُعائیں نکلتی ہیں:

قطعہ

نہ پوچھو مجھ سے اے دوستو اور اے بزرگو تم — جدائی میں تمہاری بات کیا منہ سے نکلتی ہے
تمہاری مہربانی کا خیال آتا ہے جب دل میں — اُمنڈتی ہے محبت اور دُعا منہ سے نکلتی ہے

بچپن کے زمانے میں ماں باپ مجھے اور میری بیوی کو اکثر میلوں تماشوں میں لے جاتے تھے۔ چنانچہ گرد و نواح کے سب دلکش مقامات اور مناظر میرے دیکھے ہوتے ہیں۔ ان کا بیان یہاں ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اور یہ سب یہاں تما ہفتوں سے پہاڑی مناظر کی سیر کرتے چلے آتے ہیں۔ نوراتروں یا دیوی پوجا کے ایام میں ہم سب نگرکوٹ میں قیام کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان دنوں میں ہمارے ہاں دکان کا کام بھی بہت ہو جاتا تھا۔ اور جہان بھی بہت آجایا کرتے تھے۔ ان میلوں میں عجیب عجیب تماشے میری نظر سے گزرے ہیں۔ میں نے ایسے سادھو اور گرہستی بھی دیکھے ہیں۔ کہ سچے دل سے درشنوں کو آتے تھے۔ اور آگرا اور شبھ کرم کر کر کے اپنے جنم کو سپھل کرتے تھے۔ اور ایسے بدمعاش فقیر اور گرہستی بھی دیکھے ہیں۔ جو عورتوں کو گھورنے۔ غریب راسخ الاعتقادوں کے ٹھگنے اور اپنی دوکانداری جمانے کی غرض سے آتے تھے۔ یہ حال باہر ہی کے آنے والوں کا نہ تھا۔ بلکہ پنڈوں اور پجاریوں میں بھی انہیں دونوں قسم کے بہترے لوگ دیکھے۔ جن میں بعض میرے ملاقاتی بھی تھے۔

میرے والد بزرگوار اور پنڈت جی نے خود یہ دونوں طرح کے آدمی مجھے دکھائے تھے اور اُنکی طرف رغبت و نفرت دلائی تھی۔ ایک سال میلا بڑا ہی بھاری ہوا۔ بڈھے بڈھے آدمی کہتے تھے کہ ایسا ہجوم کبھی نہیں دیکھا۔ جہاں دیکھو دیس دیس کے آدمی پھرتے اور سیر کرتے نظر آتے تھے۔ ننگے سر والے بنگالی۔ بانکی ٹوپی دھرے لکھنوی اور دہلوی خاص قسم کی پگڑیاں باندھے مرہٹے اور گجراتی۔ غرض ان دنوں میں نگرکوٹ نصف جہان نظر آتا تھا۔ بازاروں میں چلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ دکانداروں کو ہوش نہیں آتا تھا۔ کیا خرید و فروخت تھی کیسی آرائش تھی۔ کس طرح کا ہجوم رہتا تھا۔ رات کے وقت اور بھی رونق ہوتی تھی۔ کہیں رت جگا ہو رہا ہے۔ اور دیوی کی بھینٹیں گائی جا رہی ہیں کسی نے روشنی بولی ہے۔ اور رات کو دن بنا رکھا ہے۔ یہ رونق اور کیفیت اب تک میری نگاہ میں ہے۔ ہم تینوں جس وقت چاہتے تھے سیر کو چلے جاتے تھے۔ اور دُور و نزدیک تماشے دیکھتے پھرتے تھے۔

میرے ماں باپ جیسے سادھو سبھاؤ اور نیک نیت تھے۔ ویسے ہی پرماتما نے ہمیشہ انہیں خوش رکھا۔ میں جب پچیس سال کا ہوا تو وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے لیکن سب قویٰ سالم تھے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ اسی سال میرے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ جیسی خوشی انہیں ہوئی شاید کسی کو نہیں ہوئی ہوگی۔ دونوں خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تھے۔ کیا کیا بدھائیاں باٹیں۔ کیسی کیسی خیرات کی۔ اور کس تکلف کے جلسے کئے۔ کہ سب عش عش کرتے رہ گئے۔ جو آتا تھا یہی کہتا تھا۔ ساہ جی! یہ تمہارے پُنوں کا پھل ہے۔ تمہاری سی زندگی پرمیشور سب کی کریں۔ یہ سُن سُن کر وہ بچارے بچھے جاتے تھے۔ کہ واہ مہاراج! ہم کس لائق ہیں آپکی بڑائی ہے کہ ہمیں بڑا بناتے ہو۔ کیوں نہ ہو۔

منظور ہے دنیا میں اگر ہمت عالی — کر گردن تسلیم کو خم اور زیادہ

لیتے ہیں ثمر شاخ ثمر در کو جھکا کر جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

اس نیک نہادی اور خوشی و خرمی کے ساتھ میرے ماں باپ اور گورو عرصہ دراز تک لطف زندگی لیتے رہے۔ آخر یہ جہان فانی ہے، اُنہیں بھی ایک روز سفر آخرت پیش آیا۔ پہلے گورو نے قضا کی۔ پھر والدہ نے اور پھر والد نے! ایک مہینے کے اندر اندر سب عالم بقا کو سدھار گئے۔ مجھے تینوں سے بڑا ہی حسن وعقیدت تھا۔ میں نے اِن کے سایۂ عاطفت میں لطف و محبت، تسکین طمانیت۔ اور خوشی و راحت کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اور میں تہ دل سے اِن کے ساتھ محبت کرتا اور احسان مانتا تھا۔ ایک مہینے میں تینوں کی مفارقت سے جو صدمہ میرے دل پر گزرا وہ دل ہی جانتا ہے۔ زبان بیان نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں نہایت مغموم اور متفکر رہنے لگا۔

میری نیک بخت اور پارسا بیوی یہ حال دیکھکر بہت کڑھتی اور ایک روز کہنے لگی۔ تم بھگت جن ہو۔ نیک کام کرنے والے ہو اور تم نے شاستر پڑھا ہے۔ ان سب باتوں پر اس طرح موہ جال میں پھنسنا ہرگز ہرگز شایاں نہیں ہے۔ پیارے پتی! جہان گزراں ہے۔ یہاں سدا کون رہا ہے۔ اور کون رہ جائے گا۔ گیانی ہو یا یوگی ہو۔ سنت ہو یا مہاتما ہو۔ یہاں تک کہ اوتار بھی کیوں نہ ہو۔ جو اس دار ناپائدار میں پیدا ہُوا ہے۔ ایک روز اُسے مرنا بھی لازمی اور لابدی ہے موت ایک ناگزیر امر ہے۔ اس میں کیا فکر کرنا اور تو اور ایک دن ہمیں خود یہاں سے چلا جانا ہے۔ تمہیں ان تینوں ست پرشوں سے سچا پریم ہے۔ اور احسان مانتے ہو تو اُنکے نام پر کچھ دھرم کے ایسے کام کرو۔ جن سے اُن کا نام رہے۔ اور تمہاری طرح اور لوگ بھی اُنہیں ذکر خیر سے یاد کیا کریں۔

یہ میٹھے بچن اس نیک عورت کے منہ سے یوں نکلے جیسے پھول جھڑتے ہیں۔ اور مجھے سن کر ایسی تسکین ہوئی۔ جیسے پیاسے کو پانی پی کر اور بھوکے کو روٹی کھا کر ہوتی ہے۔ میں کہا پیاری تم نے بڑی اچھی بات کہی۔ بولو کیا دھرم کا کام کریں؟ ہم دونوں عرصہ تک نیک نیک تجاویز سوچتے اور آپس میں اُنکے نفع و نقصان پر بحث کرتے رہے۔ آخر فیصلہ یہ کیا کہ ماں باپ کے نام پر ایک لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا مدرسہ جاری کریں اور گورو کے نام سے ایک دھرم شالا بنوائیں جس میں حاتری آکر ٹھیریں اور آرام پائیں۔ میرے مکان شہر میں بہت سے تھے اور ایک بڑا باغ تھا۔ اُن کو میں نے نفع سے فروخت کر دیا۔ اور دو مکان مدرسوں کے لئے ایک عالیشان دھرم شالہ بنوائی۔ عمارت کے کام میں دلچسپی بہت ہوتی ہے۔ چھ مہینے میں مکان بنکر تیار ہوئے۔ اس عرصے میں میرا غم غلط ہوگیا۔ اور میں پہلے کی طرح شانتی سے رہنے سہنے لگا۔ مکان بن کر تیار ہوگئے۔ تو میں نے ایک رقم کثیر اُنکے واسطے وقف کی تاکہ میں نہ رہوں تو بھی یہ کارخانہ اسی طرح جاری رہے۔ رسم افتتاح کے دن ایک بڑا بھاری یگیہ کیا گیا۔ اور اس میں غریب امیر سب کی پرتکلف دعوت ہوئی اور محتاجیں اور مستحقین کو بہت کچھ خیرات دیگئی۔ اس سے شہر میں کیا دُور دُور میرا نام ہوگیا۔ اور لوگوں نے بہت کچھ تعریف کی۔ لیکن میں اس تعریف سے اتنا خوش نہیں ہوا جتنا تین دھرم کے کام جاری ہونے سے خوش ہُوا۔ مہاراج! اس طرح کے کام تعریف کے واسطے جو شخص کیا کرتے ہیں۔ وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ میں نے ویدانت شاستر میں پڑھا تھا کہ آدمی کرم کرے تو نشکام کرے یعنی کسی غرض کو مدنظر رکھ کر نہ کرے۔ چنانچہ میں جو کام کیا کرتا تھا۔ اُن میں اسی اُصول طلائی پر میرا عملدرآمد تھا۔

یگیہ کے دُوسرے روز میں صبح ناشتہ کرکے گھر میں پلنگ پر لیٹا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جت کی برتی بڑی شانت ہوتی ہے۔ چنانچہ مثل ہے کہ کھانے کے بعد یا شمشان میں آدمی کے نفس کی جو کیفیت ہوتی ہے اگر ہمیشہ وہی رہے تو وہ آدمی سے دیوتا ہو جائے۔ میرے چہرے پر تبسم تھا۔ اور دل اندر سے مسکن اور مطمئن تھا۔ بیوی پاس بیٹھی ہوئی پان بنا رہی تھی۔ اس نے مجھے یوں خوش دیکھا تو آپ بھی بہت خوش ہوئی۔ اور مُسکرانے لگی۔ اس وقت تک اس کا وہ حسین چہرہ میری نظر کے سامنے پھرتا ہے۔ رنگ کندن کی طرح دمکتا تھا۔ اور اس سے تمام گھر میں روشنی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں سفید سفید دانت ایسے خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ گویا گلاب کی پنکھڑیوں میں چمیلی کی کلیاں لطف دکھا رہی ہیں۔ مسکراتے مسکراتے اس نے مجھ سے پوچھا۔ پیارے! کیا خوشی کی باتیں سوچ سوچ کر مُسکرا رہے ہو؟

میں نے کہا پیاری! میں یہ سوچ رہا ہُوں کہ میں کیسا خوش نصیب آدمی ہوں بچپن میں میرے ماں باپ اور گورو نے اس طرح مجھ پر سایۂ عاطفت رکھا کہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دی۔ آج تمام شہر میری خوش بختی سراہتا ہے۔ زر و مال۔ مکان و اسباب۔ نوکر چاکر۔ جانور سواری صحت و عزت لڑکے لڑکیاں سب مجھے میسّر ہیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ تم ساکشات لکشمی کی صورت مجھے پتنی بن کر ملی ہو۔ تمہارا رُوپ چاند کو شرماتا ہے اور تمہارے گُن کرم سبھاؤ دیویوں کے سے ہیں۔ شہر میں میری تعریف ہو رہی ہے لیکن سچ یوں ہے کہ مدرسہ اور دھرم شالا تمہارے ذہن میں پہلے آئے تھے۔ اس تمام تعریف کی مستحق تم ہو۔ میں نہیں ہوں۔ میں ہنس رہا تھا کہ تعریف ہونی کس کی چاہیئے تھی اور ہو کس کی رہی ہے۔

میری پیاری بیوی یہ سُن کر خوشی سے کھل گئی اور کہنے لگی۔ پیارے! ہم اور تم کیا دو ہیں۔ تمہاری تعریف میری ہی تعریف ہے۔ پرماتما نے جو تمہیں یہ خوشی کے اسباب دیئے ہیں۔ وہ تمہاری طبعی نیکی اور بھلائی کا نتیجہ ہیں۔ نوکر چاکر رشتہ دار اور اجنبی سب تمہارے حُسن اخلاق کے مدّاح ہیں۔ اور تمہارے احسانات کے ممنون احسان۔ مجھے تو تم جان سے بھی پیارے ہو۔ میں تو پرمیشور سے یہی پرارتھنا کیا کرتی ہُوں کہ دُوسرے جنم میں بھی میرا تمہارا یہی سمبندھ بنا رہے اور ہم کبھی ایک دُوسرے سے جُدا نہ ہُوں۔ یہ کہکر اُس نے مجھے پان بنا کر دیا۔

پان کا دینا تھا کہ مجھے معلوم ہوا مکان ہلتا ہے۔ میری بیوی گھبرا کر اُٹھی اور کہتی ہوئی دوڑ کر کمرے کے باہر گئی۔ رام رام کیا سخت بھونچال ہے۔ ارے میرے بالک کہاں ہیں۔ میں بھی اُٹھا۔ لیکن مکان کی جنبش سے مجھے چکر آنے لگا۔ اور میں نے پلنگ کی پٹی پر سہارے کے لئے ہاتھ رکھا۔ میرا پختہ سنگین مکان اس طرح ہلتا تھا۔ جیسے کوئی پنکھا جھل رہا ہے۔ آناً فاناً۔ جیسے ہزار توپوں کی باڑ ایک دم سے چھوٹے ایسا شور و غل میرے کان میں آیا اور میں پلنگ سے اچھل کر اس طرح زمین پر گرا جس طرح گیند گرتی ہے۔ گرد و غبار گرد و پیش چھایا ہوا تھا۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اس شور و غل سے میرے گئے ہوئے حواس ٹھکانے آئے اور میں نے سوچا غضب ہوا۔ زلزلے میں میرا مکان گرا۔ پرماتما خیر کریں۔

حقیقت میں زلزلہ نہایت ہی سخت آیا تھا۔ اس کا جھٹکا میرا مکان نہیں سہار سکا۔ جس کمرے میں میں بیٹھا ہوا اپنی نیک بخت بیوی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی چھت اور سامنے کی دیوار اس طرح دھم سے صحن میں گری جس طرح کسی نے ہاتھوں میں اٹھا کر پھینک دی ہو۔ پس پشت کی دیوار بھی اسی رُخ گرتی تو میرا کام تمام ہو گیا ہوتا۔ اور اس وقت میں اپنی سرگزشت آپ کے سامنے بیان نہ کر رہا ہوتا۔ لیکن وہ سامنے کی دیوار کے مقابل یعنی میری پس وپشت گری اس طرح میری جان بچ گئی۔ عرض کی دیواریں بھی گریں اور اُسکی اچٹتی ہوئی اینٹیں میرے لگیں۔ لیکن کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ میں نے جوں توں دو چار قدم بڑھائے۔ تاکہ کمرے سے باہر نکلوں لیکن یکے بعد دیگرے زلزلے کے اور دھچکے مجھے محسوس ہوئے اور میں پھر گرا۔

اُٹھا تو کچھ دیکھنا بھالنا تو در کنار۔ گرد میں سانس نہیں آتا تھا۔ وہ تو خیریت یہ تھی کہ میرے مکان کا صحن بہت فراخ تھا۔ ورنہ اور بہتیرے غریبوں کی طرح دم گھٹ کر جان نکل گئی ہوتی۔ تھوڑی دیر میں گرد کچھ اوپر چڑھی کچھ نیچے بیٹھی تو مجھے سانس بھی ذرا آسانی سے آنے لگا۔ اور آنکھوں کو کچھ دکھائی بھی دینے لگا۔ کچھ نہ پوچھیئے جو سانحہ جاں خراش میری نظر سے گزرا۔ یہ پانچ سات منٹوں کا وقفہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سالہا سال گزر گئے۔ اور وقت کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔ آہ یہ وقت ختم ہُوا تو میں نے کیا دیکھا۔ کہ میرا مکان جس پر مجھے ہی نہیں تمام شہر کو ناز تھا۔ پتھر اینٹ اور ملبے کا ڈھیر تھا۔ نہ کمروں کے نشان معلوم ہوتے تھے۔ نہ صحن کی حدود نظر آتی تھیں۔ فقط ملبے کا ڈھیر تھا۔ اور کچھ نہیں۔ اور منہدم مکانوں میں لوگ دبے ہوں۔ تو شاید اُنہوں نے چیخیں ماری ہوں۔ نالہ و فریاد کی ہو۔ لیکن میرے گھر میں کسی نے آواز تک نہیں دی۔

جانور جن مکانوں میں بندھے ہوئے تھے۔ بندھے بندھے جان سے گئے۔ نوکر جہاں کھڑے یا بیٹھے تھے وہاں کھڑے یا بیٹھے دب کر مر گئے۔ بچے جہاں کھیلتے تھے۔ کھیلتے کھیلتے جان سے گزر گئے۔ ہاں میری پیاری بیوی جو ابھی دوڑ کر دالان سے باہر نکلی تھی۔ اس کا کیا حال ہُوا۔ کہیں اس مقابل کی دیوار اور چھت کے گرنے سے وہ تو دب کر نہیں مری۔ میں یہ سوچ رہا تھا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یکایک پاس ہی ایسی آواز آئی۔ جیسے نزع میں کوئی بڑے بڑے سانس لے کر دم توڑ رہا ہو۔

اب چونکہ گرد کا وہ پہلا سا حال نہیں رہا تھا۔ مجھے صاف نظر آیا۔ کہ حقیقت میں چھت اور دیوار کے گرنے سے میری بیوی دبی ہوئی پڑی ہے۔ اس کا تمام جسم پتھر۔ اینٹ اور کاٹ کباڑ کے نیچے ہے۔ سر بیشک کھُلا ہوا ہے۔ لیکن تمام چہرہ گرد میں اٹا ہُوا ہے۔ اور سانس بمشکل آتا ہے۔ ملبے میں سے اس کو باہر نکالنا میرے احاطہ امکان سے باہر تھا۔ اور تن تنہا نکالنا بھی تو گھنٹوں کا کام تھا۔ اور وہاں دم شماری کی نوبت تھی میں نے دھوتی سے اسکے مُنہ پر پنکھے کی طرح ہوا کرنی شروع کی۔ اس سے سانس ذرا آسانی کے ساتھ آنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے سے گرد بھی جھاڑی اور زور زور سے ہوا کرنے لگا۔ سانس لینے میں اسے ذرا اور بھی آسانی ہوئی۔ لیکن بہتیرا چیخ چیخ کر پکارا۔ وہ نہ بولی۔ کیونکہ غشی کا عالم طاری تھا۔ اور وہ بالکل بے ہوش تھی۔ اسے نہ دُنیا و مافیہا کی خبر تھی۔ نہ اس بات کی کہ خود اس پر

کیا تکلیف گزر رہی ہے۔ اور اُس کے خاوند یا بچوں کا کیا حال ہے۔

مثل مشہور ہے کہ جب تک سانس ہے۔ تب اُس ہے۔ میں نے جو اپنی بیوی کو پہلے کی نسبت زیادہ آسانی سے سانس لیتے دیکھا۔ خیال ہوا کہ کچھ آدمی مدد کو آجائیں تو اسکی جان بچ جائے گی۔ چلو اور کسی کو لاؤ۔ مگر سوال یہ تھا کہ چلوں کدھر اور کہاں۔ ہر طرف ملبے کے ڈھیر ہی ڈھیر نظر آتے تھے۔ نہ مکانوں کا پتہ چلتا تھا۔ نہ بازاروں کا پہلی روز نہ مشق سے جدھر دروازے کا خیال تھا۔ میں نے ادھر کا رخ کیا اور کچھ نشان ذہن میں رکھتا گیا کہ آتے ہوئے راستہ نہ بھول جاؤں۔

تھوڑی دور پر ایک اونچا سا ڈھیر تھا۔ ہاتھ اور پاؤں کے بل میں اس پر چڑھا اور بھون یا دیوی کے مندر کی طرف نظر دوڑائی۔ وہ چمکتا ہوا سونے کا کلس جو میلوں سے دکھائی دیا کرتا تھا۔ اور جسے دیکھکر جاتری لوگ جے کارے بولا کرتے تھے۔ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کوٹ جو قدیم تاریخی زمانے میں بڑے بڑے راجاؤں کی راج دھانی رہا تھا۔ جسے محمود غزنوی نے لوٹا تھا۔ اور جس پر مسلمان بادشاہوں نے بار بار چڑھائی کی تھی جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بھی قبضہ رہا تھا۔ اور اب سرکار انگریزی کے ماتحت تھا۔ غرض وہ کوٹ جس سے ہمارا شہر ہی نگر کوٹ کہلاتا تھا۔ اب کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے آنکھیں ملیں کہ کہیں نگاہ کی تو غلطی نہیں ہے۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ لیکن دونوں عالیشان عمارتوں کا کہیں نشان نظر نہیں آیا۔

اسی طرح گلی کوچے اور بازاروں کی جگہ ٹوٹے ہوئے مکانوں کے ڈھیر تھے۔ کوئی بالکل منہدم اور مسمار ہو گئے تھے اور کسی کے کچھ حصے گر گئے تھے۔ اور کچھ قائم تھے۔ یہ اور بھی بھیانک معلوم ہوتے تھے۔ جس بازار میں کھوے سے کھوا چھلا کرتا تھا۔ اس کا اب پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔ کہ ادھر تھا یا اُدھر۔ میں نے ڈھیر پر سے اپنی طرح کچھ آدمی گرد میں اٹے ہوئے دیکھے۔ بعض کہیں کہیں بیٹھے تھے۔ بعض پھرتے چلتے تھے۔

میں اُتر کر اُن کی طرف چلا۔ لیکن جگہ جگہ ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے ڈھیروں پر اترنا چڑھنا سخت دقت کا سامنا تھا۔ بڑی مشکل سے بہت دیر میں تھوڑی سی راہ طے ہوتی تھی۔ میں چلتا جاتا تھا۔ اور پکارتا جاتا تھا۔ لوگو میں فلاں شخص ہوں۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ میری بیوی دبی پڑی ہے۔ اس کو چل کر نکالو۔ لیکن چلتا کون اور نکالتا کون؟ جگہ جگہ سے رونے اور چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جو دب گئے تھے اور ادھ موئے ہو رہے تھے وہ چلاتے تھے ارے کوئی نکالنا۔ ارے کوئی بچانا۔ ارے کوئی پانی دینا۔ جو خود نہیں دبے تھے وہ میری طرح شور مچا رہے تھے۔ کہ میرے باپ کو نکالنا۔ میرے بیٹے کو بچانا۔ ہائے میری ماں مری۔ ہائے میری بیوی مری۔

اس نالہ و زاری کو سُن سُن کر دل بیٹھا جاتا تھا۔ میں نے ایک دو کی مدد کرنی چاہی۔ لیکن بے سود ثابت ہوئی۔ آخر میں واپس پھرا اور جو نشان ذہن میں قائم کئے تھے۔ انہیں دیکھتا بھالتا چلا۔ لیکن ایک نشان یاد رہے دو یاد رہیں۔ ہر طرف یکساں کھنڈر اور مکانوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ خدا جانے کہاں کا کہاں نکل گیا۔ اور کتنی دیر تک ٹکریں مارتا پھرا۔ وہی جاں خراش نالے اور جان فرسا آوازیں سنائی دیتی تھیں اور وہی تباہی و بربادی کے

کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ اس طرح میں گھنٹوں حیران و پریشان پھرتا رہا۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ کیا تھا اور دم کے دم میں کیا ہوگیا۔ کہاں میری ناز و نعم کی زندگی کہ کبھی فکر اور رنج کا نام بھی نہیں جانا اور کہاں یہ مصیبت کہ نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ بیوی بچے رشتہ دار مکان جائداد سب آناً فاناً خواب کا سا نقشہ ہوگیا۔

میں اس طرح دریائے فکر میں غوطہ زن تھا کہ پاس سے شور اٹھا پکڑو لوٹ لے چلا میرے پاس سے دو قد آور جوان بھاگے بھاگے گئے۔ اور انکے پیچھے ایک عورت روتی پیٹتی آئی کہ ہائے میرا زیور چھین لے گئے ایسے ایسے سین اور بھی میری نظر سے گذرے کہ بیکس مردوں عورتوں اور بچوں کا مال و اسباب بعض انسان صورت دیو سیرت آدمی ہاتھوں میں سے زبردستی چھین کر لے گئے الاماں الاماں وہ وقت کیسے غضب کا وقت تھا کہ اس دم تک اسکے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کے بداعمال کسی نے سچ کہا ہے۔

آدمی زادہ طرفہ معجون است — کز فرشتہ سرشتہ وز حیوان
گر کند قصد ایں شود بہ ازیں — ور کند میل آں شود بد ازاں

ایک طرف کچھ زیادہ شور و غل کی صدا آئی۔ میں ادھر گیا۔ تو ایک نشان جو میں نے گھر کے قریب ذہن میں قائم کیا تھا۔ مجھے نظر آیا۔ یہ غل تو کسی غریب لٹنے والے کا تھا۔ اور قلیل تر عرصے میں مجھ سے اس کا فاصلہ زیادہ ہوگیا۔ لیکن نشان پاکر میں اپنے گھر کی طرف قدم بڑھاتا ہوا چلا۔

تھوڑی دیر میں میں اپنے مسمار شدہ مکان کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ جہاں میری نیم جاں بیوی دبی ہوئی پڑی تھی۔ وہاں میں نے تین چار آدمی گرد میں اٹے ہوئے دیکھے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شائد میری مدد کو آئے ہیں۔ اور میری بیوی کو ملبے میں سے نکال رہے ہیں۔ لیکن جو دلخراش سین راہ میں دیکھتا آتا تھا۔ اُن سے میرا ماتھا ٹھنکا۔ اور میں دوڑتا ہوا اُن کی طرف چلا۔ ایک شخص نے مجھے آتا ہوا دیکھا اور جب تک میں وہاں پہنچوں۔ وہ سب فرار ہوگئے۔ ان آدمیوں نے حقیقت میں میری بیوی کو مکان کے خرابے میں سے نکالا تھا۔ لیکن اس کی جان بچانے کیلئے نہیں۔ بلکہ زیور ہتھیا لینے کے واسطے کمبخت چھلا چھلا تک اُتار لے گئے تھے۔ میں نے بیوی کی ناک اور منہ پر ہاتھ رکھا۔ لیکن وہ شائد عرصہ ہوا۔ کہ مر چکی تھی۔ دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہوگئی اور جدھر یہ لٹیرے قزاق بھاگ کر گئے تھے۔ میں بے ساختہ اُدھ دوڑ کر چلا مگر ایک پتھر سے اس طرح ٹھوکر کھا کر گرا کہ مجھے ہوش نہیں رہا۔

بیہوشی سے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سرکی کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک چارپائی پر دراز ہوں۔ اور ایک ڈاکٹر نبض پر ہاتھ رکھے کہہ رہا ہے۔ بخار اب نہیں ہے۔ میں نے غلط سمجھا تھا کہ اس نوجوان کو میعادی بخار ہے۔ بیشک اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بخار کا باعث زیادہ تر رنج و غم اور تھکان تھے۔ خدا جانے غریب کون ہے۔ اور اس مصیبت کے سمے میں اس نے کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں۔ تین روز کیسے زور کا بخار چڑھا رہا ہے اور غفلت میں کیسی بے ٹھکانے باتیں کرتا رہا ہے اب یہ بھلا چنگا ہے۔ اسے دودھ پلاؤ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد بدن صاف کر کے کپڑے بدل دو۔

مجھے اب ہوش تو آگیا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں ہوں اور

کیا ہو رہا ہے۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ سے دودھ کا کٹورا میرے منہ سے لگایا۔ پی کر میری جان میں جان آئی۔ میرا کرتہ دھوتی اور بستر سب پسینے میں تر بتر تھا۔ ایک شخص نے خشک کپڑے سے میرا بدن پونچھا اور مجھے نئی دھوتی اور کرتہ پہنایا۔ میں پہنتا جاتا تھا اور حافظے کے پردے اُٹھتے جاتے تھے وہ زلزلے کا دلخراش سین میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اپنے مکان کا گرنا اور بیوی بچوں کا مرنا یاد آیا۔ اور میں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ جو شخص مجھے کپڑے پہنا رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ساہ جی رنج اور غم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ پرماتما کی مرضی یوں ہی تھی۔ جو ہوا سو ہُوا۔ کیا سوچتے ہو۔ تم ابھی کمزور ہو۔ فکر کے خیالات چھوڑ دو۔ اور ابھی لیٹ کر آرام کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو پھر بخار چڑھ آئے اور تمہاری تکلیف بڑھ جائے میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ اس نے بتایا۔ کہ ہم آریہ سماج کی ہمدردی کے آدمی ہیں۔ لاہور سے آئے ہیں۔ اس طرح برہمو سماج۔ سناتن دھرم سبھا اور اور سوسائیٹوں کی منڈلیاں بھی یہاں کام کر رہی ہیں۔ سرکاری فوج اور پولیس بھی آئی ہوئی ہے۔ جو لوگ مدد کے محتاج ہیں۔ اُن کو ہم کھانے پینے سے مدد دیتے ہیں۔ جن کے چوٹیں آئی ہیں۔ اُنکا علاج کر رہے ہیں۔ کھود کھود کر آدمیوں کو نکالا ہے۔ مُردوں کو جلایا ہے۔ زندوں اور ادھ مووں کا علاج کیا ہے۔ غرض جو کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم نفع رسانئے خلائق کی غرض سے کر رہے ہیں۔ میں نے اسے دھنیباد کہا۔ اور پھر اپنی چارپائی پر غافل ہو کر سو رہا۔

(باقی پھر)

اوم

ہیں زنجیریں کٹ چکیں

از قلم:- شری جگن ناتھ کھنہ صفی

ہے اگر سر اُنتی کے پتھ پہ بھارت بالیقیں
ہاں وہی رشیوں کی بھومی اور پوتر سرزمیں

تھے جس کے سامنے تھا سورگ بھی شرمندہ ہیں ہم
راگ ابھی رو چھیتا کا سُن کے سر دُھنتے ہیں ہم

وید کا پرکاش ہُوا تھا جس میں وہ یہ دیش ہے
وشو کو جس نے دیا وہ آتمک اُپدیش ہے

رام کی بھومی ہے جو ہے کرشن کا لیلا ستھل
بدھ گوتم اور کپل سے تھے جہاں اہلِ عمل

چار سُو عالم میں جس کا فلسفہ مشہور تھا
دیش وہ جو نعمتوں سے ہو رہا بھرپور تھا

دودھ اور گھی کی جہاں نہریں تھیں بہتی شک نہیں
اور تھی سونا اُگلتی جس کی دھرتی بالیقیں

قحط پڑ جائے کا جب اِس دیش میں کچھ ڈر نہ تھا
جو نہ ہو بھرپور خوشیوں سے یہاں کوئی گھر نہ تھا

کوٹلیہ نیتی جس جگہ کی جگت میں وکھیات تھی
جب سلیوکس کو ہرانا کچھ نہ مشکل بات تھی

اے صفی بدلے ہوئے یاں اب تو سب حالات ہیں
ہیں سمسیائیں انوکھی اور نئی آفات ہیں

ہیں زنجیریں کٹ چکیں وہ داستاں کی شک نہیں
پر ہمیں احساسِ آزادی ہوا اب تک نہیں

مغلیہ خاندان کی خاتون جہاں آرا بیگم کے تاثرات

ایک سبق آموز تاریخی ورق

(شری کا لنشی رام چاولہ)

دنیا میں انسان کو انفرادی طور پر اور جماعتی طور پر جو تعلیم تاریخ سے ملتی ہے! وہ کسی ذریعے سے نہیں ملتی۔ بلاشبہ دھرم شاستر یعنی مذہبی کتابیں انسان کی بہبودی اور اصلاح کے لئے اچھی اچھی تعلیم دیتی ہیں۔ لیکن جو سبق تاریخی واقعات سے ملتا ہے۔ وہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک مجرب چیز ہوتی ہے۔ اوم کے پاٹھکوں کے لئے وقتاً فوقتاً نہایت اہم اتہاسک گھٹنائیں اوم کے ذریعہ ان کے سامنے رکھی جائیں گی۔ جن کے مطالعہ سے جہاں وہ ایک طرف محظوظ ہونگے دوسری طرف ان کو اپنی زندگی کے سدھار کے لئے نہایت اعلیٰ سبق بھی حاصل ہوگا۔ اس لیکھ میں مغلیہ خاندان کے وقت کا ایک تاریخی واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ جہاں بادشاہ کا بڑا بیٹا دارا شکوہ تھا۔ وہی تخت کا جائز وارث تھا۔ وہ نہایت شریف اور علم دوست نوجوان تھا۔ ہندومت کے گرنتھ اسے بہت بھاتے تھے۔ اپنشدوں پر تو وہ لٹو ہو گیا تھا اور اس نے اپنشدوں کا ترجمہ فارسی زبان میں کر دیا تھا۔ اسی ترجمہ سے پھر فرانسیسی زبان وغیرہ میں اپنشدوں کے ترجمے ہوئے اور اسی سلسلہ میں انکا پرچار یوروپ کے ممالک میں ہوا۔ اگر دارا شکوہ بطور جائز وارث کے ہندوستان کے تخت پر بیٹھ جاتا تو مغلیہ خاندان کی اور ہندوستان کی اس زمانہ کی تاریخ بالکل مختلف بن جاتی لیکن قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ دارا شکوہ اپنے باپ کی بھی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور اسے اپنے بھائی بہنوں سے بھی محبت تھی لیکن اورنگ زیب اس کا چھوٹا بھائی بڑا متعصب تھا۔ وہ اپنے کٹر پنے کی وجہ سے نہیں چاہتا تھا۔ کہ دارا شکوہ جیسا صلح کل اور نیک نیت انسان تخت پر بیٹھے۔ وہ خود تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اور اس مطلب کے لئے جو اس نے کمینہ حرکتیں کیں ان کا سیاہ دھبہ اسکی پیشانی پر سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ اس نے اپنے باپ کو قید کر دیا۔ اس کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا اور باوجود اپنے باپ کی خواہش اور گذارش کے اس کو کسی طرح کا شغل تک مہیا نہ کیا۔ شاہجہاں چاہتا تھا کہ وہ جیل میں چند لڑکوں کو تعلیم دے کر اپنا وقت نکال لے لیکن اورنگ زیب نے اس بات کو بھی منظور نہ کیا تھا۔

باپ کو قید کرنے کے علاوہ اس نے اپنے بھائیوں دارا شکوہ اور شجاع کو بڑی بے رحمی سے قتل کروا دیا۔ اور انکی بیویوں کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ دارا شکوہ قتل اور اس کی بیویوں کی داستان سخت رقت انگیز ہے۔ وہ کبھی دوسرے لیکھ میں بیان کی جائیگی۔

شاہجہاں کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک جہاں آرا بیگم تھی جو بڑی تعلیمیافتہ لڑکی تھی۔ وہ دارا کی شرافت اور نیکی سے بڑی متاثر تھی۔ اس لئے اسے اچھا سمجھتی تھی۔ لیکن اورنگ زیب کو اسکی وحشیانہ اور ظالمانہ کرتوتوں کی وجہ سے برا جانتی تھی۔ دوسری بہن اورنگ زیب کی خوشامد کرتی تھی اور اسے خفیہ طور پر سب خبریں بھجواتی تھی۔ اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کے قتل ہو جانے پر

بڑی خوشیاں منائی تھیں، لیکن جہاں آرا کو جو رنج دارا کی دردناک موت سے ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ وہ اورنگزیب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

جہاں آرا اپنے باپ سے بھی بہت پیار کرتی تھی۔ اور اسی لئے اُس نے اپنے باپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں رہنا منظور کیا تھا۔ کہ وہاں وہ اپنے پیارے باپ کی کچھ خدمت کرسکے۔ ان ایام میں وہ جو کچھ حالات دیکھتی اور سُنتی تھی۔ انہیں قلمبند کرکے کاغذ کے وہ اوراق اس مکان کے بالاخانہ کی ایک گہری دراڑ میں پھینکتی جاتی تھی۔

انگریزوں کے عہد میں یوروپین مرد وزن مغلیہ خاندان کے شاہی مقامات کی سیر دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ ان میں ایک خاتون انڈیرا یوئین ستون، نامی آئی۔ وہ چونکہ ہر ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس دراڑ میں اُس نے کوئی چیز بہت نیچے پڑی ہوئی دیکھی۔ کوشش کرکے اُسے نکلوانے پر وہ کاغذ کے پارے تھے اُس نے وہ سب نکلوالئے اور دیکھا تو پر پتہ لگا۔ کہ وہ تو جہاں آرا بیگم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اوراق ہیں۔ جن میں مغلیہ خاندان کے زوال اور دیگر واقعات کو نہایت خوبصورت طریقے سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس یورپین خاتون نے ان اوراق کا ترجمہ کرواکے اسے کتابی شکل دیدی جو لنڈن میں ۱۹۳۱ء میں چھپوائی گئی۔ اس کتاب کا نام ہے:" مغل شہزادی جہاں آرا کی سوانح عمری"، افسوس کہ اب یہ کتاب کہیں نہیں ملتی۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک دوست کے پاس یہ کتاب دیکھی تھی۔ میں نے اس میں سے چند نوٹ لے لئے تھے۔ وہ ناظرین ادب کی نذر کئے جائیں گے۔ آج اس کا کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ شریمتی انڈیرا نے لکھا ہے کہ ان اوراق کا مطالعہ کرنے سے ہی اسے اس بات کا انکشاف ہوا۔ اور اُسے پتہ لگا کہ ہندوستان میں وہ عظیم الشان سلطنت مغلیہ جس کی بنیاد بابر نے ڈالی تھی۔ جس کو اکبر نے ترقی دی تھی۔ اور جو شاہ جہاں کے وقت سرسبز ہی تھی، کن وجوہات سے تباہ ہوئی۔

جہاں آرا بیگم نے اس میں لکھا ہے کہ اے بدقسمت ہندوستان! تیری سرزمین پر خون کی ندیاں بہیں لیکن وہ خون تیری مٹی کو جوڑکر تجھے کبھی بھی ایک متحدہ سلطنت نہ بنا سکا۔ تاکہ تیرا نام دنیا میں چمک کر اور گرج اُٹھتا۔ میں اس کا باعث ڈھونڈنے میں اتنی پریشان ہو جاتی ہوں کہ اپنی سرآسیمگی میں اپنے سر کے بال نوچ ڈالتی ہوں۔ اپنے گلے کے ہار کے موتی توڑ پھینکتی ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے اس کا جواب نہیں ملتا۔ اسی سوچ میں میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ پھر میں بہت پچھلے قدیم زمانے کی طرف نگاہ دوڑاتی ہوں تو اپنے تصور میں دیکھتی ہوں کہ ہندوستان کے خوبصورت پہاڑوں میدانوں میں ایک لشکر کے بعد دوسرا چلا جا رہا ہے۔ ایک لڑائی کے بعد دوسری لڑائی ہورہی ہے۔ جیسے کہ سمندر کے ایک طوفان کے پیچھے دوسرا طوفان اُٹھ رہا ہو۔ وہ طوفان ملک کو تاخت و تاراج کرتا ہوا اور ملک کی دولت اور خزائن کو بہاتا ہوا اور لوٹتا ہوا لے جارہا ہے جو صدیوں کی محنت سے اکٹھی کی گئی تھی۔

"کچھ عرصہ کے لئے پھر امن ہوا دکھائی دیتا ہے شاندار مندر اور محل پھر کھڑے کئے جاتے ہیں انکی شان دیوتاؤں کی رہائش گاہ کو بھی شرمانے والی ہوتی ہے اور وہ دیکھو پھر ایک نیا طوفان آگیا پھر وہی تباہی غارت گری، وہی خوفناک جنگ اور وہی خون کے نالے بہتے دکھائی دیتے ہیں: جمنا ندی اپنے کنارے پر واقع قلعہ کو مسمار کرکے صاف کردیتی ہے کیا جمنا اب بجائے پانی کے خون کی ندی نہیں بن گئی۔ اس میں نہ معلوم اپنی دھار میں صدیوں سے کتنا خون سمندر میں پہنچایا ہے۔

اور اس سے سمندر کا پانی بھی خون آلودہ ہونے سے سرخی مائل بن گیا ہے۔ اسکی جھاگ اور بلبلے سبھی ہیں تو خون کی لالی نظر آتی ہے۔ یہ سرخ پانی سورج دیوتا اوپر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس لئے جو بادل بھی اس سے بنتے ہیں۔ ان میں سرخ جھلک ہے بادلوں کا رنگ بھی ارغوانی ہے۔ وہ بادل ہمارے سر پر منڈلاتے ہیں۔ ان میں یہ سرخی کہاں سے آئی۔ اسی زمین سے ہی تو لی ہے سمندر کے پانی سے ہی تو حاصل کی ہے۔

شاہجہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم اپنے بھائی اورنگ زیب سے سخت ناراض تھی کیونکہ اس نے اپنے باپ شاہجہاں کو قید کر دیا۔ اور بھائیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا، اصل وارث تخت شاہجہاں کا بڑا لڑکا دارا شکوہ تھا۔ اسی لئے اس کو بھی اورنگ زیب نے قتل کر دیا تھا۔ اور چونکہ شاہجہاں دارا شکوہ کو ہی اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے اورنگ زیب نے اسے قید کر دیا تھا۔ جہاں آرا بیگم اپنے باپ کے ساتھ قید خانہ میں رہ کر اسکی خدمت کرتی تھی۔ اور جو ظلم و تشدد اورنگ زیب کی طرف سے ہو رہا تھا اسکی داستان لکھ لکھ کر وہ پرچے قلعہ کی ایک دراڑ میں ڈالتی جاتی تھی۔ وہ سبھی اوراق ایک مغربی خاتون کے ہاتھ قلعہ کی سیر کے دوران میں لگے۔ اور اس نے انہیں کتابی شکل دیکر انگریزی زبان میں شائع کرا دیئے۔

جہاں آرا بیگم نے پہلے تو ہندوستان کی سرزمین پر افسوس کیا ہے۔ کہا ہے کہ یہ سرزمین کتنی سرسبز اور کتنی پُرلطف ہے۔ لیکن یہاں کے رہنے والے آپس کی جنگ و جدل کیوجہ سے اسے غیر ملک والوں کے حوالے کر کے خود غلامی کی زنجیریں پہن رہے ہیں۔ جہاں آرا نے ہندوستان کے اقبال و زر و مال کی دردناک داستان کو ایسے درد افروز الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ اس ملک والوں کی بدقسمتی پر رونا آتا ہے۔" کیونکہ اب بھی وہی باہمی اختلافات کا بے سُرا راگ الاپا جا رہا ہے۔ کہیں صوبوں کی بناوٹ پر جھگڑا ہے تو کہیں زبان کے متعلق لے دے ہو رہی ہے۔ ایک مغربی مورخ نے لکھا ہے۔ کہ انگریزوں نے اپنی بہادری سے ہندوستان پر اپنا سکہ نہیں جمایا۔ بلکہ ہندوستان کی باہمی کشمکش کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر اور ایک کو دوسرے کے خلاف ٹھہرا کر اپنی سلطنت قائم کی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ آمد برسر مطلب۔

جہاں آرا بیگم نے لکھا ہے کہ ہندوستان غیر ملکی فاتحوں اور لٹیروں کے لئے ایک طوائف یا زن بازاری بنی رہی ہے۔ جس نے چاہا اس پر سوار ہو گیا۔ ان لوگوں نے اس سرزمین میں بڑی بے دردی اور بے رحمی سے لوٹ کھسوٹ مچائی ہے۔ ان میں ظلم و نفرت کا جذبہ کام کرتا تھا، اگر وہ لوگ ہمدردی اور بہبودی کے خیال سے بسنے بسانے کی کوشش کرتے تو یہ زمین اپنے بچوں کے لئے نہایت طاقتور اور خدمت گذار ماں بن سکتی تھی۔"

کاش کہ ہندوستانی بھائی جہاں آرا بیگم کے ان الفاظ پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کر کے اب بھی اس کو اونچا اٹھانے میں کوشاں ہوں اور اسے واقعی ایک مضبوط ماں بنا کر اسکی گود میں آرام کریں، ایسا نہ ہو کہ وہی مثل صادق آئے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

جن دنوں میں جہاں آرا بیگم اپنے متذکرہ بالا جذبات کو حوالہ قلم کر رہی تھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ایام میں یوروپین لوگوں کی آنکھیں ہندوستان پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ اپنا جال بچھانے کی تجویزیں سوچ رہے تھے۔ اسی لئے جہاں آرا نے ایک موقعہ پر لکھا ہے۔ کہ سرد ہوا کا ایک جھونکا مغرب سے اُٹھ رہا ہے۔ اسکی وجہ سے میرا جسم کانپ رہا ہے۔ دل بیٹھا جا رہا ہے۔ یہ ایک بھاری طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ اور

خون کی ندی اُمڈتے والی نظر آرہی ہے ــــ "مغلیہ سلطنت کی اورنگ زیب کے ہاتھوں تباہی ہوتے دیکھ جہاں آرا نے لکھا ہے۔ رات کے وقت دہلی مجھے ہو کا عالم دکھائی دیتی ہے جس طرح تیمور کے زمانہ میں ایک طوفان آیا تھا۔ اب پھر اسی قسم کے طوفان کے آثار پیت پانی میں دکھائی دے رہے ہیں۔ جو بربادی کا نقشہ اس وقت چاہتا تھا۔ اب سامنے آرہا ہے۔"

جہاں آرا بیگم ایک ہندو راجپوت لڑکے سے محبت کرتی تھی۔ اس نے اس لڑکے کی بہادری اور عالی حوصلگی، دانائی اور جرأت کا اتنا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ اس لڑکی کی علمیت اور قابلیت کو ہزار زبانوں سے سراہنا پڑتا ہے۔ پھر جس دلکش طریقے سے اس نے اپنی ناکام محبت کی داستان بیان کی ہے۔ اسے پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس بیان کے آخر میں جہاں آرا نے کہا ہے کہ "میں ایک راجپوت نوجوان کو اپنے دل وجان سے چاہتی تھی لیکن اس سے شادی نہ کر سکی۔ کیونکہ شہنشاہ اکبر نے شاہی خاندان کی لڑکیوں کی شادی کی مناہی کر رکھی ہے) کو کہتے سنا کہ "ہندوستان کی عظمت اسلئے خاک میں مل جاتی ہے۔ کیونکہ ہم راجپوت جن کو ماتری بھومی کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔ آپس میں ہی برتری حاصل کرنے کیلئے خانہ جنگی کرتے رہتے ہیں۔

اورنگ زیب کی بدکرداریوں کی وجہ سے جہاں آرا بیگم اسے بہت بُرا سمجھتی تھی خاص کر اسلئے کہ وہ سلطنت مغلیہ کی جڑوں میں تیل دے رہا تھا۔ اسکے متعلق جہاں آرا نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اورنگ زیب گورے رنگ کا تھا۔ ایک موقعہ پر جہاں آرا نے اپنے جذبات کا اظہار اس طور پر کیا ہے۔

"میں اس سفید سانپ کو کتنی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ جو کہ آج ہم سب پر حکمراں ہے۔ میرا مطلب اورنگ زیب سے ہے۔ اے اورنگ زیب! تیری عقل جتنی تیز ہے تیرا دل اتنا ہی سخت اور سیاہ ہے۔ تیرے دل میں یہ دُھن ہمیشہ سمائی ہوئی ہے۔ کہ میں اکیلا ہی سب پر حکومت کروں۔ جب تو ہر کو مہ کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل رہا ہوتا ہے۔ تیری مکار آنکھ مسکرا رہی ہوتی ہے۔ جب تو بچہ ہی تھا تو ایک رمتے جوگی نے بالکل سچی پیشنگوئی کی تھی کہ تو اپنے باپ دادا کی سلطنت کو تباہ کرنے والا ہوگا:

اے اورنگ زیب! میں بھی آج ایک پیشنگوئی کرتی ہوں۔ بے شک تو طاقتور ہے اور تو خدا سے ڈرتا تو ہے لیکن خدا سے محبت نہیں کرتا۔ اسی طرح لوگ تجھ سے خوف تو ضرور کھائیں گے لیکن تیرے لئے انکے دلوں میں ذرہ بھر بھی عزت یا محبت نہ ہوگی۔ ہمارے دادا انصاف پسند اور رعایا پرور شہنشاہ اکبر جب کسی کو ایک تانبہ کا پیسہ عطا کرتے تھے۔ تو انکی نیک دلی کی وجہ سے وہی سونا بن جاتا تھا لیکن جو کچھ تو دیتا ہے۔ وہ نوکیلے کانٹے بن جاتے ہیں۔ اس نے تو سب کو ملایا تھا تو سب کو پچھاڑ رہا ہے۔ اے وعدہ شکنی اور عہد شکنی کی مورتی اورنگ زیب! یاد رکھ جو گناہ تو نے اپنے والد بزرگوار سے ظلم روا رکھنے کا کیا ہے اسے تو کبھی فراموش نہیں کر سکیگا۔ وہ تجھے سدا بے چین رکھے گا۔ وہ گناہ عمر بھر تیرے دماغ میں خلش پیدا کرتا رہیگا۔ جہاں تو جائے گا تیرا اپنا سایہ ہی بھوت بن کر تیرے پیچھے پڑے گا۔ تیرا یہ گناہ تجھکو راہ راست سے بھٹکا دیگا۔ جس قرآن کی تلاوت تو روز کرتا ہے۔ اسکی کوئی آیت تجھے اس بھوت کے آسیب سے چھٹکارا نہ دلا سکے گی۔ ان گناہوں کی وجہ سے تو قبر میں بھی چین نہ پا سکے گا۔ جس بے دردی سے تو نے اپنے بے گناہ بھائی دارا شکوہ کو مروایا ہے اُس کی آنکھیں نکلوائی ہیں پھر جس بے رحمی سے شجاع کو قتل کروایا ہے۔ جو بدسلوکی تو اپنے بوڑھے باپ سے کر رہا ہے۔ یہ گناہ نہ صرف تیری ہی تباہی کا باعث ہونگے بلکہ تیرے باپ دادا کا نام ونشان ہی مٹا دیں گے۔"



گزشتہ سے پیوستہ
سلسلہ کیلئے دیکھو پرچہ
ماہ دسمبر سنہ ۱۹۶۹ء



دشمیش پتا کی جیون جھانکیاں
دینا میں قیام

گورو صاحب نے ماہی کی زبان سے اپنی پوجیہ ماتا اور دونوں چھوٹے صاحبزادوں کی دردناک شہادت کا حال نہایت حوصلہ اور صبر سے سنا۔ دونوں بڑے لڑکے اجیت سنگھ اور جھجار سنگھ اُنکی آنکھوں کے سامنے جنگ چمکور میں شہید ہو گئے تھے۔ اتنے انتہائی جانکاہ صدمات کے باوجود اُن کے پائے ہمت میں ذرا لغزش نہ آئی۔ اگلے دن رائے کلاّ سے وداع ہو کر آپ پھر اپنے سفر پر روانہ ہو پڑے۔ آپ مالوہ کے گاؤں گاؤں میں پھرے۔ مالوہ کے دیہات میں پھرتے پھرتے آپ دینا ضلع فیروزپور پہنچے۔ یہاں لکھمیر سمیرا اور تخت مل تینوں بھائی گورو صاحب سے اپنی خاندانی عقیدت کا اظہار کرنے کیلئے آئے۔ یہ تینوں بھائی مشہور دلاور رائے جودھا کے بیٹے تھے۔ جس نے گورو ہرگوبند صاحب کی قیادت میں گورو سر کے مقام پر مغل جرنیلوں کو شکست فاش دی تھی۔ مالوہ کے ایک ایک گاؤں سے لوگ گورو صاحب کے درشنوں اور اُن کے مکھار بند سے پروچن سننے کے لئے جوق در جوق آنے لگے۔ کوٹ کپورہ کے چودھری کپورا کے بیٹے سکھیہ اور ھمیرا ٹبری شمرد ھاسے گورو صاحب کی شرن آئے۔ اور اپنی تمام جاگیر گورو صاحب کے چرنوں میں رکھ دی۔ وہ ایک سو دیہات کے مالک تھے۔ اس پر گورو صاحب نے ھمیرا کو آشیرباد دی کہ اُس کی اولاد دیش کے ایک حصہ پر راج کرے گی۔ فریدکوٹ کا راجہ اس ھمیرا کے خاندان سے ہے۔

اب یہاں کچھ مدت کے لئے گورو مہاراج کو قدرے فراغت حاصل ہوئی۔ انہوں نے اس وقت کا بہترین استعمال کیا۔ دمدمہ صاحب میں آپ نے سری دشم گرنتھ کی تالیف فرمائی جو 1066 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور جس میں 17263 اشعار ہیں۔ بچتر ناٹک میں اُنکی مختصر سوانحعمری ہے سری دشم گرنتھ کے مندرجہ ذیل حصص ہیں:-

(۱) جپ صاحب۔ (۲) اکال استت۔ (۳) بچتر ناٹک۔ (۴) چنڈی چرتر۔ (۵) وشنو اوتار۔ (۶) میر مہدی۔
(۷) اُپ اوتار۔ (۸) شبد۔ (۹) سوئیے۔ (۱۰) سستر نام مالا۔ (۱۱) وار سری بھگوتی جی کی۔ (۱۲) گیان پربودھ۔
(۱۳) چرترپکھیاں۔ (۱۴) حکایات بزبان فارسی۔ (۱۵) متفرق۔ (۱۶) ظفر نامہ۔

دینا میں گورو صاحب کو اورنگ زیب کی طرف سے دلی میں آکر ملاقات کرنے کا خط ملا تھا۔ گورو صاحب نے فارسی زبان میں اس کا جواب دیا۔ جو کہ ظفر نامہ کے نام سے مشہور ہے۔

اورنگ زیب

اورنگ زیب چونکہ اپنے بھائیوں کو قتل کر کے اور اپنے والد کو قیدی بنا کر تخت نشین ہوا تھا اس لئے اپنی بد اعمالیوں کو چھپانے کے لئے اور دنیا کی نظر میں اپنی ساکھ پیدا کرنے کے لئے دینداری کا ڈھونگ رچائے ہوئے تھا۔ خود اورنگ زیب کے والد شاہجہان نے اپنے ایک تاریخی قطعہ میں اس پر زور تائید کی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اسیری کے دنوں میں شاہجہاں کو صرف تین گھڑے

پانی کے روزانہ مہیا کئے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد تین کی جگہ صرف دو گھڑے پانی آنے لگا۔ یہ شاہجہاں کی روزانہ ضرورت کے لئے ناکافی تھا۔ اس نے یہ دلدوز اشعار لکھکر اورنگ زیب سے شکایت کی:-

آفریں باد ہندوؤاں ہر باب مُردگاں را دہند نان و آب

اے پسر! تو عجب مسلمانی پدر زندہ بہ آب ترسانی

میں ہندوؤں کو ہر لحاظ سے آفریں کے قابل سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے بزرگوں کے نام پر اُن کے مرنے کے بعد بھی روٹی پانی دیتے ہیں۔ اے بیٹا! تو عجب مسلمان ہے۔ کہ زندہ باپ کو پانی کے لئے ترسا رہا ہے"۔

ظفر نامہ

(پہلا خط۔ از طرف گورو گوبند سنگھ جی بنام شہنشاہ اورنگ زیب

۱۔ بنامِ خداوندِ تیغ و تبر خداوندِ تیر و سنان و سپر

(۱) خط کا آغاز اس نام سے کرتا ہوں۔ جو تلوار، کلہاڑے۔ تیر۔ نیزے اور ڈھال کا مالک ہے۔ اُسی مالک کی دی ہوئی قوت سے یہ ہتھیار کارگر ہوتے ہیں۔

۲۔ خداوندِ مردانِ جنگ آزما خداوندِ اسپانِ پادر ہوا

(۲) اور اس نام سے شروع کرتا ہوں۔ جو دلاور سپاہیوں کا مالک ہے اور جو تیز رفتار گھوڑوں کا مالک ہے۔

۳۔ ہماں کو ترا بادشاہی بداد بما دولتِ دیں پناہی بداد

(۳) اور اسی نام سے جس نے تجھے بادشاہت عطا کی اور ہمیں یہ نعمت دی کہ ہم دھرم کی حفاظت کریں۔ تو بادشاہ ہے اور ہم دین و ایمان کے محافظ ہیں۔ تیرے پاس دولتِ دُنیا ہے۔ اور ہمارے پاس دولتِ دین۔ ان دونوں دولتوں کے تقسیم کرنے والے خُدا کے نام سے یہ خط لکھ رہا ہُوں۔

۴۔ ترا ترکتازی بہ مکر و ریا مرا چارہ سازی بہ صدق و صفا

تو مکروفریب سے لوٹ مار کرتا ہے اور (اس طرح اپنی بادشاہت کو قائم رکھتا ہے) ہم ہر کام سچائی اور پاکیزگی سے سرانجام دیتے ہیں۔ ہم دونوں کی روش کار الگ الگ ہے۔

۵۔ نہ زیبد ترا نام اورنگ زیب نہ اورنگ زیباں نباید فریب

(۵) تجھے اورنگ زیب کا نام زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ اورنگ زیبوں (بادشاہی تخت کو زیب دینے والوں) کو یعنی بادشاہوں

کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مکر و فریب سے کام لیں۔ بادشاہوں کو مکر و فریب نہیں کرنا چاہئے۔ اس شعر میں گورو جی نے اورنگ زیب کو عیارانہ فطرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۶۔ نہ تسبیحت از سبحہ و رشتہ بیش کزاں دانہ سازی وزاں دام خویش

اے اورنگ زیب! تیری تسبیح منکا اور دھاگے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ان منکوں اور دھاگوں سے تو عوام کو پھانسنے کے لئے دانہ و دام کا کام لیتا ہے۔

۷۔ تو خاک پدر را بہ کردار زشت بخون برادر بدادی سرشت

اے اورنگ زیب (میں تیری خصلت اور تیرے اعمال کو جانتا ہوں) نہایت بدخصلتی سے تو نے اپنے باپ کی مٹی کو اپنے بھائی کے خون سے گوندھا تھا۔ یعنی اپنے بھائی کو ہلاک کر کے اپنے بوڑھے باپ کو رنج و قلق کے عالم میں قیدی بنائے رکھا۔ اور بڑھاپے میں اسکی مٹی پلید کی تھی۔

۸۔ وزاں خانۂ خام کردی بنا برائے در دولت خویش را

اور اس سے یعنی باپ کی گرفتاری اور بھائی کی ہلاکت سے اپنی حکومت کا بے بنیاد و کچا مکان تیار کیا۔ حکومت اور بادشاہت چند روزہ ہے۔ کچے مکان کی طرح جلد ہی گر جائیگی۔ لیکن اس چند روزہ۔ بے بنیاد بادشاہت کی خاطر تو نے جو کرتوت کی ہے۔ وہ ہمیشہ تاریخ میں تیرے لئے باعث لعنت رہے گی۔

۹۔ من اکنوں بہ افضال پرش اکال کنم زآب آہن چناں برشگال

میں اب اکال پرکھ کی کرپا سے امرت کا ایسا مینہ برسا رہا ہوں (یعنی بیشمار لوگوں کو امرت چھکا کر سنگھ سجا رہا ہوں)

۱۰۔ کہ ہرگز ازاں چار دیوار شوم نشانے نماند بریں پاک بوم

کہ اب سے یعنی میرے سنگھوں کی بہادری سے اس پوتر بھارت دیش میں اس منحوس چار دیواری کا (یعنی تیری منحوس بادشاہت کا) کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔

زکوہ دکن تشنہ کام آمدی زمیواڑ ہم تلخ جام آمدی

اے اورنگ زیب (اب تمہیں کہیں بھی کامیابی نصیب نہ ہوگی) دکن کے پہاڑوں سے تو ناکام لوٹا۔ میواڑ راجستھان میں بھی انہوں نے تیرے دانت کھٹے کر دیئے۔ وہاں سے بھی تو نامراد ہو کر واپس آیا۔

۱۲۔ بریں سو چوں اکنوں نگاہت رود کہ آں تلخی و تشنگیت رود

اس لئے تیری وہ خفت (جو تو نے دکن اور میواڑ میں شکست کھا کر اٹھائی ہے) دور ہو سکے اور وہ ہوس (جو ملک گیری کے لئے تو رکھتا ہے) سیر ہو سکے۔ اب جو پنجاب کی طرف تیری نظر جا رہی ہے۔ تو

۱۳۔ چناں آتشے زیر نعلت نہم زپنجاب آبت نہ خوردن دہم

(یاد رکھ) تیرے پاؤں کے نیچے ایسی آگ رکھ دونگا (تجھے ایسا پریشان کرونگا) کہ تجھے پنجاب میں پانی تک پینے نہیں دونگا۔

۱۴۔ چہ شُد گر شغالے بہ مکرو ریا ہمی کُشت دُو بچۂ شیر را

کیا ہُوا اگر ایک بزدل ۔ پاجی ۔ گیدڑ نے دھوکہ فریب سے شیر کے دُو بچوں کو مار ڈالا۔

۱۵۔ چُوں شیر ژیاں زندہ ماند ہمی ز تو انتقامے ستاند ہمی

چونکہ غضبناک شیر ابھی زندہ ہے ۔ اس لئے وہ تجھ سے ضرور بدلہ لے گا۔

۱۶۔ نہ دیگر گرائم بہ نام خُدات کہ دیدم خُدا و کلامِ خُدات

اب مَیں تیری خُدا کی قسم کبھی نہ مانونگا ۔ کیونکہ میں نے تیرا خُدا اور کلام خُدا پر اعتماد دیکھ لیا ہے۔ (اب میں سمجھ گیا ہُوں کہ تو پرلے درجہ کا جھوٹا ہے) تجھے خدا اور قرآن کا بھی پاس نہیں)

۱۷۔ بہ سوگندِ تو اعتبارے نماند مرا جُز بہ شمشیر کارے نماند

مُجھے تیری قسم پر اب اعتبار نہیں رہا ۔ اب تلوار اُٹھائے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

۱۸۔ تو ئی گرگ باراں کشیدہ اگر نہم نیز شیرے ز دامے بدر

اگر تُو جنگ وجدل کے معاملات میں پرانا گھاگ ہے ۔ تو میں نے بھی اپنے بہادر شیروں کو کھُلی چھٹی دیدی ہے وہ تم سے نپٹ لیں گے۔

۱۹۔ اگر باز گفت و شنیدت بہ ماست نمائم ترا جادۂ پاک راست

اگر تو ہمارے ساتھ پھر بات چیت کرنا چاہے ۔ تو ہم تمہیں سیدھی راہ دکھا سکیں گے۔

۲۰۔ بہ میدان دُو لشکر صف آرا شوند ز دُوری بہم آشکارا شوند

اس شعر میں گورو مہاراج نے اپنے اور اورنگ زیب کے درمیان بات چیت کی تجویز پیش کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ بات کس ڈھنگ سے ہو کہ میدان میں دونوں لشکر (تمہارا لشکر اور ہمارا لشکر) ایک دُوسرے کے آمنے سامنے قطار باندھے کھڑے ہو جاویں ۔ اور دُور سے ایک دُوسرے کو نظر آئیں ۔ (دونوں لشکروں کے درمیان فاصلہ رکھا جائے۔)

۲۱۔ میانِ دُو ماند دُو فرسنگ راہ چُوں آراستہ گردد ایں رزم گاہ

دونوں لشکروں کے درمیان دُو کوس کا فاصلہ رکھا جاوے ۔ اور جب یہ میدان تیار ہو جاوے

۲۲۔ ازاں پس دراں عرصۂ کارزار من آئم بہ نزدِ تو با دُو سوار

اُس کے بعد میں اُس میدان کارزار میں (جو دُو فوجوں کے درمیان تیار ہوگا ۔ جو صلح کا میدان بھی ہوگا ۔ اور جنگ کا بھی) دُو گھوڑ سواروں کے ہمراہ تیرے پاس آؤں گا۔

۲۳۔ تو از ناز و نعمت ثمر خوردۂ ز جنگی جواناں نہ بر خوردۂ

تو شاہی خاندان کا فرد ہونے کے ناطے ناز و نعمت میں پلا ہے ۔ تو نے جنگی جوانوں سے کچھ حاصل نہیں کیا ۔ مُراد یہ کہ تو نے کبھی جوانوں کے دوش بدوش لڑکر یہ نہیں دیکھا ۔ کہ وہ کس جانفروشی سے میدان جنگ میں لڑتے ہیں ۔ تو محلوں کا ناز پرودہ ہے ۔ صرف حکم چلانا جانتا ہے ۔ تو کیا جانے فوجی سپاہی کس دلیری اور جانبازی سے میدان جنگ میں دُو دُو ہاتھ کرتے ہیں۔

حکم چلانا اور بات ہے۔ میدان جنگ میں موت کا مقابلہ کرنا اور بات ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان نوجوانوں کو خونریزی پر آمادہ نہ کیا جاوے۔ تو اس درمیانی میدان میں صلح کے لئے آ۔ اور لڑنا ہی ہے۔ تو ــ

۲۴۔ بہ میداں بیا خود بہ تیغ و تبر مکن خلق خلاق زیرو زبر

تو میدان میں تیغ و تبر لیکر (مسلح ہوکر) خود آ۔ (اور ہم سے دو دو ہاتھ کر کے دیکھ لے۔ خلقت خدا کو برباد مت کر۔

(ختم شد)

دوسرا خط

(۱) کمالات۔ قائم کریم رضا بخش ورازق رہاق و رحیم

وہی سب سے بڑا صاحب کمال ہے۔ ابنا شی ہے۔ دیالو ہے۔ اپنی خوشی سے بخشتا ہے۔ روزی دینے والا۔ پاک۔ رحمت کرنے والا ہے۔

(۲) اماں بخش و بخشندہ و دستگیر خطا بخش و روزی دہ دل پذیر

پناہ دینے والا۔ بخشش کرنے والا۔ ہاتھ پکڑنے والا یعنی ساتھ دینے والا۔ گناہوں کو معاف کرنے والا۔ روزی دینے والا۔ نہایت ہنر مندی اور خوبصورتی کے ساتھ ہر ایک کو رزق پہنچاتا ہے۔

(۳) شہنشاہ خوبی دہ و رہنموں کہ بے گون و بے چوں و چوں بے نگوں

وہی ذات مقدس سب کو نیکی کرنے کی توفیق دیتی ہے۔ راستہ دکھانے والا بے رنگ۔ بے چوں یعنی بے کیف جس کا بیان نہ کیا جا سکے۔

(۴) نہ سازو نہ بازو نہ فوج و نہ فرش خداوند بخشندۂ عیش و عرش

نہ اس ذات باری کے پاس کاربرآری کے لئے نوکر چاکر ہیں۔ نہ فوج۔ نہ بادشاہوں کی طرح محلات۔ نہ فرش و قالین۔ وہ ذات زمین و آسمان پر اپنی قدرت کاملہ سے اپنے آپ رحمت کر رہی ہے۔

(۵) جہاں پاک زیر است و ظاہر ظہور عطا می دہد، ہمچو حاضر حضور

یہ پوتر برہمانڈ اسکے بس میں ہے۔ وہ ہر جگہ ظاہر ہے اور ہر جگہ حاضر ہوتا ہے۔ سب کو روزی دیتا ہے۔ سب پر کرم کرتا ہے کوئی جیو اس کی توجہ سے باہر نہیں۔

(۶) عطا بخش و پاک پرور دگار رحیم است [illegible] دہ ہر دیار

وہ نعمتیں بخشنے والا۔ پاک پروردگار ہے۔ رحیم ہے اور ہر دیش کا روزی رساں ہے۔

(۷) کہ صاحب دیار است و اعظم عظیم کہ حسن الجمال است و رازق رحیم

سنسار کا مالک۔ بہت بڑا حسن و جمال رکھنے والا۔ رزق دینے والا۔ اور رحمت کرنے والا ہے۔

(۸) غریب الپرست و غنیم الگذار　　کہ صاحب شعور است عاجز نواز

احساس و ادراک رکھنے والا۔ رگ رگ کی جاننے والا۔ عاجزوں پر بخشش کرنے والا غریب نواز۔ دشمن کو مارنے والا۔

(۹) حقیقت شناس و نبی الکتاب　　شریعت پرست و فضیلت مآب

اپنے نیم اور قانون پر چلنے والا۔ بزرگی والا۔ جائے پناہ۔ بہت بڑا۔ اصلیت کو پہچاننے والا۔ الہامی کتابیں رچنے والا۔ اور نبی یعنی خبر دینے والا ہے۔

(۱۰) حقیقت شناس است ظاہر ظہور　　کہ دانش پژوہ است و صاحب شعور

کھوج کرنے والا۔ انسانی عقل میں سرایت کرنے والا۔

(۱۱) کشایندۂ کار۔ عالم کشائے　　شناسندۂ علم عالم خدائے

پہچاننے والا بستسار اور سنسار کی رچنا کا پورن گیاتا۔ سنسار میں جیووں کی حرکات و سکنات کا محرک ہے۔

(۱۲) شناسندۂ علم عالم امیر　　گزارندۂ کار عالم کبیر

وہ امیر و کبیر ہستی۔ دنیا کے تمام کاموں کو سر انجام دے رہی ہے۔ اور وہ سنسار کے تمام کاموں کو جانتی ہے۔

(۱۳) کہ ایزد گواہ است یزداں یکے ست　　مرا اعتبارے بریں حلف نیست

خدا واحد ہے۔ اور خدائے واحد گواہ ہے۔ کہ مجھے تمہاری اس قسم پر کوئی اعتبار نہیں۔

(۱۴) کہ بخشی و دیواں ہمہ کذب گوست　　نہ قطرہ مرا اعتبارے بروست

مجھے تیری قسم پر رتی بھر اعتبار نہیں۔ کیونکہ تیرے بخشی اور دیوان تمام جھوٹے ہیں۔

(۱۵) ہماں روز آخر شود زار و خوار　　کسے قول قرآں کند اعتذار

تو یاد رکھ۔ تو نے قرآن کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔ لیکن تجھے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جو آدمی قرآن کی قسم کھا کر انحراف کرتا ہے وہ قیامت کے دن ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

(۱۶) بروے دست دارد نہ زاغ دلیر　　ہما را کسے سایہ آید بزیر

کوئی آدمی ہما کے سایہ کے نیچے آجائے (اتنا خوش قسمت ہو جائے تو اس پر گستاخ کوّے حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اس مہان اکال پرکھ کے سایہ ہو۔ اس پر معمولی قسم کے انسان کا کوئی حملہ کارگر نہیں ہو سکتا۔

(۱۷) نہ گیرد بزد میش آہو گزر　　کسے پشت افتد پس شیر نر

اگر کوئی آدمی شیر کی پیٹھ پر بیٹھا ہو (شیر پر سوار ہو) تو بھیڑ بکری اور ہرن جیسے جانوروں کی کیا مجال کہ اس طرف سے گذر بھی سکیں۔ (میں اس شیر روپی اکال پرکھ کی گود میں بیٹھا ہوں۔ اے اورنگ زیب تجھ جیسے ہرنوں بھیڑوں بکریوں کی کیا مجال کہ میرا بال بیکا کر سکے۔)

نہ یک گام ہم بیش ازاں بردمے　　بہ مصحف قسم خفیہ گر خوردمے

اگر میں اپنی خدائی کتاب کی دل میں بھی قسم کھا لیتا۔ تو میں ایک قدم بھی تجاوز نہ کرتا۔ میں اپنی قسم کا پورا پورا احترام کرتا

تو نے اعلانیہ اپنے خطیں لکھکر قسم کھائی اور پھر انحراف کیا۔

(۱۹) ببا ید کہ یزداں شناسی کنی ‏ ‏ نہ گفتہ کساں کس فراشی کنی

تجھے خدا پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ اور لوگوں کی اکساہٹ پر خلق خدا کو آزار نہیں پہنچانا چاہیئے۔

(۲۰) عجب است انصافِ دیں پروری ‏ ‏ کہ حیف است صد حیف ایں سروری

یہ تیرا عجیب انصاف ہے۔ اور عجیب خدمتِ دیں ہے۔ ایسی بادشاہت اور حکومت پر ہزار حیف ہے۔

(۲۱) عجیب دیں عجب است فتوئی شما ‏ ‏ بجز راستی حرف گفتن خطا

تیرے یہ شرعی احکام عجیب ہیں۔ یاد رکھ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(۲۲) مزن تیغ بر خونِ کس بے دریغ ‏ ‏ ترا نیز خوں چرخ ریزد بہ تیغ

کسی آدمی پر بے خوف ہوکر بلا تامل تلوار نہ چلا۔ ورنہ یہ آسمان تیرا خون بھی اسی تلوار سے گرائیگا۔

(۲۳) تو غافل مشو مرد یزداں شناس ‏ ‏ کہ او بے نیاز است از ہر سپاس

اگر تو خدا شناس ہے۔ تو اس بات سے بے خبر نہ رہ کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے۔ اسے کسی عبادت تعریف اور شکریہ کی ضرورت نہیں۔

(۲۴) کہ او بے محابست شاہانِ شاہ ‏ ‏ زمین و زماں سچّے پاتشاہ

وہ خدا یقیناً بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ زمین پر بھی اور آسمان پر بھی وہی اصلی بادشاہ ہے۔

(۲۵) خداوند ایزد زمین و زماں ‏ ‏ کنندہ است ہر کس مکین و مکاں

وہ زمین اور آسمان کا خدا اس دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے۔

(۲۶) ہم از پیر مورے ہم از پیل تن ‏ ‏ کہ عاجز نواز است و غافل شکن

کمزور چیونٹی سے لیکر ہاتھی جیسے جسیم جانوروں تک سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے سب کو روزی دیتا ہے بےبس کی تجہداشت کرتا ہے۔ وہ کمزور پر رحمت کرتا ہے! اور مغروروں کے غرور پندار کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

(۲۷) کہ او را چو اسم است عاجز نواز ‏ ‏ کہ از ہر سپاس است او بے نیاز

اس کا نام ہی عاجز نواز ہے اور وہ ہر عبادت تعریف اور شکریہ سے بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی استتی عبادت کی ضرورت نہیں۔

(۲۸) کہ او بے نگوں است او بے چگوں ‏ ‏ کہ او رہنما است و او رہنموں

وہ لازوال ہے۔ لاثانی ہے۔ اور اسی کی ذات سچی رہنما ہے۔

(۲۹) بہ قرآں قسم فرض بر سر ترا ‏ ‏ رساں کار بر خوبی بگفتہ شما

قرآن کی قسم پر عمل کرنا تیرا لازمی فرض ہے۔ اپنے کہنے کے مطابق کوئی تو نیکی کا کام کر۔

(۳۰) ببا ید تو دانش پرستی کنی ‏ ‏ بکارے چرا چیرہ دستی کنی

تجھے عقل سے کام لینا چاہیئے۔ تُو اپنے عمل میں تشدّد اور ظلم و ستم کو کیوں روا رکھتا ہے۔

(۳۱) چہ حاصل شُد کے چوں بچگاں کشت چار　　　کہ باقی بماند ندہ پیچیدہ مار

کیا ہُوا جو تُو نے میرے چار بچے مار دیئے (دیکھ) ابھی کئی بیٹے سانپوں کی طرح کنڈلی مارے ہوئے تجھے ڈسنے کو تیار ہیں۔

نوٹ۔ کتنی بے خوفی سے گورو جی نے وقت کے شہنشاہ کو غفلت کی نیند سے جگایا۔ کاش کہ آج بھی کوئی مہاپُرش اُٹھے۔ جو موجودہ حکومت کی غلط پالیسیوں پر دلیری سے نقطۂ چینی کرے۔ کیونکہ اتہاس شاہد ہے کہ راجاؤں کی چاپلوسی سے کئی وزیروں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو بھی تباہ کر کے رکھ دیا تھا ہندوؤں کا خیال تھا کہ ہمارے محبوب نیتا فرقہ پرستی کی لعنت کو اس پوتر بھارت ورش سے ختم کر کے اس دیش کو صحیح معنوں میں سیکولر حکومت بنائینگے اور ہمیشہ کے لئے ہندو مسلمانوں کے فسادات ختم ہو کر سب قومیں آپس میں ایک مشترکہ خاندان کی طرح محبت اور پیار سے رہینگی۔ لیکن افسوس کہ انگریزوں کی پالیسی (پھوٹ ڈالو اور راج کرو) پر ہمارے رہنما گامزن ہو گئے۔ اور انتشار پسند طاقتوں۔ غنڈوں۔ اور متعصب لوگوں کو دبانے کی بجائے اُنکا ساتھ دینے لگے۔ گویا ہنتیا جیسے گھور پاپ کر کے قانون قدرت کو بھی اپنے مخالف کر لیا۔ اب تو بھگوان بھی انکی رکھشا کرنے کے اسمرتھ ہے۔ کیونکہ "پاپی کے مارنے کو پاپ مہان بلی ہے" اس پوتر بھارت ورش پر گئوؤں کے علاوہ معصوم لڑکیوں کے اغوا اور قتل کی وارداتیں بڑھ گئی ہیں۔ مہاتما گاندھی نے جس رام راجیہ کی کلپنا کی تھی۔ اُس کی اُمید جاتی رہی ہے۔ اُسکے برعکس اب راکھشسوں کا راجیہ قائم ہو گیا ہے جو کہ جنتا کے بداعمالوں کا ہی پھل ہے۔ جہاں سکولوں اور کالجوں کے لڑکے پولیس اور فوج کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جاویں۔ وہاں گورنمنٹ کا کیا خاک وقار رہ جائے گا۔ مورخہ ۲۹/۹/۶۷ کو اجمیری گیٹ دہلی کے باہر کئی گھنٹے لڑکوں نے پولیس کے افسروں پر اینٹیں اور پتھر چلائے اور کئی افسروں کو گھائل کر دیا۔ بسوں کو آگ لگا دی۔ بیدار مغز اور ایشور بھگتوں کو چاہیئے کہ وہ اب پاپیوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ تپسیا کرم کریں۔ تاکہ پُنیوں کا پلڑا بھاری رہے۔ اور ہمارا دیش محفوظ رہے۔ ورنہ جو حالات گورو صاحب کے وقت ۱۷۰۶ء میں بن گئے تھے۔ وہی پھر بننے کا احتمال ہے بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ تباہی کے آثار بن رہے ہیں۔

(۳۲) چہ مردی کہ اخگر خموشاں کُنی　　　کہ آتش دماں را خروشاں کُنی

یہ تیری کیا بہادری ہے کہ تُو چھوٹے چھوٹے شراروں کو بجھانا چاہتا ہے۔ لیکن (ایسا کرتے ہوئے تو یہ سمجھ لے) تو لاکھوں پُرجوش آتش نفس سنگھوں کو مشتعل کر رہا ہے۔ تو نے میرے چھوٹے بچوں کو قتل کر کے پُرجوش سنگھوں کو بھڑکا دیا ہے۔

(۳۳) چہ خوش گفت فردوسیٔ خوش بیاں۔　"شتابی بود کار اہرمناں"

خوش بیان فردوسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ کہ شیطان کا جلدی ہی کام تمام ہو جایا کرتا ہے۔ شیطان جلدی ہی کیفرِ کردار کو پہنچ جاتے ہیں۔ پرماتما ظالموں۔ جفا کاروں کا جلدی ہی ناش کر دیتا ہے۔"

(۳۴) کہ دربار گاہت من آئم رواں — وزاں روز باشی تو شاہد نہاں

کبھی دورہ کرتے ہوئے تیرے دربار میں بھی آؤں گا۔ اس روز تو شاید میری ان سب باتوں کو سمجھ سکے گا۔

(۳۵) برایں کار بستی اگر تو کمر — خداوند سازد ترا بہرہ ور

اگر تو یہ کام کرنے کو تیار ہو جائیگا۔ یعنی ہمارے کہنے پر عمل کریگا۔ تو خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔

(۳۶) کہ ایں کار نیک است و دیں پروری — چو یزداں شناسی بجاں برتری

کیونکہ یہی نیک کام ہے۔ اور اسی کا نام خدمتِ دین ہے۔ (کہ مردم آزاری نہ کی جائے ظلم و ستم سے ہاتھ اٹھا کر خلق اللہ سے انصاف کیا جائے) جب تو اس طرح خداشناسی کریگا۔ تو یقیناً تو ذہنی طور پر اونچا ہو جائے گا۔ نیک انسان ہی ذہنی طور پر بلند ہو سکتے ہیں۔

(۳۷) ترا من نہ دانم بہ یزداں شناس — برآمد ز تو کارہا دل خراش

اس وقت میں تجھے خدا پرست نہیں سمجھتا۔ کیونکہ تو نے کئی ایسے کام کئے ہیں۔ جو نہایت دل آزارانہ ہیں۔ تیرے اعمالوں سے لاکھوں لوگوں کو صدمہ پہنچا ہے۔ اس قسم کے دلخراش کام کرنے والے کو کیسے خداشناس کہا جائے۔

(۳۸) شناسد ہمی تو بہ یزداں کریم — نہ فراید ہمی تو بدولت عظیم

خداوند کریم تیرے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ تو اس بڑی سلطنت کا مالک بنا رہے۔ اے اورنگ زیب تیرے اخلاق و اعمال اس عظیم سلطنت کے شایاں نہیں۔

(۳۹) اگر صد بہ قرآں بخوردی قسم — مرا اعتبارے نہ یک ذرہ دم

چاہے تو قرآن کی سینکڑوں قسمیں کھائے۔ مجھے تجھ پر ذرا بھر بھی اعتبار نہیں۔

(۴۰) خوشت شاہ شاہاں اورنگ زیب — کہ چالاک دست است چابک رکیب

اے اورنگ زیب! تو دل ہی دل میں شاید اس بات پر نازاں ہو کہ تو بہت پھرتیلا ہے۔ اور اچھا شاہ سوار ہے۔

(۴۱) کہ حسن الجمال است و روشن ضمیر — خداوند ملک است و صاحب امیر

تو خوبصورت اور روشن ضمیر ہے۔ ایک وسیع ملک کا مالک ہے۔ اور امیر کبیر شخص ہے۔

(۴۲) بہ ترتیب دانش، بہ تدبیر تیغ — خداوند دیگ و ہمہ گیر تیغ

غریبوں کو کھانا کھلانے والا۔ لنگر جاری رکھنے والا۔ تلوار کا دھنی ہے اور تری سختی اور حکمت عملی سے ملک کا اچھا انتظام کر رہا ہے۔

(۴۳) کہ روشن ضمیر است و حسن الجمال — خداوند بخشندۂ ملک مال

اور تو اس بات پر فخر کرتا ہوگا کہ تو روشن ضمیر ہے۔ خوبصورت ہے اور غربا میں دولت تقسیم کرتا ہے۔ اور مختلف اداروں کو جاگیریں بخشتا رہتا ہے۔

(۴۴) کہ بخشش کبیر است در جنگ کوہ — ملائک صفت چو ثریا شکوہ

(اور شائد اس بات پر مغرور ہو کہ) تُو بہت بڑا سخی ہے۔ بہت بڑا مہیب حملہ آور ہے۔ نہائت نیک اور پُر شکوہ بادشاہ ہے۔ تیرے یہ تمام اوصاف ایک ظاہر بین آدمی کو شائد مرعوب کر سکیں۔ لیکن حقیقت کیا ہے۔

(۴۵) شہنشاہ اورنگ زیب لعیں نزوارائی دُور است و دُور است دیں

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب ایک ملعون بادشاہ ہے۔ نہ اُسے حکومت کرنا آتی ہے۔ نہ اُسے دین و اسلام ہی سے واسطہ ہے۔ ایک خوں ریز، سفاک اور بے رحم آدمی کو دین اسلام سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ (دین اسلام ہر گز اس قسم کی سفاکی کی اجازت نہیں دیتا۔)

اورنگ زیب چونکہ اپنے بھائیوں کو قتل کر کے اور اپنے والد کو قیدی بنا کر تخت نشین ہوا تھا۔ اس لئے اپنی ان بداعمالیوں کو چھپانے کے لئے اور دُنیا کی نظر میں اپنی ساکھ پیدا کرنے کے لئے دینداری کا ڈھونگ رچائے ہوئے تھا۔

(۴۶) ببیں گردشِ بے وفائے زماں پس پشت اُفتد رساند زیاں

اس بے وفا زمانے کی گردش کو دیکھ کر یہ (نیک آدمی کے) پیچھے پڑ جاتی ہے۔ اور نقصان پہنچاتی ہے۔ (خدا پرست لوگ بالعموم گردشِ زمانہ کے شکار رہتے ہیں۔ لیکن یہ عارضی تکالیف بھی اِن لوگوں کو آزمائش کی خاطر آیا کرتی ہیں۔

(۴۷) ببیں قدرتِ نیک یزدانِ پاک کہ از یک بہ دہ لک رساند ہلاک

اس پاک خُدا کی اعلیٰ قدرت دیکھ کہ وہ ایک مرد کے ہاتھوں سے دس لاکھ کو ہلاک کرا سکتی ہے۔ خُدا ایک فرد میں بھی اتنی قدرت دے سکتا ہے۔ کہ وہ لاکھوں کا مقابلہ کر سکے۔ (گورو جی نے اشارہ دیا کہ اُن کا ایک ایک سنگھ لاکھوں پر بھاری ہے)

(۴۸) چہ دُشمن کُند مہربان است دوست کہ بخشندگی کار بخشندہ اوست

دوست (خُدا) مہربان ہو۔ تو دشمن کیا کر سکتا ہے۔ بخشش کرنا اُس بخشندہ خدا کا کام ہے۔ خُدا کی بخشش اور مہر سے خوفناک سے خوفناک دُشمن بھی کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتا۔

(۴۹) رہائی دِہ و رہنمائی دہد زباں راصفت آشنائی دہد

وہی بچانے والا ہے۔ وہی رہبری کرتا ہے۔ اور وہی انسان کو صفت آشنا بناتا ہے۔ یعنی اسی کی رحمت سے انسان اپنی زبان سے اُسکی صفات اور اُستتی کرتا ہے۔ (اس شعر میں گورو صاحب نے قلعہ چمکور سے اپنے بحفاظت نکل آنے کا تذکرہ کیا ہے۔)

(۵۰) عُدو را چوں کور اُو کُند وقت کار یتیماں بروں برُد بے زخم خار

وقت پڑنے پر وہ اپنی رحمت سے دُشمن کو اندھا بنا دیتا ہے۔ دیکھو وہ یتیموں کو بے خلشِ خار (کانٹا چُبھے بغیر) صحیح سلامت دُشمن کی زد سے باہر نکال لاتا ہے۔

(۵۱) ہر آں کس کہ رُو راستبازی کُند رحیمے برُد رحم سازی کُند

جو آدمی راستباز (سچا) ہو۔ خُدا اس پر رحم کرتا ہے۔

(۵۲) کسے خدمت آید بسے قلب وجاں خُداوند بخشید براُو اماں

جو آدمی دل و جان سے خلق اللہ کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے امن و امان بخشتا ہے۔

(۵۳) چُوں دشمن بر آں حیلہ سازی کند — بر اُو خود خدا چارہ سازی کند

جو دشمن ایسے آدمی پر (خلقت کے خادم پر) حملہ کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ خود اُس کی حفاظت کرتا ہے۔

(۵۴) اگر بر یکے آمدہ دہ ہزار — نگہبان اُو را شود کردگار

اگر ایک شخص پر لاکھوں آدمی حملہ آور ہو جاویں تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کیونکہ ایشور اُس کا خود محافظ ہوتا ہے۔

(۵۵) تُرا گر نظر است بر فوج و زر — بہ ما را نگہہ است یزداں نگر

اگر تیری نظریں اپنی فوج اور دولت پر ہیں۔ یعنی تجھے اپنی فوج و زر کا بھروسہ ہے۔ تو ہمیں اپنے مالک پر ہے۔ کیونکہ ہماری نگاہیں ہمیشہ خدا کی طرف دیکھنے والی ہیں۔

(۵۶) تو غافل مشو زیں سپنجی سرا — کہ عالم بگذرد سرے جا بجا

تُو اس فانی دُنیا کے انجام سے غافل نہ ہو۔ کیونکہ یہ موجودہ عالم یکسر گذرنے والا ہے۔ دُنیا ناپائیدار ہے۔ اِس میں کسی کو قرار نہیں۔

(۵۷) کُجا شاہ کیخسرو و جامِ جم — کُجا شاہِ آدم سپردِ عدم

(ذرا خیال کر) کیخسرو۔ جمشید۔ اور شاہِ آدم جیسے پُر شوکت شہنشاہ کدھر چلے گئے۔ وہ سب کے سب سپردِ عدم ہو گئے۔

(۵۸) فریدوں کُجا۔ بہمن، اسفندیار — نہ افواج دارا در آمد شُمار

فریدوں۔ بہمن۔ اسفندیار۔ (مختلف زمانوں کے ایرانی شہنشاہ کہاں چلے گئے) دارا اور اُسکی بے پناہ فوجیں بھی اب کسی شُمار و قطار میں نہیں رہیں۔

(۵۹) کُجا شاہ اسکندر و شیر شاہ — کہ یک ہم نماند است زندہ بہ جاہ

اسکندر اور شیر شاہ کدھر چلے گئے۔ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں۔

(۶۰) کُجا شاہ تیمور و بابر کُجا است — ہمایوں کُجا۔ شاہ اکبر کُجا است

تیمور لنگ۔ مُغلیہ خاندان کے سرکردہ بادشاہ بابر۔ ہمایوں۔ اکبر۔ سب فنا ہو گئے۔

(۶۱) ببیں گردشِ بے وفائے زماں — کہ بر ہر بگذرد مکین و مکاں

زمانے کی بے وفا گردش کو دیکھو۔ یہ ہر مکان و مکین پر گذرتی ہے۔ نہ کوئی مکان باقی رہتا ہے۔ نہ اُسمیں بسنے والے۔

(۶۲) تو گر جبر عاجز خراشی کُنی — قسم را بہ تیشہ خراشی کُنی

اگر تُو جبر و تشدد سے مظلوموں کو ستائیگا۔ تو یقیناً اپنی قسم اور اپنے ایمان کے پرخچے اُڑائے گا۔

(۶۳) چُو حقے یار باشد چہ دشمن کُند — اگر دشمنی را بہ صد تن کُند

اگر خدا دوست ہے تو دشمن اپنے سینکڑوں ہمراہیوں سمیت اپنی پوری طاقت کے حملے سے بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

(۶۴) عدو دشمنی گر ہزار آورد نہ یک موئے اُو را نزار آورد

دُشمن چاہے ہزار دشمنی کرلے۔ خُدا مہربان ہو۔ تو وہ بال بھی بینکا نہیں کرسکتا۔،، (ختم شُد)

گورو مہاراج نے یہ خط (ظفر نامہ) بھائی دیا سنگھ اور بھائی دھرم سنگھ کو دیکر اورنگ زیب کے پاس بھیجا۔ وہ اُن دنوں احمد نگر (دکن) گیا ہوا تھا۔ اور بیمار پڑا تھا۔ اس نے خط بغور پڑھا۔ اور اس کے دل پر اس مضمون کا اثر پڑا۔ اُس نے سرہند اور پنجاب کو حکم بھیجا کہ آئندہ گورو صاحب پر کسی قسم کا تشدّد نہ کیا جاوے۔ اور اُن کو احترام کے ساتھ دہلی لایا جاوے۔ اور اُنکی آمد و رفت کے اخراجات تک شاہی خزانہ سے ادا کئے جاویں۔ گورو صاحب نے دعوت مان لی۔ پریوار کی مہلاؤں کو کچھ روز پہلے دہلی بھیجدیا گیا۔ اور خود بھی چند دن کے بعد سفر دکن کے لئے روانہ ہو گئے۔ جہاں اورنگ زیب اُن دنوں مقیم تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۰۶ء کے آخیر کا ہے۔ ابھی وہ سرحد راجستھان پر واقع قصبہ بھار گوتک ہی پہنچے تھے کہ اُنہیں اورنگ زیب کی وفات کی خبر ملی۔

شہزادہ معظم اور شہزادہ اعظم میں باپ کا تخت حاصل کرنے کے لئے خونریز لڑائی متوقع تھی۔ شہزادہ معظم نے دیوان نند لال کو گورو مہاراج کے پاس امداد کی درخواست دیکر بھیجا۔ دیوان نند لال گویا فارسی زبان کا مشہور شاعر گورو مہاراج کا خاص شش یہ تھا۔ اُسکی پرارتھنا پر گورو صاحب نے شہزادہ معظم کی درخواست منظور فرمائی اور فوراً پنجاب اور سرحدی اضلاع میں رہنے والے مشہور سنگھوں کے نام آگرہ پہنچنے کا حکمنامہ جاری کر دیا۔ پیارا دیا سنگھ کو اس سکھ فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔۔،،

دونوں شہزادوں میں آگرہ سے چار میل پر خوفناک جنگ جاری ہوگئی۔ گورو مہاراج کی امداد سے شہزادہ معظم فتح یاب ہوا اعظم لڑائی میں مارا گیا۔ اگلے دن قلعہ آگرہ میں بہادر شاہ نے باقاعدہ بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور گورو جی کا شکریہ ادا کیا۔ بہادر شاہ کے دہلی پر اچھی طرح تسلط ہونے کے بعد گورو صاحب نے اُس سے پنجاب کی مظلوم جنتا کی طرف فوری توجہ دینے کو کہا۔ گو بہادر شاہ بننے کو تو ہندوستان کا بادشاہ بن چکا تھا لیکن اورنگ زیب کی وفات پر ہر ایک صوبہ کے گورنر اس سے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

گورو صاحب منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے دکن میں گوداوری ندی کے کنارے واقع شہر نا ندیڑ پہنچے۔ وہاں اُنکی مادھو داس بیراگی سادھو سے بھینٹ ہوئی۔ انہوں نے اُس کو اپنے چند تجربہ کار سنگھوں کے ساتھ سرہند کے حاکم کو عبرتناک سزا دینے کے لئے بھیجا۔ بندہ ویر ویراگی سنہ ۱۶۷۵ء میں ریاست پونچھ راجوری کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔ اس کا اصلی نام لچھمن دیو تھا۔ ایک معزز ڈوگرہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے ایک ہرنی کا شکار کیا۔ ہرنی مرگئی اور اُس کے پیٹ سے دو بچے نکلے۔ جو کہ اُس کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرگئے۔ اس دلسوز منظر سے متاثر ہوکر وہ بیراگی بن گیا اور تپ کرکے کئی ردھیاں سدھیاں حاصل کرلیں۔

نا ندیڑ میں گورو صاحب دھرم پرچار میں کوشاں ہو گئے۔ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۷۰۸ء ایک نوجوان پٹھان اُن کے پیچھے بغیر

روک ٹوک کے اُن کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اُس نے اپنے خنجر سے گورو مہاراج پر حملہ کردیا۔ گورو صاحب نے پھرتی سے اپنی کرپان میان سے نکال اور اس ملعون کا سر قلم کردیا۔ گورو صاحب بھی سخت زخمی ہوگئے۔ جتھیدار سنتوکھ سنگھ نے سب سے پہلے آپ کے پیٹ سے فوارے کی طرح خون پھوٹتے دیکھا۔ یہ حادثہ سات اور آٹھ بجے شام کے درمیان ہوا۔ زخموں کو دھویا گیا۔ شاہی طبیب بلایا گیا۔ ایک شاہی ڈاکٹر انگریز بھی دو گھنٹوں میں وہاں پہنچ گیا۔ پندرہ دن علاج ہوتا رہا۔ اور زخم بالکل ٹھیک ہوگیا۔

چھ اکتوبر ۱۷۰۸ء کو گورو گوبند سنگھ جی نے سب سنگتوں کو فرمایا کہ وہ اب پرلوک سدھار جائیں گے۔ آپ نے پانچ پیسے اور ناریل آدگرنتھ صاحب کے سامنے رکھے۔ ماتھا ٹیکا اور موجودہ سنگھوں کو فرمایا کہ اب ہمیشہ کے لئے آدگرنتھ صاحب کو اپنا گورو سمجھیں۔ ۷ اکتوبر کو سارا دن آپ کے سامنے کیرتن ہوتا رہا۔ رات کے ۱۲ بجے سے کچھ منٹ پہلے اپنے سنگھوں کو آئین زندگی کا آخری پیغام دیکر جوتی جوت سما گئے۔ اُن کا انتم سنسکار کیا گیا۔ اور راکھ کو اُسی جگہ دبا دیا گیا جہاں اب گوردوارہ حضور صاحب (ابچل نگر) واقع ہے۔

شاہجہاں نے اورنگ زیب کو لکھا:۔ آفریں باد ہندواں صد بار ۔ کہ مُردگاں را دہند دائم آب
اے پسر تو عجب مسلمانی ۔ زندہ پدرت بآب ترسانی

شاہجہاں کا اشتباہ

(پنڈت ہردے نارائن شرما دلگیر)

آج بھی اس قلعے کی دیواریں خاموشی سے اپنی بے بسی کے آنسو بہایا کرتی ہیں۔ آگرے کا یہ قلعہ جہیں کبھی وقت ہندوستان کے ایک فن صناعی کے مشتاق شہنشاہ کے آخری زندگی کے منحوس دن گزرے تھے۔ وہ شاہجہاں جسکی پیار بھری آتما کا عکس تاج محل کا وجود اور لافانی خوبصورتی ہے۔ اس وقت اس عمارت کے فلک بوس میناروں کو دیکھ کر پھوٹ پڑا تھا۔ اور یہ اونچے مینار جو اس کے انتہائی پریم کی داستانیں سُناتے ہیں۔ اپنے موجد کی ایسی قابل رحم حالت دیکھکر ندامت سے جھک گئے تھے۔

تاج کی سخت پتھر کی چھاتی میں ممتاز بیگم کی پوشیدہ پریم بھری آتما اپنے دیوانے خاوند کی ایسی کس مپرسی کیحالت دیکھکر پھوٹ پڑی تھی۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا۔ جیسے اس کا خاوند نہایت بے قراری اور بے صبری سے رو کر کہہ رہا ہے۔۔۔ اے میرے دل کی اُمنگ! اپنے پریم کے اس پاک دامن پر میرے یہ آنسو داغ بن کر ہمیشہ یہ داستان سُنایا کریں گے۔ کہ ایک وقت ایسا آیا تھا جب پریم کی پوتر آتما سے ایک ننگ و ناموس اور ناہنجار لڑکا پیدا ہوا۔ جس نے محبت کے پیامبر کو قید میں ڈالکر تڑپا تڑپا کر مارا تھا۔،،

دل میں یہی جذبات لئے اپنی پتھر کی بے جان دیواروں میں شہنشاہ ہند شاہجہاں اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ چلچلاتی دھوپ سے تمام آگرہ جل رہا تھا۔ اور بے چین بقیس دریائے جمنا کی متلاطم لہریں جو تاج محل کے عکس کو اپنے دامن میں سمیٹے ساحلوں سے ٹکراتی تھیں۔ اور زین کی مرمریں تراشی پیشانی سے اپنا سر پھوڑتی ہوئی نہایت بے چین رفتار سے بہ رہی تھیں۔ شہنشاہ نے ایک مایوس انسان کی طرح ان لہروں کو دیکھا۔ اور پھر رو پڑا۔ پُرنم آنکھوں سے بیقرار آنسو پژمردہ رخساروں سے بہتے ہوئے داڑھی کے گھنے سفید بالوں میں اُلجھ گئے۔ آنسوؤں کے طوفان نے آنکھوں کی بینائی میں ایک دھند سی پیدا کر دی اور جب یہ دھندلا پردہ آنکھوں سے رُوپوش ہوا تو اسے تاج یاد آیا۔ تاج کے ساتھ ممتاز محل اور ممتاز کے ساتھ اس کے آخری لمحات آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ جب ممتاز نے کہا تھا۔ "اپنی یادگار کی ایک ایسی تکمیل ہونا چاہئے۔ جو ہم دونوں کو امر بنا دے" اور اسی یادگار کے لئے شاہجہاں نے اپنے سکونِ قلب تک کو فروخت کر دیا تھا۔ معماروں۔ مزدوروں۔ غریبوں کو تاج محل کے میناروں کی بنیادوں میں قربان کر دیا تھا۔

شہنشاہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ اس کیوں حزیں میں ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سب قربان کئے گئے مزدوروں کی بے سہارا عورتیں یتیم بچے اور لاچار باپ سب کے سب ملکر اسے بیقراردوں سے بد دعائیں دے رہے ہیں۔ اور وہ بد دعائیں صحیح ثابت ہو کر اسے بیقرار کر رہی ہیں۔

تبھی گرم لُو کا جھونکا آیا۔ شہنشاہ کی توجہ اپنے حلق کی طرف بڑھی جو کہ اس وقت خشک سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے محافظ کو پکارا اور ایک شہنشاہ کی طرح حکم دیا۔ "ہمیں ٹھنڈا پانی دیا جائے۔ کیونکہ صراحی کا پانی گرمی کی شدت سے گرم ہو چکا ہے۔"

محافظ نے فوراً ارشاد کو نامنظور کرتے ہوئے کہا۔ "گستاخی کی معذرت چاہتا ہوں۔ اگر آپ ہندوستان کے تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہونے والے شاہ عالم اورنگ زیب کا حکم نامہ منگوا سکتے ہیں۔ تو آپ کو اور پانی دے سکیں گے۔ کیونکہ ہم حاکم وقت کے حکم کی خلاف ورزی کی پرورش میں سزا سے خائف ہیں۔

شہنشاہ کی آتما بے چین ہو اٹھی۔ آنسو بوندوں کی طرح برس پڑے۔ انہیں یاد آیا۔ "کیکڑے کے بچے اپنے جنم دینے والی ماں کو کھا جاتے ہیں۔ اور یہ آستین کا سیاہ سانپ اپنے باپ کو کھا جائے گا۔ اپنے بھائیوں کو کھا جائے گا۔ اور سلطنت کو ہڑپ کر جائے گا۔"

غصے میں ان کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ مُٹھیاں بندھ گئیں۔ اور روتے روتے لکھنے بیٹھے۔ — فرمانروائے ہند! تمہارے جیل خانے کے قیدی کی صراحی کا پانی گرم ہو چکا ہے۔ اس لئے اس نے تمہارے نوکروں سے پانی مانگا مگر انہوں نے نہیں دیا۔ اور تمہارا حکمنامہ طلب کیا۔ اُمید کرتا ہوں کہ پانی سے بھی گئے گزرے تمہارے باپ کو حکمنامہ مل جائے گا۔ "بدنصیب شاہجہاں"

مُغلیہ سلطنت کا شہنشاہ اورنگ زیب اپنے باپ کا لکھا ہوا خط دیکھکر طنزاً ایک زور کا قہقہہ لگا اٹھا اس کی آنکھیں غرور سے اور خوفناک ہو گئیں۔ خط کو بار بار پڑھکر وہ اپنی بڑائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ شاہجہاں نے خود اس بات کو لکھکر تسلیم کیا ہے کہ ہندوستان کا حقیقی اور صحیح حقدار شہنشاہ میں ہی ہوں؟

غرور اور نام نمود کے سرور نے اسے اور بھی پاگل کر دیا۔ بے سوچے سمجھے لکھدیا۔ جواب میں کوئی خاص بات نہ تھی۔
صرف دو الفاظ تھے: "جس سیاہی سے آپ نے مجھے خط لکھا ہے اس سیاہی کو پی کر اپنی پیاس بجھا لو۔"
جواب ملا لیکن اس پر دستخط نہیں تھے اپنی یہ بے قدری دیکھ کر شہنشاہ رو اُٹھا۔ اسی وقت انہوں نے اورنگ زیب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ کی عرض منظور کر لی گئی۔
دریائے جمنا کے اس پار اورنگ زیب کی قیام گاہ تھی۔ اس لئے شاہجہاں کو کشتی کے ذریعہ پہنچانے کا بندوبست کیا گیا۔ راستے میں ملاحوں نے ناشتہ کیا۔ آلو کی بھجیا کی نمکین خوشبو نے شاہجہاں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ انہیں گزشتہ واقعہ یاد آیا۔ ایک دن اُنہوں نے عالم شباب میں اسی طرح سفر کی حالت میں شکار سے واپس لوٹتے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر آلو بھجیا کھائی تھی۔ واقعہ کی یاد سے دل مچل اٹھا۔ زبردست خواہش ہونے پر وہ اپنے چنچل من پر قابو نہ پا سکے آخر میں کہہ ہی اُٹھے۔ "میں بھی قیدی ہوں اور تم بھی لیکن میں دُشمن ہوں اور تم ملازم ہو۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ میں حکومت کی نگاہوں میں ایک خار ہوں اور تم تنخواہ دار ملازم ہو لیکن ہیں دونوں ہی قیدی۔ اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو تھوڑی سی آلو بھجیا ہمیں بھی دیدو۔"
بادشاہ کی اس مجبوری پر ایک ملاح رو اُٹھا۔ بادشاہ کی خواہش مندانہ نگاہوں کو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھا۔
قدرت کا چکر کتنا خوفناک اور ظالم ہے۔ یہ وہ ہاتھ ہے جس کے سامنے سارے بھارت کا ہاتھ پھیلا رہتا تھا آج ایک ناچیز ملاح کے سامنے اس کا اپنا ہاتھ پھیلا ہوا ہے۔"
اس نے برتن میں پڑی تمام آلو بھجیا فوراً بادشاہ کے آگے بڑھا دیں۔ اور کہا: "آقا! نوش فرمایئے۔"
اتنے میں ایک کرخت آواز گونجی: "احمق! شہنشاہ اورنگ زیب دُشمن پر کئے گئے رحم اور رعائت پر سخت سزا دیتے ہیں"
"لیکن مغرور سپہ سالار! یہ بھی تو ہمارے آقا ہیں۔"
"ہیں نہیں...... تھے۔ آج ہمارے قیدی ہیں۔ اور قیدی کو کسی قسم کی امداد بہم پہنچانا ایک سخت جرم ہے۔"
"تو......" تم اپنے سارے آلو بھجیا کھا لو۔ انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دو۔" سپہ سالار اپنے کام میں لگ گیا۔
شاہجہاں نے اپنا پھیلا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف کھڑے کر دیئے۔ دو گھڑی خاموش رہنے کے بعد وہ اونچی نگاہیں کئے بول اُٹھے۔ "میرا اشتباہ جھوٹا ہے مجھے مغالطہ ہوا گورو بانی میں جو کچھ لکھا تھا۔ وہ ٹھیک تھا۔ بالکل درست اور سولہ آنے درست۔"
یکایک بادشاہ کو ایک واقعہ یاد آیا۔ اور تمام منظر متحرک تصاویر کی طرح اُس کی نگاہوں کے سامنے ناچنے لگا۔ ایکبار وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ پنجاب کے ایک گوردوارے کی جانب جا رہے تھے۔
گوردوارے میں ایشور بھگتی اور سادھ سنگت کے کیرتن کی خوب رونق تھی۔ شردھالو بھگت پوری عقیدت سے ایشور بھجن میں مگن تھے۔ بانی کے پاٹھ کی صدا سے تمام گوردوارہ گونج رہا تھا۔ دیواروں پر لگے دھارمک نوٹو اپنی رنگینیاں بکھیر رہے تھے۔ ہال پبلک سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔"

آہستہ آہستہ دیو بھگتوں اور پجاریوں میں خاموشی طاری ہونے لگی۔ اور ساتھ ہی سب کی نگاہیں گوردوارے کے صدر پھاٹک کی جانب گھوم گئیں۔ ایک خوبرو دیدہ زیب مورتی صدر پھاٹک سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اسکے نورانی چہرے سے شانتی کی جھلک ٹپکتی نظر آتی تھی۔ یہ تھے مہان تیاگی شورویر اور عظیم شخصیت گورو گوبند سنگھ جی مہاراج۔"

گورو گوبند سنگھ جی اپنے آسن پر براجمان ہوئے۔ ان کے بیٹھنے کے ساتھ ساتھ شردھالو بھگت بھی بیٹھ گئے۔ پاٹھی نے گورو بانی کے شبدوں کا پاٹھ شروع کیا۔ بھگت منڈلی یکسو ہو کر سُن رہی تھی۔ پاٹھی نے اونچی آواز میں ایک بچن پڑھا:

"کظر اُٹھی جے کرے سلطانہ گھاؤ کرائندہ در منگن بھکھ نہ پائندہ"

یعنی جب بھگوان کا قہر نازل ہو جائے تو بادشاہوں کو گھسیارا بنا کر ان سے گھاس کھدواتا ہے۔ اور بھیک مانگنے پر بھی اسے بھیک نہیں ملتی۔

اسی لمحہ پھاٹک پر ایک ناواقف لیکن مدبّر اور ذی فہم شخصیت داخل ہوتے ہوتے واپس لوٹ گئی۔ ان شبدوں کی آواز اس کے کانوں کے اندرونی پردوں تک پہنچ چکی تھی۔ باہر آ کر اپنے حواریوں سے سنجیدہ آواز میں بولا۔ ہم نے آج گوروبانی کا ایک بچن سُنا جس سے دل میں ایک شبہ سا پیدا ہوا۔ اور ہم اُلٹے پاؤں واپس لوٹ آئے۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا شہنشاہ!" ایک چاپلوس نے کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔

"اسکے مطلب کی سچائی میں ہمیں شک ہے۔ بھلا کون ایسا ہوگا۔ جو ایک شہنشاہ کو بھیکاری بن جانے پر بھیک نہ ڈالے گا؟" — "سب ڈالیں گے آقائے نامدار" — "سب دینگے ان داتا!" اس بار سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"تبھی تو ہمارا شک پختگی سے دل میں نقش کر چکا ہے" شاہجہاں نے نہایت متکبرانہ انداز سے سب پر نگاہیں دوڑائیں۔ ہر ایک سپاہی کو غور سے دیکھا۔ سپاہی شہنشاہ کی آرزو کو بھانپ گئے۔ اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے سب نے ایک آواز میں کہا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں خداوند! کیونکہ آپ بھی تو ایشور سے کم نہیں۔ گورو بانی ہندؤوں کا ایک دھارمک پستک ہے۔ اس کے لکھنے والے بھی تو معمولی انسان ہی ہیں اور آپ ایشور کے پیامبر اوتار ہیں۔ اس لئے آپ کی رائے ہر لحاظ سے صحیح و درست ہے۔"

اس قسم کی ثنا خوانی سُن کر شاہجہاں کی آنکھیں غرور سے چمک اُٹھیں۔ لبوں پر ایک جھوٹی فتح کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ دل ہی دل میں اپنی قابلیت کا اندازہ کرنے لگے۔ — "میرے الفاظ ایشور کے لفظوں سے کیسقدر کم نہیں"؛ اپنی آواز میں سنجیدگی بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "ہر ایک بات لکھنے سے پہلے ایک ادیب اور قوم کے رہبر کو زندگی کے مشاہدات کی کسوٹی پر اچھی طرح بھانپ لینی چاہیئے۔ ورنہ بات بھٹک کر بے معنی ہو جائیگی۔"

سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوئے جا رہے تھے۔ سب نے بادشاہ کی آواز میں اپنی آواز ملا دی۔

گزشتہ واقعات نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ قدرت گوروبانی کی صداقت میں شاہجہاں کو ایک عبرت خیز ثبوت دے رہی تھی۔ آلو بھجیا کی فقط ایک مانگ پر بھی بادشاہ کو مایوس ہونا پڑا۔ شاہجہاں نے چاروں طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ اس کو گوروبانی کے وہ بچن یاد آ رہے تھے۔"

" نظر اُپھی جے کرے سلطانہ گھاؤ کرائیندہ
در منگن بھکھ نہ پائیندہ

اس بار اس کی آواز میں گورو بانی کے اس بچن کی صداقت میں عقیدت اور وشواس کی بھاؤنا تھی۔ بچن کے ایک ایک لفظ میں سچائی معلوم ہوتی تھی۔

تمام کشتی کے سوار اس بچن کے رہسیہ سے متاثر ہو کر خاموش تصویر کی طرح بادشاہ کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھ رہے تھے۔

" راکھ لیو سر نایو "

گور اُپدیش سُنیو نہ کانن۔ پردارا لپٹایو
پرنندیا کارن بہہ دہاوت سمجھیو نہ سمجھایو
کیا کہوں میں اپنی کرنی جہ بدھ جنم گنوایو
کہہ نانک سب اوگن مو میں راکھ لیو سر نایو

ایک تاریخی خط

راجہ جسونت سنگھ۔ بنام۔ اورنگ زیب

(از قلم شری کانشی رام صاحب چاولہ)

ہندوستان میں جتنے مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں۔ ان سب میں مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کے زمانہ میں مُلک نے خوب ترقی کی۔ لوگ بہت خوشحال رہے۔ اکبر اور شاہجہاں کا عہد تو خاص طور پر امن اور خوشحالی کا زمانہ تھا۔ لیکن ان دونوں جیسے بادشاہ ہمیشہ خود مختار حاکموں میں نہیں ہوتے۔ خود مختار حاکم کیلئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ وہ خود نیک ہو بلکہ اس کا دور اندیش ہونا بھی لازمی ہے اسکو اپنی ریاست کے ہر صیغہ کے انتظام کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ اس کو دن رات اپنی سلطنت کے کام پر ویسی ہی توجہ دینی چاہئے کہ جیسے معمولی آدمی کو اپنے کام پر کرنی پڑتی ہے۔ اس کو اپنی رعایا سے ہر صیغہ کے لئے ایماندار آدمی منتخب کرنے چاہئیں کہ جو اپنے حسن ولیاقت اور بلندیٔ چلن کے لحاظ سے دوسروں کے لئے ایک مثال ہوں! ایسے اوصاف عام طور پر عام لوگوں میں بھی نہیں ملتے لیکن خاص طور پر بادشاہوں میں ملنا تو بہت مشکل ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ایک ریاست جو ایک شخص کی محنت اور قابلیت سے قائم ہو وہی اس کے نااہل جانشینوں کے ہاتھ میں پہنچ کر زوال پذیر ہو جائے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ دولت کے بڑھنے سے عیاشی اور کاہلی بڑھ جایا کرتی ہے یا کوئی اور ایسے اصول دماغ میں گھس جاتے ہیں جو ترقی کے منافی ہوں۔ یہی حالت کامیاب مغل بادشاہوں کے جانشینوں کے عہد میں ہوئی۔ اورنگ زیب نے وہ تمام اعلیٰ اصول جو اس کے آباء اجداد

برتتے تھے وہ فراموش کر دیئے۔ مذہبی تعصب اس کے دماغ میں بھر گیا۔ اس نے ہندو مندروں کو گرا کر انکی جگہ مسجدیں تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور مورتیاں لاکر آگرہ میں مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے دفن کی گئیں۔ پھر اس نے ہندوؤں پر جزیہ لگایا۔ اور اکبر کے اس اصول کو کہ بادشاہ کی نگاہ میں سب رعایا برابر ہے کوئی انسان پاک یا ناپاک نہیں ہے۔ رد کر دیا اور سلطنت میں مختلف قسم کی گڑبڑ مچ گئی۔

راجہ جسونت سنگھ والیئے جودھ پور نے جو اس وقت سلطنت کے بڑے رکنوں میں تھے بادشاہ کو اس راستے سے روکنا چاہا۔ اور ایک خط اورنگ زیب کو لکھا۔ ان دنوں میں کس کی مجال تھی کہ اورنگ زیب جیسے آدمی کو جو تعصب سے اندھا ہوا تھا خط لکھ سکتا۔ لیکن راجہ جسونت سنگھ خاص ضمیر اور چلین کا آدمی تھا۔ اس نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ اس خط کے لکھنے سے اس پر بادشاہ کی کتنی ناراضگی ہوگی۔ اور اس کے کتنے خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں۔ یہ خط لکھا۔ اس خط کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"حضور کے جد علی محمد جلال الدین اکبر عرش آشیانی نے باون برس تک سلطنت کا کام انصاف اور شفقت کے ساتھ کیا جس سے رعیت نے آسائش اور آرام پایا اور وہ خوش و خرم رہی۔ اس نے عیسائی مولوی۔ داؤدی۔ محمدی۔ برہمن۔ لامذہب دہریہ سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ سب پر رحم مہربانی، شفقت۔ اور عاطفت فرمائی۔ اس لطف و کرم کا معاوضہ یہ ملا کہ جگت گورو اس کا خطاب و لقب ہوا۔ اسی طرح نور الدین جہانگیر جنت مکاں نے بائیس برس تک شہنشاہی اور رعیت کو ظل عاطفت میں رکھا اور اپنے دوستوں کی نیک خواہی اور خیر خواہی کی وجہ سے فتح مند رہا۔ آپ کے والد بزرگوار جناب شاہجہاں نے بھی اپنی ۳۲ برس کی فرمانروائی میں پہلے بادشاہوں سے کچھ کم نیک نامی حاصل نہیں کی رحمدلی اور نیکوکاری سے نیک نامی دوام پائی۔

حضور کے باپ دادا کے رفعت و کرم و عدالت کا یہ حال تھا جب وہ ان اصول عدالت و بزرگی کے پیرو ہوئے تو جہاں انہوں نے قدم رکھا۔ فتح و ظفر ہمرکاب رہے۔ بہت سے قلعہ اور ملک انکے قبضہ و تصرف میں آئے مگر حضور عالی کی مملکت میں سے بہت سا ملک نکل چکا ہے۔ اور آئندہ اور نکلنے والا ہے۔ سارے ملک میں تباہی اور غارت گری و قزاقی کا بازار گرم ہے اور کوئی اسکی روک ٹوک نہیں۔ رعایا ویران و برباد ہوگئی۔ سارا ملک بھوکا مرتا ہے۔ روز بروز دشواریاں اور مشکلات جمع ہوتی جاتی ہیں۔ جب بادشاہ اور بادشاہ زادوں کے گھروں میں افلاس آگیا ہو تو وائے برحال امیراں۔ سپاہ واویلا مچا رہی ہے۔ سوداگر شکایت کر رہے ہیں۔ مسلمان ناراض بیٹھے ہیں۔ ہندو بے نوا و بے دست و پا ہو رہے ہیں۔ بدنصیب خلقت کو رات کو روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ دن کو وہ غصہ کھاتے ہیں اور رنج کے مارے سر کو دے دے مارتے ہیں۔ کس طرح اس بادشاہ کا جاہ و حشم باقی رہ سکتا ہے۔ جو ایسی رعایا سے جس کا افلاس حد غائت کو پہنچ گیا ہو سخت محصول وصول کرے۔"

اس زمانہ میں مشرق سے مغرب تک یہ شہرت ہو رہی ہے کہ بادشاہ ہندوؤں سے جل کر برہمنوں۔ جوگیوں۔ بیراگیوں۔ سنیاسیوں سے جذیہ لے گا۔ اپنے خاندان تیمور کے ننگ و نام اور عزت و احتشام کا کچھ خیال نہیں کریگا۔ بے گناہ تارک الدنیا

آدمیوں پر زبردستی کرے گا۔ اگر جناب عالی کو کتب الہامی پر ایمان و اعتقاد ہو تو آپ کو یہ ہدایت ہو سکتی ہے کہ خدا رب العالمین ہے۔ وہ رب المسلمین نہیں۔ ہندو مسلمان سب خدا کے نزدیک برابر ہیں۔ اس نے اُن کے ڈھنگ اپنے حکم کے مطابق بنائے ہیں۔ وہی سب کو پیدا کرتا ہے۔ مساجد میں اذان ہوتی ہے۔ بت خانوں میں گھنٹہ بجتا ہے۔ مگر دونوں جگہ ایک ہی خدا کی عبادت ہوتی ہے۔ کسی غیر مذہب اور اس کے رسم و رواج میں دست اندازی کرنا اور اس کو بے عزت کرنا خدا کو ناراض کرنا ہے۔ اگر کسی تصویر کو بگاڑیئے تو حضور کے دل میں کینہ خود بخود پیدا ہوتا ہے کسی دانا نے سچ کہا ہے کہ قدرت کے مختلف کاموں کی عیب جوئی نہ کرو۔

الغرض جو جزیہ ہندوؤں سے مانگا جاتا ہے۔ وہ انصاف کے برخلاف ہے۔ اور حضور کی صلاح دولت کے لئے مضر ہے وہ ملک کو مفلس بنائیگا۔ وہ ایک بدعت ہے۔ اور ہندوستان کے قوانین و آئین کے خلاف ہے۔

اگر حضور کو اپنی شریعت کی پابندی اس جزیہ لینے پر مجبور کرتی تھی تو عدالت کا مقتضا، یہ تھا تو اول رام سنگھ سے جو سارے ہندوؤں کا سردار ہے۔ جزیہ طلب کرتے۔ بعد اس کے اس خیر خواہ سے مانگتے جس کا مقابلہ حضور آسانی سے کر سکتے ہیں۔ بہادر جوانمردوں کو چیونٹیوں اور مکھیوں کا ستانا زیبا نہیں۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ ارکین سلطنت نے غفلت کی کہ حضور کو ثواب و بزرگی کے قواعد پر ہدایت نہیں کی۔

بعض مسلمان مورخوں کے نزدیک یہ خط کا مضمون اصلی نہیں ہے۔ یا اُن کا خیال ہے کہ اگر یہ خط انہی الفاظ میں تحریر ہوا تو اورنگ زیب کے پاس بھیجا نہیں گیا۔ کیونکہ اس کا ذکر کسی مسلمانی تاریخ میں نہیں ہے لیکن اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کے گیارھویں سال میں حکم دیا کہ کوئی تاریخ بادشاہی دفتر میں جیسا کہ اکبر کے وقت سے دستور چلا آیا تھا نہ لکھی جاوے۔ چنانچہ اُس وقت سے کوئی مستند تاریخ لکھی نہیں گئی۔ تو اس خط کے لکھنے کا ذکر مسلمانوں کی تحریر کردہ تواریخ میں کیسے مل سکتا ہے۔ مگر کین صاحب اپنی کتاب زوال سلطنت مغلیہ "FALL OF MOGHUL EMPIRE" میں اس کا لکھا جانا صحیح قرار دیتے ہیں۔ جسونت سنگھ جودھپور کا راجہ تھا۔ وہ بڑا صاف گو آدمی تھا۔ اور سچ کہنے میں کبھی دریغ نہ کرتا تھا۔ اسکی لیاقت بھی معمولی نہ تھی۔ وہ بادشاہ کے بڑے وزیروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور اورنگ زیب بھی اس سے خوف کھاتا تھا۔ گجرات۔ دکن۔ مالوہ۔ اجمیر اور کابل میں اس نے اپنی لیاقت کو پوری طور سے ظاہر کیا تھا۔ اس لئے ایسے خط کا لکھا جانا اس سے ناممکن نہیں۔ خاصکر جب کہ کین صاحب کی تصنیف سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ خط راجہ جسونت سنگھ نے اس وقت لکھا تھا۔ کہ جب اورنگ زیب نے صرف ہندوؤں سے اپنا غیر مذہب ہونے کے باعث جزیہ لگایا اور راجہ جسونت سنگھ سے بھی ایک بڑی رقم طلب کی گئی۔ راجہ جسونت سنگھ اس بے انصافی اور تعدی کو برداشت نہ کر سکا۔ اس کی رگ حمیت نے جوش مارا۔ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے۔ تاہم اس کی غیرت نے اسے مجبور کیا کہ ظلم کو خاموشی سے برداشت نہ کرے۔ بے عدلی کو چپ چاپ نہ دیکھتا رہے۔ راجہ جسونت سنگھ کو یہ علم تھا کہ اس قسم کا خط لکھنے سے بادشاہ کے دل میں سخت خفگی اور ناراضگی ہوگی۔ اور ممکن ہے اس کا برا نتیجہ اسے بہت بڑی شکل میں بھگتنا پڑے۔ یعنی اس کا مال و جائداد سب چھین جائے اور اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ لیکن اس نے ان تمام باتوں

سے لاپرواہ ہو کر اسی اصول کو مدنظر رکھا کہ ظلم کرنے والے سے ظلم سہنے والا زیادہ بزدل اور گناہگار ہوتا ہے۔ تواریخ میں راجہ جسونت سنگھ کا یہ خط خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس کا نام سدا شیر مرد اور بہادر انسانوں کی فہرست میں چوٹی پر لکھا ہوا رہے گا۔

اورنگ زیب کا تاسف

(از قلم شری بلدیو سنگھ سود عاجز)

زندگی میں ہر ایک انسان بچہ بوڑھا دائمی راحت کا متلاشی ہے۔ اور انسان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ اُسے سامان آسائش و آرام میسر ہو۔ اور وہ دائمی طور پر خوش و خرّم رہے۔ وہ خوشی کی فراہمی کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن اصل خوشی اُسے میسر نہیں ہوتی۔ اصل میں انسان کی خوشی نہاں ہے۔ اسکی کم از کم خواہشات ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے قول فعل میں اور اسکی خواہشات پر کسی کا قبضہ نہ ہو۔ اُسے ہر ایک کام کرنے میں آزادی ہو جب انسان کے کردار گفتار پر پابندی عائد کر دی جائے تو وہ بغاوت پر تُل جاتا ہے۔ اور وہ اپنی آزادی کے لئے جدو جہد کرتا ہے۔

ہم سب اُس مالک دو جہاں کے بچے ہیں۔ وہ ہمارا حقیقی باپ۔ ماں۔ راہبر اور گورو ہے۔ اُسے اپنی ساری مخلوق سے ایک جیسی محبت ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اُسکی ساری مخلوق ایک دوسرے کی بہتری میں اپنی بہتری سمجھے کسی کے اوپر جبر و تشدد نہ ہو۔ اُسکی قیمتی بخششوں سے مستفید ہوں۔ خدا کی بخششوں میں سے رجوع اللہ سب سے بڑی بخشش ہے۔ خوش قسمت ہی اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لیکن زیادہ تعداد اُن انسانوں کی ہے۔ جو خود غرض ہیں! اور ان کا تکبرانہ لہجہ ایک ایسی فضا پیدا کرتا ہے کہ جہیں خوشی کی بجائے غم۔ گلوں کی بجائے خار۔ پریم کی بجائے نفرت آجاتی ہے۔ حالانکہ کسی کو اس دُنیا میں دائمی طور پر ثبات میسر نہیں۔ اگر انسان چاہے تو اس چندروزہ حیات میں اپنے نیک کردار۔ نیک گفتار اور قربانی سے بقا کی عمارت قائم کر سکتا ہے! ور اس گلزار میں ایک بجلی کی طرح مسکرا کر چلا جائے۔ تاکہ پس مرگ اُسے نیک نام سے دُنیا یاد کرے۔ نیک کام سے انسان کو تسکین قلبی میسر ہوتی ہے لیکن بُرائی سے بے چینی اور بے تابی حاصل ہوتی ہے۔ اور جب وقت نزع سر پر آجاتا ہے تو اُس وقت دست تاسف ملنے کے سوا کچھ بھی بن نہیں پڑتا۔ اس کی بہترین مثال ہے۔ اورنگ زیب کی زندگی کی جو مندرجہ ذیل ہے۔

بادشاہ اورنگ زیب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے بڑے لڑکے اکبر معظم کے نام نہایت عبرت انگیز خط لکھا۔ اسمیں فرض ناشناسی کی زندگی کا جو حشر ہوتا ہے۔ اُس کا صحیح خاکہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔ اورنگ زیب لکھتا ہے۔ اے میرے عزیز بیٹے میں اس دُنیا میں بدنصیب باپ۔ بدنصیب خاوند۔ بدنصیب بھائی۔ بدنصیب بیٹا۔ بدنصیب بادشاہ اور ان سب سے بڑھ کر بدنصیب انسان ہوں۔ میں نے اپنی ہوس مُلک گیری کو پورا کرنے کے لئے اپنے محترم والد کو زنداں میں ڈال دیا۔ اپنے بزرگ اور عزیز بھائیوں کو اللہ پاک کا واسطہ دیکر نہایت بے رحمی اور دھوکے سے مروا ڈالا۔ میں نے اپنے والد سے ایک بہت

وسیع سلطنت حاصل کی لیکن نااہلیت کی وجہ سے اس میں بغض و کینہ کا بیج بویا۔ میں خالق دو جہاں کی مخلوق کو تفرقہ کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ میں نے ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہا دیں۔ اور آج یہ سلطنت بھی میرا ساتھ نہیں دے رہی میری سلطنت میری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آ رہے ہیں۔ مجھے اپنا کوئی غمگسار رازدار نظر نہیں آ رہا۔ میں نے اپنی لڑکیوں کی شادی اس لئے نہ کی کہ کسی کے سامنے مجھکو سسر بن کر رہنا ہوگا۔ میں نے اپنی بہنوں کی شادی اس لئے نہ کی کہ مجھکو کسی کا سالا بن کر رہنا ہوگا۔ میں نے اپنی اولاد پر اعتماد نہ کیا۔ کیونکہ میرے دل میں چور تھا۔ اس لئے مجھکو اپنی اولاد سے برخورداری کی امید نہ تھی۔ میرے دوست مجھ پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ میرے دشمن مجھ سے خوف زدہ ہیں۔ دوستوں کی بد اعتمادی اور دشمنوں کی خودسری نے میری حیات کو دوزخ کی آگ میں ڈال دیا ہے۔" اے میرے لخت جگر میری زندگی سے سبق سیکھ۔ آج میں اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہوں۔ لیکن میں اپنے کردار کی وجہ سے شرمسار ہوں۔ کہ میں نے مالک دو جہاں کی قیمتی بخششوں کی قدر نہ کی۔ اور اس سے مستفیدنہ ہو سکا۔ میری جان اس وقت عذاب میں ہے۔ اور میری روح میرے برے کرداروں کی وجہ سے جسم فانی سے پرواز نہیں کر رہی۔ چند روزہ حیات کو خدمت خلق میں گذارنا ہی بڑی خوبی ہے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرنا اور ہر ایک کے زخم کا مرہم بننا ہی اسلام کی سچی تعلیم ہے۔ اس کی ہی تبلیغ میں کوشاں رہنا۔ یہی تیرے والد کی آخری وصیت ہے۔ اس کو فراموش نہ کرنا۔

مذکورہ بالا تاریخی خط سے ایک گنہ گار اور سرکش انسان کا آخری حشر ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ اے انسان زندگی بھوگ کے لئے نہیں۔ تیاگ کے لئے ہے۔ زندگی کا مقصد دوسروں کے لئے قربانی کرنا ہے۔ اور دوسروں کے لئے راحت و بہتری کے سامان مہیا کرنا ہے۔ قربانی کا یہ مطلب نہیں کہ جانوروں کو یا انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ جیسا کہ اب بھی بعض جاہل قبیلوں میں رواج ہے۔ یہ تصور بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور گناہ کبیرہ ہے۔ قربانی کا اصل مدعا ہے۔ اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرنا۔ دوسروں کے دکھ کی آگ میں کودنے کیلئے تیار رہنا۔ جو شخص ظلم ہوتے دیکھکر بھی ظالم کے خلاف نہیں لڑتا وہ بھی گناہ کا مرتکب ہے۔ اس لئے سب سے بڑی عبادت یہ ہے۔ کہ انسان خلق خدا کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے۔ انسان نفس کی قربانی سے اونچا اٹھتا ہے۔ دنیا کے سب مذاہب کی تعلیم کا نچوڑ یہی ہے۔ اس سے راحت و تسکین حاصل ہوتی ہے۔ مہاراج بھرتری ہری نے کیا ہی خوب فرمایا ہے "کہ اے انسان بھوگوں کے بھوگنے سے پہلے بھوگوں کے نتیجہ کو سوچ لے۔ تم تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ بھوگ تیاگ کے لئے ہے۔ اور تیاگ بھوگ کے لئے۔ وہی انسان سچی خوشی اور راحت کا مستحق ہے۔ کہ جس کی زندگی مجسمہ قربانی ہو۔ تیاگ یعنی نفس کی قربانی سے ہی انسان زندگی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچتا ہے۔"

از قلم دیوان دیس راج جی نندہ:-

جس ریہہ مے بھاگوت دھرم کو مان کر پرانی امرت تتو کو پراپت کر لیتا ہے اس بھاگوت دھرم کے

پردھان بارہ ۱۲ آچاریہ

(۱) بھگوان برہما

"میری بانی کبھی استیہ کی طرف نہیں جھکتی۔ میرا من کبھی استیہ کی طرف نہیں جاتا، میری اندریاں کبھی استیہ کے مارگ پہ نہیں چلتیں کیونکہ میں ہردہ میں سدا ہی بڑی اتکنٹھا سے شری ہری کو دھارن کیئے رہتا ہوں۔

(سری مد بھاگوت دوسرا سکندھ، چھٹا ادھیائے چھتیسواں شلوک)

سرشٹی کے آد میں بھگوان نشیش شائی کی نابھی سے ایک نکھل لوک آتمک کمل پرلے سمندر میں پرکٹ ہوا۔ اور اسی کمل کی کرنیکا پہ برہما جی پرگٹ ہوئے یہ دیکھنے کے لئے کہ کمل کہاں سے نکلا ہے۔ برہما جی اس کی نال کے چھید میں پرویش کر گئے اور ہزاروں دیو برسوں تک نال کا پتہ لگاتے رہے۔ جب کچھ پتہ نہ چل سکا تو نراش ہو کر برہما جی پھر کمل پر واپس آ گئے۔ اسی وقت آکاش بانی ہوئی "تپ تپ" یہ شبد دو بار ہوا۔ برہما جی نے لمبے عرصہ تک تپ کیا۔ اس کے پربھاؤ سے ان کا چت نشچل ہوا اور ان کو اپنے انتہ کرن میں بھگوان وشنو کے درشن ہوئے۔ برہما جی نے استتی کی، پرسن ہو کر بھگوان نے ان کو بھاگوت تتو کا اپدیش کیا چار شلوکوں میں یہی چار شلوکی بھاگوت ہوئی جس کے آدھار پر مہرشی ویدویاس جی نے شریمد بھاگوت کی رچنا کی۔

(۲) بھگوان شو

نام پربھاو جان شو نیکو کال کوٹ پھل دینہہ امی کو

سمندر منتھن سے کال کوٹ وش پیدا ہوا جس سے ساری سرشٹی دکھ پانے لگی۔ اور اس دکھ سے چھوٹنے کے لئے بھگوان شو کی شرن میں آئی۔ بھگوان شو نے مہامایا بھگوتی پاربتی سے کہا:-

دیوی! یہ بے چارے پرانی بڑے بیاکل ہیں۔ پران بچانے کی اچھا سے میرے پاس آئے ہیں۔ میرا کرتویہ ہے کہ میں ان کو ابھے کر دوں۔ کیونکہ جو سمرتھ ہے اس کی سامرتھ کا ادیش ہی یہ ہے کہ وہ دین دکھیوں کا پالن کرے۔

سادھو جن اپنے چھن بھنگر جیون کی بلی دے کر بھی پرانیوں کی رکھشا کرتے ہیں اس سے سروآتما ہری سنتشٹ ہوتے ہیں اور جن پر شری ہری سنتشٹ ہو جاتے ہیں ان سے ہی اور چراچر جگت سنتشٹ ہو جاتا ہے "

"بہت دلنوں پدیش ہیں۔ گئے ہوئے پتی کی پتی پرائنا پتی جس طرح ایک ماتر اپنے پتی میں ہی انوراگنی ہو کر ایک ماتر پتی کا ہی سنگ چاہتی ہوئی دین بھاؤ سے ہمیشہ ہر حالت میں اس پتی کے گنوں کا چنتن گان اور شرون کیا کرتی ہے۔ ویسے ہی سری کرشن میں آسکت چت ہو کر سادھک کو شری کرشن کے گن لیلا کا چنتن گان اور شرون کرتے ہوئے ہی سمے بتانا چاہئے۔ جس طرح لمبے عرصہ کے بعد پتی کے گھر آنے پر پتی پر ناستری اننیہ پریم سے ایک چت ہو کر اپنے پتی کی سیوا کرتی ہے اور آنکھوں کے ذریعے اس کے روپ سدھا رس کا پان کرتی ہے۔ اسی طرح سادھک کو اُپاسنا کے وقت شریر من و بانی سے شری ہری کی سیوا کرنی چاہئے۔

(۳) شری سنکادی کمار :-

انیک جنموں کے کئے ہوئے پنیہ سے جب جیو کے بھاگ کا اُدے ہوتا ہے تبھی وہ ست پُرشوں کا سنگ پراپت کر پاتا ہے۔ اس کے پھل سوروپ موہ اور مدّھ کے اندھکار کو ناش کر کے اس کے چت میں وویک کے پرکاش کا اُدے ہوتا ہے " ہی تپسیا سے اور شری ہری کے درشن کی پراپتی ہونے پر جب بھگوان برہما نے سنکلپ کیا اور سرشٹی کا سرجن ہوا تو یہ چاروں کمار، سنک سنندن، سناتن اور سنت اتپن ہوئے۔ تپسیا کے پربھاو سے یہ چاروں شُدھ ستوگن کے ہی سوروپ ہوئے۔ ان کی جنم جات رچی بھگوت نام کا سمرن چنتن اور گان ہی تھا۔ ان کے مُنھ سے ہمیشہ ہری شرنم کا منگل مئے منتر ہی نکلتا رہتا تھا۔

(۴) مہرشی کپل :-

"گیان کے لئے لازمی ہے کہ پرانی کے من میں تمام سنساری بھوگوں سے ویراگ پیدا ہو۔ اس دیہہ میں ہڈی، امچا، سانس، لہو وغیرہ اپوتر چیزوں کو چھوڑ کر اور کیا دھرا ہے۔ اسی اپوتر جسم میں آسکت ہو کر پرانی نیچ قسم کے انرتھ کرتا ہے۔ پھل یہ ہوتا ہے کہ بڑے دکھوں میں زندگی گذار بڑے کشٹ میں مرتیو پاتا ہے۔ اس کو چار ونت قسم قسم کی یاتنا دیتے ہیں اور وہ کئی برسوں تک نرکوں میں رہ کر دکھ اور یاتنا پاتا رہتا ہے۔ کبھی ہی پربھو کی کرپا سے اسے نرو یہہ ملتی ہے۔ یہاں بھی گربھ میں دکھ۔ بالپن میں پرادھینتا کا دکھ جوانی میں کام کرودھ سے اندھا ہو کر کئی قسم کی پیدا کی ہوئی چنتاؤں کا دکھ بھوگتا رہتا ہے۔ پھر بڑھاپا تو ہے ہی دکھوں کا گھر۔ اس دکھ کی نوری ہوتی ہے۔ بھگوان کے چرنوں میں انوراگ ہونے سے۔ بھگوان کے نام کا جاپ کرنے سمان کی منگل مئی لیلاؤں کا دھیان ان کے دویہ گنوں کا کیرتن کرنے سے۔ ان سے ہردہ شدھ ہوتا ہے۔ نشکام بھگتی سے چت بھگوان میں لگا رہتا ہے۔ جیو کو بندھن میں ڈالنے والے پانچوں کوش اپنے آپ نشٹ ہو جاتے ہیں۔ بھگتی سے چت نرمل ہونے پر ہی اس میں گیان اُدے ہوتا ہے بنا بھگوان کی شرن لئے ہردہ شدھ نہیں ہوتا۔ اس لئے سادھک کو بڑے جتن اور سادھنا سے دنیا سے من کو ہٹا کر بھگوان کے چرنوں میں لگاتے رہنا چاہئے۔

تتوگیان کا پرانیوں کو اپدیش کرنے کے لئے ہی سرشٹی کے پہلے پدم کلپ کے سوئمبھو منونتر میں پرجاپتی کردم جی کے ہاں ماتا دیوہوتی کے گربھ سے بھگوان نے آپ ہی کپل روپ میں اوتار دھارن کیا تھا۔ انھوں نے اپنی ماتا دیوہوتی کو ہی پہلے پہل اپدیش کیا۔ جس کو پراپت کر اس کا شریر دوّیہ ہو گیا۔

(۵) شری یمراج جی

اپنے دوتوں کو یمراج جی نے ساودھان کرتے ہوئے کہا ہے جن کی زبان بھگوان کے منگل مئے گنوں اور پرم پوتر ناموں کا ورنن نہیں کرتی جن کا چت بھگوان کے چرن کملوں کا چنتن نہیں کرتا جن کا سر ایک بار بھی شری کرشن چندر کو پرنام کرنے کے لئے نہیں جھکتا۔ بھگوان کے پاون کرموں سے جو سدا علیحدہ رہے ہوں صرف ان دشٹوں کو ہی تم لوگ یہاں یم پری میں لایا کرو۔“

(۶) دیورشی نارد

جب میں ان پرم پاون چرن اور شروھا پربھو کے گنوں کا گان کرنے لگتا ہوں تب وہ پربھو تتکال ہی میرے چت میں اس طرح پرگٹ ہو جاتے ہیں جس طرح بلایا ہوا کوئی آجاوے۔“

نارد جی برہما جی کے مانس پتر ہیں۔ نت پر یوراجک ہیں ان کا کام ہی اپنی بینا کی منوہر جھنکار کے ساتھ بھگوان کے گنوں کا گان کرتے رہنا اور چلتے رہنا ہے۔ وہ کیرتن کے پرم آچاریہ ہیں اور بھکتی سوتروں کے نرماتا ہیں۔ ان کی پرتگیا ہے پرتھوی کے گھر گھر جن جن میں بھگتی کی ستھاپنا کرتے رہنا۔ شریمد بھاگوت کار بھگوان ویدویاس جی جب مہابھارت کی رچنا کر چکنے پر بھی پرانیوں کی کلیان کامنا سے کھنّ سے ہو رہے تھے تب ان کو بھاگوت تتو کا اپدیش نارد جی نے ہی کیا تھا۔

(۷) شری شکدیو جی

”جو آتما رام مایا کے تمام بندھنوں سے مکت منی گن ہیں وہ بھی بھگوان میں نشکام بھگتی رکھتے ہیں وہ بھی بنا کسی کارن کے ہی بھگوان سے پریم کرتے ہیں۔ کیونکہ بھگوان کے منگل مے دوّیہ گن ہی ایسے ہیں۔

شری شکدیو جی ساکشات نند نندن سری کرشن کے ہی سوروپ ہیں۔ بھگوان کے نت گولوک دھام میں بھگوان کی آہلادنی شکتی شری رادھا جی کے وہ لیلا شک ہیں اس لئے پربھو سے وہ ابھنّ نہیں اور انہیں کے سوروپ ہی ہیں سدا سولہ برس کی اوستھا میں رہتے ہیں۔ نئے بادل کی سی کانتی کمل لوچن اور پریم بھاؤ سے ہی آنند روپ ہیں۔ شری شیام سندر جب نت گولوک دھام سے اپنی لیلا کو وکیت کرنے کے لئے برج میں پدھارے تو یہ رادھا رانی کے شک اڑتے اڑتے شیو لوک میں پہنچ گئے۔ وہاں بھگوان شیو بھگوتی پاربتی جی کو بھگوان کی ادبھت لیلا سنا رہے تھے جس کو سن کر امرت تتو کی پراپتی روپ منتمیتا سے وہ آتم وسمرت ہو رہی تھیں۔ کتھا میں بادھا نہ ہو۔ اسی سے شک جی نے ان کی جگہ ہنکار دینی شروع کر دی۔ بھگوان شیو جی نے

جب جانا تو یہ سوچکر کہ ایک پکشی اس کتھا کا ادھیکاری نہیں ہو سکتا، اس کو مارنے کے لئے اس کے پیچھے چلے۔ شک اڑتا اڑتا بھگوان ویدویاس جی کے آشرم میں آگیا اور ان کی پتنی کے مکھ میں پرویش کر کے اندر ہی چلا گیا۔ بھگوان شیو واپس چلے گئے۔ اسی لئے شکدیو جی بھگوان ویدویاس کے پتر کہلائے۔

(۸) منوجی:-

وشیوں کا کتنا بھی سیون کیا جائے ان سے ترپتی نہیں ہوتی۔ ان دکھ دائی وشیوں سے من کو بل پوروک ہٹا کر ہی پرانی شانتی پاتا ہے۔ پربھو! اگر آپ کا ہم دینوں پر سنیہہ ہے تو آپ ہمیں درشن دیں۔ شرتیاں آپ کے جس سوندریہ مادھریہ سوروپ کا ورنن کرتی ہیں۔ بھگوان شنکر آپ کے جس روپ کا دھیان کرتے ہیں۔ اس آپ کے کومل منگل روپ کو ہم بھر نیتر دیکھنا چاہتے ہیں۔ دان شرومنی کرپا ندھی ناتھ! کہوں ستی بھاؤ - جا ہوں تہیں سمان ست پربھو سن کون دراؤ"

برہما جی کے داہنے انگ سے منوجی اور بائیں انگ سے ان کی پتنی شترو پا اتپن ہوئی ان کی مانگ پر پرتھوی کا ادھار ہوا۔ راجیہ کرتے کرتے ان کو سنسار سے ویراگ اتپن ہوا۔ وہ راج چھوڑ بھگوان کی آرادھنا میں لگ گئے۔ ہی تپسیا کے بعد بھگوان کے درشن ہوئے۔ ور میں انہوں نے بھگوان کے سمان ست کی یاچنا کی۔ یہی منو سمے پر مہاراجہ دسرتھ کے روپ میں جنمے اور بھگوان رام چندر کے پتا ہونے کا سوبھاگیہ پراپت کیا۔

(۹) پرم بھگت پرہلاد:-

جو لوگ وشیوں میں پھنسے ہوئے ہیں گھر کے موہ میں جن کی بدھی بندھی ہوئی ہے وہ تو اگلے ہوئے کو کھانے کے سمان نرک میں لے جانے والے وشیوں کے جو بار بار بھوگ کئے جا چکے ہیں، سیون میں ہی لگے ہوئے ہیں ان کی بدھی اپنے آپ یا دوسروں کی پریرنا سے بھی بھگوان میں نہیں لگتی۔ جیسے ایک اندھا دوسرے اندھے کو مارگ نہیں بتلا سکتا۔ ویسے ہی جو سنسارک سکھوں کی پراپتی کو ہی پرم پرشارتھ مانتے ہوئے ہیں نہ بھگوان کے سوروپ کو نہیں جانتے، وہ بھلا کسی کو کیا مارگ بتلائیں گے۔ سبھی کلیشوں سبھی انرتھوں کا ناش تو تبھی ہوتا ہے جب بدھی بھگوان کے چرنوں میں لگے۔ لیکن جب تک مہاپرشوں کی چرن رج مستک پر دھارن نہ کی جائے تب تک ہماری بدھی نرمل نہیں ہوتی اور نہ ہی بھگوان میں لگتی ہے۔

بھگت پرہلاد دیت راج ہرنیہ کشیپو کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ جب یہ گربھ میں ہی تھا تو اسے نارد جی کے مکھ سے بھگوت تتو کا اپدیش ہوا۔ پیدا ہوتے ہی اس کی بدھی پربھو کے انوراگ میں رت گئی۔ پتا نے اس کو پربھو سے بے مکھ کرنا چاہا اسے پہاڑ سے گرایا۔ سمندر میں بہایا۔ آگ میں جلایا مگر اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آخر اس کے پتا نے اگنی سے تپے ہوئے گرم کھمبے کے پاس کھڑا کر کے پوچھا کیا تیرا بھگوان اس کھمبے میں بھی ہے۔ پرہلاد نے کہا بے شک ہے۔ ہرن کشیپ نے کھڑک اٹھائی کھمبا پھٹا اور بھگوان نرسنگھ پرگٹ ہوئے ہرن کشیپ مارا گیا۔ پرہلاد کو پربھو نے گود میں اٹھا لیا اور سدا کے لئے ابھے کر دیا۔

(۱۰) مہاراجہ بلی:-

بھگون! سمپتی کا سوامی سمپتی سے بڑا ہوتا ہے، آپ نے دو پدوں میں میرا سارا راجیہ لے لیا۔ اب تیسرا پد آپ میرے مستک پر رکھیں۔ دیا میں نے! آپ تو اتنی سی تچھ سیوا سے ہی سنتشٹ ہو گئے۔ اے سمپورن بھونوں کے سوامی! اب آپ مجھ دین کے دروازہ پر دوار رکشک بنو گے۔

مہاراجہ بلی پرم بھگت پہلاد کے پوتے تھے انھوں نے شکر آچاریہ جی کو اپنا پروہت بنایا وہ سنجیونی ودیا کو جاننے والے تھے۔ ان کی گورو بھگتی پر مگدھ ہو کر اپنی ودیا سے وہ مرے اسروں کو پھر جلا دیتے تھے ان کے بل سے راجہ بلی نے ساری پرتھوی پر ادھیکار کر لیا۔ دیوتوں کی ماتا ادتی اپنے پتروں کی پراجے سے بہت دکھی ہوئی۔ وہ اپنے پتی کشیپ جی کی شرن گئی اور ان کی پریرنا سے اس نے ارادھنا کر کے پربھو کو سنتشٹ کیا۔ پربھو وامن روپ دھر ان کے ہاں پر گٹے اور جہاں بلی مہاراج یگیہ کر رہے تھے وہاں پدھار کر راجہ سے تین پد پرتھوی کا دان لیا۔ دو پدوں میں سارا راجیہ لے لیا اور تیسرے پد میں مہاراجہ بلی کو بھی۔ اس طرح پرتھوی کو لے کر دیوتاؤں کو دے دیا اور مہاراجہ بلی کو پاتال کا پر لے تک کے لئے راج دے دیا اور آپ اس کے دروازہ پر دوار پال ہو کر رہ گئے۔

(۱۱) ودیہہ مہاراجہ جنک:-

مدرتی مادھر منوہر دیکھی بھیو ودیہہ ودیہہ وسیکھی

یوگ بھوگ میں راکھیو گوئی رام ولوکت پرگٹیو سوئی

جن کی من بدھی اپنے سے اگوچر برہم کے نرمل سکھ کی انو بھوتی میں لگی تھی انہوں نے اس اگوچر کو پرتکش نین گوچر دیکھ کر اس اگوچر کے سکھ کو تتکال تیاگ دیا۔

جنک جی پرم گیانی تھے پرم گیان کی اودھی تو یہی ہے کہ گیان میں استھت رہتے ہوئے ہی پرم گیان سوروپ بھگوان مورتی مان مادھری کو دیکھ کر اس پر ریجھ جائے۔

(۱۲) پرم بھگت بھیشم پتامہ:-

آج جو نہ ہری کو شستر گہاؤں + لاجوں دودھ گنگا ماتا کا شانتنو ست نہ کہاؤں

پنڈر ریک نیلوچن! آؤ، آؤ، تمکو میرا نمسکار ہے۔ پرشوتم آج اس یدھ بھومی میں تم میرا ودھ کرو۔ پرماتمن! سری کرشن گووند! تمہارے ہاتھوں سے مرنے پر اوشیہ ہی میرا کلیان ہوگا۔ آج میں ترلوکی میں سمانت ہوں۔ نشپاپ پربھو۔ اچھا تو سار تم اس داس پر پرہار کرو۔

آٹھویں بسو ددھیو ہی شاپ کے کارن مہاراج شانتنو کے ہاں گنگا کے ادر سے دیوبرت کے نام سے اتپن ہوئے تھے اپنے پتا کے سکھ کے لئے ہی انہوں نے اجیون برہمچاری رہنے کی بھیشم (کٹھن) پرتگیا کی تھی اسی سے سنسار میں بھیشم کے نام سے ہی یہ دکھیات ہوئے کرشن پریم کی جیتی جاگتی مورتی تھے تو بھی آسرے داتا کوروؤں کی سہائیتا ان کی ہی طرف سے مہابھارت یدھ میں بھگوان کرشن اور پانڈوؤں کے وپکش میں لڑے بھگوان کرشن کا پرن تھا کہ یدھ میں وہ ہتھیار نہیں اٹھائیں گے بھیشم جی نے پرن کیا کہ میں شانتنو ست نہیں اگر بھگوان کرشن کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور نہ کر دوں ایسا ہی ہوا۔ بھگوان کرشن کو اپنے بھگت کے پرن کی رکشا کیلئے اپنا پرن چھوڑنا پڑا۔ انھوں نے رتھ کا پہیہ ہاتھ میں لیا اور بھیشم کی پرتگیا پوری کر دی بھگت کے بس میں ہیں بھگوان۔

شری موتی لعل کھر - ایم - اے - بی - ایڈ

للہ یوگیشوری

خاص اوم نمبر کے لیے

وادی کشمیر بزرگوں، صوفیوں اور رشی منیوں کا دیش ہے۔ یہاں بڑے بڑے بزرگوں اور مہاتماؤں نے جنم لیا ہے۔ یہ وادی وہ مقام ہے جہاں ایشیا کے بڑے بڑے بزرگوں اور صوفیوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی ہے۔ مختلف مقامات سے لوگ اپنے خاص ذہن اور خیالات کے ساتھ اپنی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ، اپنے کلچر کے خوب صورت عناصر کے ساتھ یہاں آئے ہیں یہاں ان لوگوں نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں کشمیر کے لوگوں کو پیغامات دیئے ہیں۔ زندہ رہنے، روحانی پاکیزگی حاصل کرنے اور جد و جہد کرنے کے طریقے اور اصول بتائے ہیں۔ اس وادی سے دنیا نے بھی روشنی حاصل کی ہے۔ یہاں بھی ایسی ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے دنیا کو منور کیا ہے۔ ان ہستیوں میں للہ یوگیشوری کی شخصیت بہت اہم ہے۔ للہ یوگیشوری چودھویں صدی بکرمی کے آغاز میں جس وقت کشمیر میں سلطان علاؤالدین شہمیری کا راج تھا گذری ہے۔ آپ نے کشمیر میں پانپور کے نزدیک سیم پور میں ایک برہمن کے گھر میں پورنماشی کے دن جنم لیا۔ ماں باپ نے آپ کا نام پدماوتی رکھا اور للّی آپ کا تخلص ہے جو کہ بعد میں آپ نے علم و عرفاں کی منزلوں کو طے کر کے اختیار کیا۔ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی موضع پدماں پور موجودہ پانپور میں ایک برہمن کے گھر میں رچائی گئی۔ خانہ داری کی الجھن میں پڑ کر بھی آپ نے برہمچاری کی زندگی بسر کی۔ سسرال میں خاوند اور ساس نے حد سے زیادہ دکھ دیا مگر للہ سب کچھ صبر و تحمل سے برداشت کرتی رہی۔ چونکہ بچپن ہی میں آپ نے اپنی پاکیزہ فطرت کے ثبوت دیئے للہ کی فطرت میں محبت تھی۔ سادگی تھی۔ ایثار و قربانی کا جذبہ تھا۔ ہمیشہ معرفتِ الٰہی کی لگن میں رہتی اور اس کا نام پکار پکار کر گھر کو تیاگ دیا اور مہاتما یوگیشور سدھ مالو کو اپنا گورو مان کر گورو اپدیش بھی لیا۔ سخت تپسیا کر کے دنیا کے حالات سے دور اور بہت دور معرفتِ الٰہی کے اسرار اور رموز کو جان گئی۔ اس کی لگن میں سرشار ہو کر ایک دیوانہ کی طرح ننگی ہی پھرنے لگی۔ پہلے لوگوں نے اسے پاگل سمجھ کر مٹی اور پتھر پھینکنا شروع کیا رفتہ رفتہ للہ کی بزرگی کا اعتراف سب لوگوں نے قبول کیا اور اس کی روحانی پاکیزگی اور بلندی کی شہرت

ہوگئی۔ اس وقت کے بڑے بڑے رشیوں نے آپ کو بہت اونچی کلا کی جان کر لوگ السیشوری اور للّی اشوری کرکے پکارا۔

للہ یوگیشوری نے اپنے اشعار میں جابجا معرفت الٰہی کے گیت گائے ہیں جن میں خدا پرستی، انسانی برادری اور ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ کے اشعار جن کو عرف عام میں "واکھیہ" کہتے ہیں بہت اونچے کلا کے اُپنشدوں کے ساتھ جوڑ کھاتے ہیں۔ کشمیری ادب میں آپ کی ہزاروں ایسی باتیں ہیں جن کی حفاظت ضروری ہے اور جن کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، ان کی تعلیمات لوگوں میں کافی مقبول ہیں بھی اور ان باتوں کا لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ آپ کے تمام واکیوں (کلام) کو مختلف جلدوں میں جمع کیا گیا ہے اور ان جواہر پاروں کا ترجمہ ہندی اور اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔ اس حقیقت کو ہمیں کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ للہ یوگیشوری بنیادی طور پر ایک صوفی شاعرہ ہیں اور ان کا تعلق اس روایت سے ہے جس سے زمانۂ قدیم کے وہ بے شمار جانے پہچانے ہندوستانی صوفی شعرا وابستہ ہیں۔ جن کے گہرے اثرات ہندوستانی زندگی صدیوں قبول کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اس طرح للہ یوگیشوری کی شاعری کی بنیادی خصوصیتیں جدید ادب کے مختلف شعبوں کو پُرکشش اور دلفریب بناتی ہیں۔ لوگوں کو للہ یوگیشوری کی شخصیت سے اتنی محبت اور عقیدت ہے کہ آج مسلمانوں میں بھی اس کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ ہوتا ہے وہ آپ کو للہ دید اور للہ عارفہ کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کی علمبردار ہیں اور آپ نے بنی نوع انسانوں کو پیغام حق سنایا۔ کشمیر کی سرزمین کو فخر حاصل ہے کہ للہ جیسی ہستیوں پر جنھوں نے وقتاً فوقتاً وحدت اور محبت کا گیت گایا۔ للہ کے کلام میں ویدانتی اور اسلامی خیالات کا اثر نمایاں ہے۔

آپ کے کلام کا اثر نندہ رشی کی شاعری پر پڑا ہے اور انھوں نے خود للہ دید کی عظمت کا اعتراف کیا ہے بلکہ ایک روایت کے مطابق نندہ رشی (حضرت نور الدین نورانی، جن کا مزار چرار شریف کشمیر میں ہے) کی دودھ ماں تھیں۔ للہ کے کلام کو پڑھ کر ہم دنیا کی مسرت کے اسرار و رموز اور زندگی کے راز کو سمجھ سکتے ہیں۔ للہ نے انسانی زندگی میں ایک وقار ایک بلندی اور ایک خاص قسم کا ربط اور ضبط پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ غلط قسم کے انسانوں سے دامن بچانے کو کہا ہے، اچھے اور بُرے ساتھیوں کا فرق بتایا ہے۔ خدا کی عبادت میں جس لگن کی ضرورت ہے اس کا احساس دلایا ہے، ان کے اقوال میں زمین کی تخلیق اور اس کے اسرار و رموز کی تمام حقیقتیں موجود ہیں۔ دنیا میں اس قسم کی ہستیاں شاذ و نادر ہی جنم لیتی ہیں۔ جناب محترم اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمیں چاہیئے کہ ہم للہ یوگیشوری کی زندگی اور تعلیم سے سبق حاصل کریں - للہ یوگیشوری ہمارے لئے ایک کلاسک ہے جس کا احترام کافی ہے - ان کا ایک پیام ہے - اہلِ وطن کے نام اور پورے بنی نوع انسان کے نام - انھوں نے بنی نوع انسان کو حریت، محبّت، وحدت، معرفت اور انسانیت کا پیغام دیا ہے - اس قیاس کے پیشِ نظر ذرا فراخدلی سے غور کریں تو یہ حقیقت ہر ذی عقل انسان پر روشن ہو جائے گی کہ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں - ہمارے ملک ہندوستان میں جتنے بھی لوگ ہیں، خواہ وہ کسی فرقہ یا مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں سب ایک ہی سرزمین کے رہنے والے ہیں - ہم سب کو محبوب ملک نے پال پوس کر جوان کیا ہے ہمارے خاکی جسم میں یہیں کا دانہ پانی ماں کے دودھ کی طرح رچ رہا ہے - اس مقدس سرزمین کے فیض سے ہمیں گوناگوں نعمتیں نصیب ہوتی ہیں - یہی وہ عزیز وطن ہے جس کی لطیف ہوائیں ہماری زندگی کے ساز کو زندہ رکھتی ہیں - مختلف مذاہب اختیار کرنے سے قومیت بدل نہیں جاتی اور مذہب آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا - بھگوت گیتا اور قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ ساری خلقت خدا کا کنبہ ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے کنبہ سے محبت کرنا خدا سے محبت کرنا ہے -

اس وقت ہمارا ملک ایک نازک دور میں سے گزر رہا ہے، چاروں طرف یاس کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں - سرحدوں پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، ملک کے طول و عرض میں بے چینی پھیل رہی ہے، بیرونی جارحیت کے خطرے اور ہنگامی حالات کے باوجود خاصی تعداد میں لوگ ایسے ہیں جو آج بھی اپنے نفع کی خاطر ملک کے نقصان کی پرواہ نہیں کرتے - قوم میں اب بھی مذہب ذات پات اور زبان کے جھگڑے موجود ہیں - ہمیں سماج کو ایسے عناصر سے پاک رکھنا چاہیئے جو سماج کو اوپر لے جانے کے بجائے نیچے لے جاتے ہیں -

ہمیں آپس میں محبت کرنا چاہیئے اور بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے اپنے کو تیار رکھنا چاہیئے ہمیں قول اور عمل میں یکسانیت پیدا کرنا چاہیئے -

للہ یوگیشوری کی زندگی اور ان کی اخلاقی تعلیم کو یاد کر کے ہمیں اس پر عمل کے لئے ولولہ عام کرنا چاہیئے - یہی للہ یوگیشوری کی تعلیم ہمارے لئے ہے جس کا جاننا ہمارے لئے اولین ہے -

)*(

ناظرین اوم نوٹ فرمائیں

سالنامہ مکتی انک جنوری اور فروری ۱۹۷۰ء دو ماہ کا مشترکہ پرچہ ہے - ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا - اگلا پرچہ بابت ماہ مارچ ۱۹۷۰ء مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۷۰ء کو شائع ہوگا - ماہ فروری کے پرچہ کے لئے خط و کتابت کرنا بے سود ہوگا -

مینیجر

شری لابھ چند کوہلی (پنجابی)

"ماتا درشن"

ترسے سب سنسار ماتا تیرے درشن نوں
اسی ہاں اوگن ہار آئے تیرے دوار - کرن لئی دیدار ماتا تیرے درشن نوں
دنیا منگتی تیرے در دی
سب بھلاں توں معاف ہے کر دی
نال مراداں جھولیاں بھر دی
دے ساڈیں دیدار - ماتا تیرے درشن نوں..........
سوہنی سُندر گپھا ہے تیری
درشن وچ کیوں لائی دیری
ودھ گئی ہے ہُن آشا میری
جلدی کراں دیدار - ماتا تیرے درشن نوں........
دکھیا دُنیا اوندی جاندی
آپ توں سب نوں چھڈیاں پاندی
اپنے دوارے آپ بلاندی
دین لئی دیدار - ماتا تیرے درشن نوں..........
اوہ بندہ ہے مست قلندر
یاد تیری جس دل دے اندر
دل اوہدا بھگوان دا مندر
کھُل جائے گھر بار - ماتا تیرے درشن نوں..........



امر آتماؤں کا منچ

منشی جگن ناتھ کھنہ صفی

پروفیسر شری دھرم ویر جی کی طرف سے "اخبار آرگنائزر" میں ایک اتہاسک کہانی شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ایک خاص تاریخی واقعہ ہے جو ہندو دھرم کی عظمت اور دھرم کی خاطر جان قربان کر دینے کی آنسکتا کی منھ بولتی تصویر ہے۔ امید ہے کہ قارئین "اوم" اس سے مستفید ہوں گے۔ فقط مترجم صفی

قصبہ دولتاباد ضلع گوڑگاؤں (ہریانہ) میں مامکور نام کی ایک سندری رہتی تھی۔ وہ نوخیز اور پری چہرہ اپنی کھیتی باڑی کے کام میں مصروف رہتی۔ لیکن کسی میں جرأت نہیں تھی کہ اس کی طرف بری نگاہ سے دیکھے۔ اس کا اتنا رعب تھا کہ بدمعاش اس کو دور سے دیکھکر ہی ادھر اُدھر ہو جاتے اور اس سے مخاطب ہونے کی کسی میں ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ لمبے قد کی گٹھیلی اور ہٹی کٹی تھی۔ اعلیٰ درجہ کی تیراک اور کئی گھنٹہ لبی دوڑ کرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ اس کا باپ دھن سنگھ بڑا زمیندار اور ذیلدار تھا۔ اس کے سات لڑکے تھے جو زمینداری کے کام کو بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ اپنی ملکیت کی زمینوں کی خوب دیکھ بھال کرنے کے قابل ہو گئے تھے، ان کا باپ سوچ رہا تھا کہ اب وہ سب کام ان کے سپرد کر کے آپ سبکدوش ہو جائے۔

ایک دن کی بات ہے کہ مامکور اپنے کھیت میں مولیشیوں کے چارے کے لئے مکی کاٹ رہی تھی جب اچانک ایک چھوٹے قد کی نوجوان راجستھانی سندری اس کے پاس سے گزری۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا کیونکہ اس وقت شام ہو رہی تھی اور وہ یووتی (حسینہ) اکیلی ہی پھرتی سے جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چلتے چلتے تھک کر اپنے جسم کو آگے دھکیل رہی تھی جو در اصل چلنے سے عاری تھا۔ مام کور نے اسے دیکھا اور ناچار اس کے منھ سے یہ الفاظ نکلے، بہن کیا بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے تم بھاگنے پر مجبور ہو۔

ہاں ایک بدمعاش انگریز میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس نے جواب دیا لیکن ڈرتے ڈرتے اور پیچھے دیکھتے ہوئے یہ الفاظ اس کے منھ سے نکلے اور یہ کہکر اس نے پھر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

مام کور نے بھی اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر اس سے پوچھا کہ جا کہاں رہی ہو؟

یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں اس اجنبی لڑکی نے جواب دیا، وہ بدمعاش میری عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے۔

تو آؤ ادھر مامکور بولی، مجھے ابھی ایک خیال سوجھا ہے تم اس سبز چارے میں لیٹ جاؤ اور میں تمہیں ایک پوٹلی میں باندھ لوں گی جب وہ میرے پاس آئیگا تو اس میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی ہمت نہیں ہوگی اور بڑی تیزی سے یہاں سے رفو چکر ہوگا۔ ہاں تمہارا نام کیا ہے بہن؟ میرا نام شیاما ہے۔ اس نے جواب دیا، تو بہت اچھا اب جیسا میں نے تمہیں کہا ہے کرو۔ مام کور نے اس وقت وہ مکی کے قودوں سے کاٹے ہوئے پتوں اور شاخوں کو بکھیر دیا اور شیاما ان پر لیٹ گئی۔ مام کور نے اسے اوپر سے ڈھانپ دیا۔ اور ایک پوٹلی کی شکل میں اسے باندھ دیا۔ پھر سبز گھاس کی ایک رسّی سی بنا کر اس کے اوپر لپیٹ کر گانٹھ لگا دی۔ اب وہ اس پوٹلی کو اٹھانے ہی والی تھی کہ وہ انگریز فوجی افسر وہاں آ پہنچا اور آتے ہی اس نے پوچھا ہے، ادھر عورت جاتا تم دیکھا؟

ہاں، ہاں میں نے اسے دیکھا ضرور، وہ رہی، وہ رہی۔ اس شیشم کے پاس کیا تمہیں دکھائی دی؟ مامکور نے جواب دیا۔

افسر نے اپنی آنکھیں اس شیشم کے درخت پر گاڑ دیں، آخر اسے ایک کالے رنگ کی کوئی چیز حرکت کرتی دکھائی دی۔ پھر کیا تھا وہ اس طرف بھاگا اور جاتے وقت مام کور کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا۔ مام کور نے وہ پوٹلی جھٹ اٹھائی اور سر پر رکھ کر گھر کی طرف چلدی۔ جب اس کے سات بھائیوں اور بھاوجوں نے اپنے گھر ایک نو وارد لڑکی کو شکی کی پوٹلی سے باہر نکلتے دیکھا تو وہ ہکے بکے رہ گئے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ آخر یہ بات کیا ہے ان میں سے ہر ایک یہ آنکھوں آنکھوں میں پوچھ رہا تھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ مام کور نے انہیں اتنا بتلا کر ان کی تسلی کر دی۔ گھبراؤ مت یہ میری بہن ہے اب پہلے میں گئووں کو چارہ کاٹ کر ڈالدوں پھر ساری بات تمہیں بتلاؤں گی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے انہیں ساری بات بتلائی جسے سُن کر دھن سنگھ اس کا باپ بولا۔ بہت اچھا شیاما تم میری بیٹی ہو اب ہم تمہیں شنکری کے نام سے پکاریں گے۔ اب تم اس گھر سے کبھی باہر نہ نکلنا۔ لیکن وہ بدمعاش تو نہ معلوم کب یہاں آ پہنچے اس لئے میرا لڑکا منگل تمہیں اپنے سسرال کے ہاں لے جاوے گا۔ ان کا گاؤں یہاں سے آدھ میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں جا کر تم باہر نہ نکلنا ورنہ گاؤں والے چرچا کریں گے جس میں تمہاری جان کو بھی خطرہ ہوگا اور ہمیں بھی مصیبت کا سامنا کرنا پڑیگا اس کے بعد ایک دودھ اور ملائی سے بھرا ہوا گلاس اور کچھ مٹھائی سردار دھن سنگھ نے شنکری کو دے کر اسے اپنے لڑکے منگل کے ساتھ رخصت کیا اور وہ اس کے سسرال پہنچ گئی۔ اگلے دن دوپہر کے وقت کرنل لوٹسر نے آکر دھن سنگھ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دھن سنگھ نے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے گیا اور چارپائی پر بیٹھنے کو کہا۔ اور پوچھا کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں، فرمائیے۔ کرنل صاحب بولے

کل شام ایک نوجوان راجستھانی لڑکی تمہاری لڑکی کے ساتھ تمہارے گھر آئی تھی وہ کہاں ہے؟ اسے ابھی میرے حوالے کر دو۔ ایسی کوئی لڑکی ہمارے گھر نہیں آئی، دھن سنگھ نے جواب دیا۔ اگر تم چاہو تو سارے گھر کے اندر باہر دیکھ لو اور تسلی کر لو۔

میں تمہارے جھوٹ سننے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ کرنل نے بھڑک کر جواب دیا، تم جانتے ہو کہ تم فیلدار ہو اور سرکار انگریزی نے تمہیں اس عہدہ پر مامور کیا ہے۔ ہاں میں اپنے فرض کو خوب جانتا ہوں۔ دھن سنگھ نے جواب دیا۔

میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے میں اپنے دھرم پر اور دڑھ (قائم) ہوں اور دھرم کو نبھانا مجھے اپنی جان سے بھی پیارا ہے۔

"بہت اچھا"، کرنل پھر بکا۔ میں تمہیں مہلت دیتا ہوں تم اس معاملے پر غور کرو۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم نے اس وقت جو رویہ اختیار کیا ہے اس کے نتائج پر اچھی طرح سے غور کر لو گے اب میں جاتا ہوں اور امید ہے کہ کل دوپہر تک تم اس کے متعلق فیصلہ کر کے ٹھیک جواب دو گے۔

جب کرنل چلا گیا تو گھر کے سب نر ناری اکٹھے ہو کر اس سمسیا پر وچار کرنے لگے کیونکہ اس سے عجیب اسھتی پیدا ہو گئی تھی۔ سب بھائی بیک زبان کہنے لگے کہ شنکری اب ہماری بہن ہے اس کی عصمت کی رکھشا کرنا ہمارا پرم دھرم ہے اسے ہم کسی اجنبی کو نہیں سونپ سکتے۔ چاہے کچھ بھی ہو یہ ہمارا اٹل (نرنے) فیصلہ ہے۔ جو کچھ اس کا پرنیام یا نتیجہ ہو گا ہم اس کو بھوگنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ دھن سنگھ کو اپنے لڑکوں سے اسی فیصلہ پر پہنچنے کی امید تھی۔ کرنل کو جب معلوم ہوا کہ دھن سنگھ اور اس کے کنبے کے سب چھوٹے بڑوں نے یہ فیصلہ کیا ہے تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور فوراً دھن سنگھ کو گرفتار کر کے چھاؤنی کی حوالات میں بند کر دیا اور اس کے لڑکوں کو بلا کر انہیں بُری طرح سے دھمکایا، ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ بلا کر دھمکیاں دیں لیکن کسی نے بھی اسے شنکری کی بابت نہ بتایا کہ وہ کہاں ہے آخر کار ان ساتوں بھائیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے پتا دھن سنگھ کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ ان ساتوں نوجوانوں کے مرتک شریر ان کی بیواؤں کے حوالے کئے گئے جو سب کی سب ان کے ساتھ ستی ہو گئیں۔ رتنو نام کا ایک بھنگی جو کرنل کے کیمپ میں جھاڑو دیا کرتا تھا اس دردناک گھٹنا کو دیکھ کر بہت ہی دکھی ہوا۔ وہ اس پر وچار کر کے اس فیصلہ پر پہنچا کہ یہ انیائے اور ظلم ہے اور برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اسی وقت ایک نالے سے جو پاس ہی بہہ رہا تھا پانچ سیر چن کر باہر نکالے اور ان کو ایک اچھے گدیھڑے کے ساتھ تھیلے میں باندھ کر گھر لے آیا۔ شام کے وقت اس نے دیکھا کہ کرنل صاحب اپنے خیمے کے باہر ٹہل رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر رتنو ایک چھپر کے پیچھے چھپ گیا اور اپنے گوپھیے سے کرنل کی پیشانی پر ایک پتھر پھینکا جس کے لگتے ہی کرنل صاحب ایک لکڑی کے کندے کی طرح زمین پر گر پڑے اور وہیں ختم ہو گئے۔ آج تک وہ جگہ دو لتاباد کے باہر

ستی چبوترہ کے نام سے مشہور رہے جہاں ان سات دیویوں نے ایک نوجوان معصوم لڑکی کی عزت بچانے
کے لئے اپنے پتیوں کے ساتھ ستی ہوکر بھارت ورش کے ایک اچیہ آدرش کا پالن کیا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب انگریزوں کا راج قائم ہو رہا تھا۔ لیکن اب بھارت سوتنتر
ہے حالات بالکل تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان سات نوجوانوں نے انگریز سے ایک دیوی کی عصمت
بچانے کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا لیکن حالات موجودہ کچھ اور ہی نظارہ پیش کر رہے
ہیں۔ انھوں نے تو ایک غیر ملکی بدمعاش افسر سے اس لڑکی کی عزت بچائی اور اب اپنے
ہی دیش کے نوجوان دیش کی نوعمر لڑکیوں پر اتیاچار کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے
بلکہ اسے اپنی جوانی کا ایک تحفہ سمجھتے ہیں۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم اس رو سے بچنے کی کوشش کریں جو ہمیں تباہی اور بربادی کی
طرف لے جا رہی ہے۔ دیش کے نیتا تو کسی اور ہی فکر میں ہیں لیکن اخلاقی گراوٹ جس کے
ہمارے نوجوان شکار ہو رہے ہیں کچھ اور ہی تقاضے کرتی ہے۔ اب سینما بازی کو فروغ
دینے کی کوشش ہو رہی ہے جب ان پکچروں میں کھلم کھلا بوسہ بازی اور عریانی کا دور دورہ ہوگا
تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
چند معزز لیکھکوں نے اس کے خلاف اظہار خیال کیا لیکن آج کے اخبار میں انڈین موشن پکچر پروڈیوسرز
ایسوسی ایشن کے پریزیڈنٹ مسٹر آئی ایس جوہر نے سری نگر میں تقریر کے دوران یہ فرمایا کہ ہندوستانی
فلموں میں بوسہ بازی کی مخالفت کرنے والوں کا وہی حال ہوگا جو ان لوگوں کا ہوا تھا جنھوں نے بولنے والی تصویروں
کی مخالفت کی تھی۔

ایک اوچیہ آدرش کو پالن کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانا اور بلیدان دے
دینا ہندو دھرم سنسکرتی کی ایک ویششتا چلی آئی ہے۔ اس کا پالن کرنے والے سچے دھرم پر اروڑھ
ہوتے ہیں اور اندریوں اور وشیوں کے شکار نہیں ہوتے۔ اندریوں کو جیت لینا ہی گیان مارگ کا سب سے
اونچا سادھن ہے اور انھیں سپھل ہونے سے ہی منشیہ سچے معنوں میں گیانی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، گیان
کی پراپتی سے منشیہ آواگون ارتھات جنم مرن کے بندھن سے چھوٹ کر موکش کا ادھیکاری ہوتا ہے
موکش کا اس سے بڑھ کر اور کوئی سادھن نہیں ہے۔ بھگوان نے گیتا میں ارجن کو مکھیہ روپ سے
اسی بات کا اپدیش دیا ہے۔

دھرم کی ویدی پر قربان ہونے والوں کی داستانیں ختم نہیں ہوتی۔ بیشک ان کا بھوتک شریر ختم
ہو جاتا ہے لیکن ان کی حقیقی زندگی کسی اور روپ میں شروع ہو جاتی ہے اور ان کو وہ پد پراپت ہو جاتا
ہے جو رشی منیوں کو بھی پراپت نہیں ہوتا۔

فقط۔ صفی

دروپدی چیر ہرن

[شری ستیہ پرکاش مہتاب]

استری کو جب کہ ارجن کی ستمگر بد شعار
کھینچتا لایا پکڑ کر بالوں سے دیوانہ وار
کانپتی تھی بید کی مانند وہ با حالِ زار
دیکھتی تھی آسماں کی سمت رو کر بار بار
پا بجولاں طوق گردن میں پریشان و حزیں
دل شکستہ اور آلودہ پسینے سے جبیں

بیکسی و بے بسی میں اُس سراپا نور نے
یہ سرِ دربار پوچھا شاہِ ناہنجار سے
آخرش ماخوذ ہیں بدلے میں ہم کس جرم کے
کیوں سرِ دربار اس صورت سے ہم رسوا ہوئے
سب سے پہلے اس نے ہارا خود کو جب اے مہرباں
پھر یدھشٹر کو ہمارے ہارنے کا حق کہاں

چیخ کر بولا یہ دریودھن بھرے دربار میں
ڈال دوں گا میں تجھے تا زندگی آزار میں
خوب کھینچوں گا تجھے اب راستی کے تار میں
اور عصمت تیری اُترے گی اسی بازار میں
آج میں یکسر نکالوں گا یہاں ارمانِ دل
تاکہ مٹ جائے یہ میری سوزشِ پنہانِ دل

سُن کے اُنکی بات اس کی بھیم و ارجن صف شکن
تاب غصے کی نہ لا کر ہو گئے کچھ شعلہ زن
تھام کر تیر و کماں اور گرز کو یکتائے فن
ہو گئے ان بد نہادوں سے وہ آمادہ بہ رن
اک اشارے میں زمیں پر وہ سلا دیتے اُسے
بے حیائی کا مزہ فوراً چکھا دیتے اُسے

کب بھلا یہ کام چرخِ پیر کو منظور تھا
اور پانڈوں کا نصیبہ اس قدر اُلٹا ہوا
بازاشاروں سے یدھشٹر نے مگر اُنکو رکھا
حوصلہ شیروں کے دل کا ہائے دل میں رہ گیا
تھام کر ہاتھوں سے سب اپنا کلیجہ رہ گئے
جھاگ کے مانند ٹھنڈے ہو کے آخر بہہ گئے

تھے پتامہ اور بدرجی بھی یہ منظر دیکھتے | یعنی کورو اور پانڈو کا مقدر دیکھتے
ہر طرف اک اک کو تھے با دیدۂ تر دیکھتے | تھے تماشہ ہائے مظلوم و ستمگر دیکھتے

پھر سرِ دربار دریودھن نے ایکدم یوں کہا
آج اس کا چیر تم کو ہے دشاسن کھینچنا

کانپ اٹھے یک بیک سنتے ہی اہلِ انجمن | چیخ اٹھی گاوِ زمیں تھرا گیا چرخِ کہن
آشیانوں میں ہوئے بے چین مرغانِ چمن | ہو گئے پیر و جواں سارے جہاں کے نعرہ زن

صورتِ عالم نہایت بد سے بد تر بن گئی
چشم بینا ہر بشر کی دیدۂ تر بن گئی

جب سنا اس نازنیں نے رنگ چہرے کا اڑا | تاب و طاقت اڑ گئی کچھ اور ہی نقشہ بنا
دل ہی دل میں دین بندھو سے لگی کرنے دعا | جلد آؤ شیام سندر وقت ہے امداد کا

نرغۂ اغیار سے اس وقت بچ سکتی نہیں
تو سہائک ہے تو میری لاج جا سکتی نہیں

غیب سے ظالم کے ظلموں کو مٹانے آئیے | عقل پر پردہ پڑا ہے اب اٹھانے آئیے
اپنی طاقت کا نمونہ پھر دکھانے آئیے | ایک ظالم سے مری عصمت بچانے آئیے

مالکِ کون و مکاں پرماتما ہے تو ہی تو
کشتیٔ عمرِ رواں کا ناخدا ہے تو ہی تو

بے حیا نے ہاتھ ڈالا عصمتِ مظلوم پر | سہم کر تھرا اٹھی دیکھا جو نہی بیداد گر
جلوہ افگن تھی مثالِ رونقِ نورِ سحر | تب دشاسن نے بھی ڈالی ایک بیباک ٹیڑھی نظر

ظلم اور بے داد کی ظالم نے کر دی انتہا
کھینچنے کو چیر ظالم شوق سے آگے بڑھا

خوب کھینچا خوب کھینچا بے حیا نے چیر کو | سخت الجھن میں پھنسا پایا حسن کی تصویر کو
بھول بیٹھا بیکسوں کے نالے کی تاثیر کو | کام میں بے کھٹکے لایا ظلم کی تدبیر کو

گو ذرا سی دیر کی خاطر پریشاں ہو سکی
انجمن میں شمعِ فانوسی نہ عریاں ہو سکی

چیر جوں جوں کھینچتا تھا اور بڑھتا تھا سوا — کھینچتے ہی کھینچتے جب تھک گیا وہ بے حیا
پڑ گئے ہاتھوں میں چھالے اور دامن چھٹ گیا — سر جھکا کر پھر ندامت سے ستمگر نے کہا

میں معافی کا ہوں طالب مجھ سے نادانی ہوئی
زندگی بھر کو مجھے حاصل پشیمانی ہوئی!

جس طرح پائی کرشن اک آن میں اس نے نجات — ہو گئی آسودہ و تسکین راحت کائنات
ہو گیا آزاد ظلم و جور سے ہر ذی حیات — بن گئی بگڑی ہوئی ارجن کی جس خوبی سے بات

آئیے پھر اپنے بھگتوں کا مداوا کیجئے
آج پھر ہندوستاں پر اپنی کرپا کیجئے

Reverend sir,

MANDO DHAR
12.10.69

As I am lucky enough to be a reader of your religious magazine "OM" monthly the ambiguity of thoughts which had disturbed my tranquillity of mind, have absolutely been wiped out and I am now quite confident that "God" is omnipresent and this presence of God can be realised only if one goes through this holy magazine. It is not a matter of an exaggeration if I say that this magazine is a bridge which links, all creations on this earth, with the creator of this mysterious world. May your efforts towards the goal, be crowned with success

Yours truly,
Kirpal Chand Negi

حضرت عمرؓ کی فیاضی

از قلم سردار ترلوک سنگھ

مہاتما گاندھی جی حضرت عمرؓ کے بڑے مداح تھے۔ یہ عرب کے شہنشاہ تھے اور مسلمانوں کے خلیفہ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے کپڑے نہایت سادہ ہوا کرتے تھے کئی جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ سرکاری خزانہ یا بیت المال سے گزارہ کے لئے نہایت ہی قلیل رقم لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عید کے موقعہ پر ان کے پاس بچوں کے نئے کپڑے بنوانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ ان کی بیوی نے کہا۔ خزانہ سے رقم پیشگی لے لیں۔ آپ نے پیشگی لینے سے انکار کر دیا اور بچوں نے عید پرانے کپڑوں سے ہی منائی۔

ایک دفعہ رات کے وقت شہر کے لوگوں کی حالت دیکھنے کے لئے گشت لگا رہے تھے۔ ایک گھر میں بچوں کے رونے کی آواز سن کر کھڑے ہو گئے۔ بچوں کا رونا بند نہیں ہوا۔ آپ نے پوچھا بہن یہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔ اس عورت نے جواب دیا بھائی صاحب میں بیوہ ہوں۔ یہ بچے تین دن سے بھوکے ہیں۔ گھر میں نہ تو روٹی ہے، نہ دودھ۔ بچوں کو کھانے کو کیا دوں؟

حضرت نے فرمایا! بہن کچھ دیر ٹھہرو، بچوں کو حوصلہ دلاؤ، میں ان کے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک گندم کی بوری پہنچا آئے اور کہا کہ بہن مجھے آپ کی تکلیف کا علم نہ تھا۔ نہ ہی مجھے کسی نے بتایا میں معافی مانگتا ہوں۔

ایسے تھے بادشاہ جن کے دل میں خدا کا خوف تھا۔ میاں اب تو اللہ ہی اللہ ہے۔ ماہ ستمبر ۱۹۶۹ء کی ایک اخبار کی خبر تھی کہ ایک بیوہ جس کے چار بچے تھے وہ موجودہ مہارانی اندرا گاندھی کی کوٹھی پر اپنی دکھ بھری حالت کو ظاہر کرنے اور کچھ مالی امداد کیلئے حاضر ہوئی تو بجائے اس کے کہ اس کی کچھ امداد کی جاتی یا کم از کم حوصلہ افزائی ہی کی جاتی۔ اس کو قید کر کے جیلخانہ میں بھیجدیا گیا۔ غریب نادار اور مصیبت زدہ بیوہ کی حالت زار پر بھی رتی بھر ترس نہیں آیا بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہنے والے یہ امیر لوگ حکومت کے نشے میں سرشار غریبی اور ناداری کے دکھوں کو کیا جان سکتے ہیں۔ یہ کروڑوں کی جائیداد کے مالک بن چکے ہیں۔ لیکن غریبوں کے لئے ان کے پاس کانی کوڑی بھی نہیں۔

پاکستان کے سابق حکمران صدر ایوب خان نے کروڑ روپیہ غیر ممالک کے بنکوں میں جمع کر رکھا ہے اور اگر موجودہ بھارتی حکمرانوں کی تلاشی لی جائے تو سب ان سے بھی مالدار نکلیں گے۔

سردار ترلوک سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فیاضی

ایک دفعہ قحط پڑ گیا - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قلعہ کے اندر حکم دیا۔ سرکاری گندم غریبوں کو مفت دے دو۔ ایک بوڑھا دھوبی وہاں پہنچا - گندم سے بوری بھر لی اب اٹھا نہ سکا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کہا تم بڑے لالچی ہو۔ اتنی گندم کا لالچ کیا اور اٹھا سکتے نہیں۔

دھوبی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ مہاراجہ صاحب ہیں بولا۔ سردار جی میں بوڑھا آدمی ہوں گھر میں کھانے والے بہت ہیں، بچے تین دن سے بھوکے ہیں حضور لالچ نہ کروں تو کیا کروں۔

مہاراجہ صاحب نے گندم کی بوری خود اٹھائی اور دھوبی کو کہا کہ چلو اپنے گھر۔ مہاراجہ صاحب بوری اٹھائے دھوبی کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ آگے فوجی سپاہیوں نے مہاراجہ صاحب کو دیکھ کر فوجی سلام (SALUTE) کیا۔ تب دھوبی کو معلوم ہوا کہ یہ تو مہاراجہ صاحب خود ہیں میں نے معمولی سردار سمجھا تھا۔

تب دھوبی نے مہاراجہ صاحب سے معافی مانگی حضور بڑی سخت غلطی ہو گئی آپ تو رعایا کے ماں باپ ہیں میرا قصور معاف کر دیں۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا۔

"کوئی مضائقہ نہیں راجہ پرجا کا خادم ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہوتا ہے کہ رعایا کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

ناظرین! ان بادشاہوں کا اور آجکل کی نوکرشاہی کا مقابلہ کریں تو اللہ یاد آ جائے خدا کا خوف تو ان لوگوں کے دلوں سے کافور ہو گیا ہے۔

یہ خدا کو مانتے ہی نہیں تو خوف کیوں ہو ان کو لوگوں کی حالت زار پر مطلقاً رحم نہیں آتا۔ اس کانگریسی راج میں امیر زیادہ امیر اور غریب بے حد غریب ہو چکے ہیں۔ غنڈہ گردی بڑھ چکی ہے - اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہے۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اب ہمارے دیش کا کیا بنے گا۔

داس

ترلوک سنگھ آف لاہور - حال نئی دہلی۔



No. 1300 विराट स्वरूप नं० २ S. S. Brijbasi & Sons Bombay-3

۵۰۰ ویں جنم اتسو پر شردھانجلی

شری ٹھل سنگھ تڑپ
سب ایڈیٹر وشنانہ
سنپادک نئی دلی

مٹی دھند جگ چانن ہویا

بھگتی اور شانتی کے اوتار شری گورو نانک دیو جی مہاراج کا جنم اتسو ویسے تو ہر سال منایا جاتا ہے مگر اس بار اس کی خاص اہمیت ہے کیونکہ یہ ان کا ۵۰۰ واں جنم اتسو ہے اس لئے ہر جگہ اسے خاص اہتمام اور شان کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔

پیدائش کے وقت کسی جیو کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا یا یہ قیافہ لگانا کہ وہ بڑا ہو کر کیا بنے گا۔ اور کیا کرے گا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر وہ مہان ہستیاں جنھوں نے وقت کی ریت پر اپنے پیچھے کچھ امٹ اور ابدی نشان اور نقش پا چھوڑ جاتے ہوتے ہیں اور جنھوں نے آگے چل کر اس سنسار کے باسیوں کے لئے مستقل راہ اور روشنی کا مینار بننا ہوتا ہے ان کے لچھن کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ داتی دو جہاں۔ مانوتا۔ حلیمی۔ رواداری اور انسانیت کے مجسمے شری گورو نانک دیو جی کا جنم ہوا تو اس وقت ان کے گھر میں اس قدر روشنی اور الٰہی نور کا پرکاش ہوا تھا کہ داتی دو جہاں مانوتا حلیمی رواداری نے فی الفور یہ کہہ دیا تھا کہ کالو جی کا بیٹا بڑا ہو کر بہت مہان بنے گا اور دنیا اس کی تعلیم سے روشنی پائے گی۔ چنانچہ اتہاس گواہ ہے کہ اس وقت کی یہ پیش گوئی بعد میں حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

شری گورو نانک دیو جی کے پتا شری کالو رام پٹواری تھے۔ دنیا دار قسم کے جیو تھے۔ تلونڈی رائے بلار میں رہتے تھے جو بعد میں شری گورو نانک دیو جی کا جنم استھان ہونے کے کارن ننکانہ صاحب کہلائی) ان کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ کر کاروباری صلاحیت اپنے میں پیدا کرے اور کوئی دھندہ یا روزگار اپنی روزی پیدا کرنے کے لئے اختیار کرے۔ چنانچہ آپ نے بالک نانک کو ایک پاندھے کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا مگر جز کل کو اور قطرہ سمندر کو کیا بتاتا، کیا پڑھاتا اور کیا سکھاتا کرن سورج اور ماہِ کامل کو کیا گیان دیں؟ نانک الٹا پاندھے جی کو پڑھانے بیٹھ جاتے اور ایسے ایسے رموز و نکات معرفت اور روحانیت کے اٹھاتے کہ اس سے ان کا جواب بالکل کوئی بن ہی نہ پڑتا اور لاجواب ہو کر رہ جاتا۔ اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی جب وہ اس بال اوستھا میں نانک کو اس قدر آتم گیان

اور واقفیت رکھنے والا بنکھا۔ چنانچہ تنگ آکر اس نے ایک دن کالو رام جی سے یہ بتا دیا کہ آپ کے بیٹے کو پڑھانا میرے بس کا روگ اور بات ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایشور کے یہاں سے ہی سب کچھ پڑھ سیکھ کر آیا ہے میں بھلا اسے کیا پڑھا سکھا سکتا ہوں۔ یہ سن کر گورو مہاراج کے پتا کو سخت نراشا ہوئی اور وہ اپنے بیٹے کے بھوشیہ کے بارے میں سخت نراش ہو گئے۔ وقت کا رتھ کچھ اور آگے بڑھا تو کالو رام جی نے اپنے بیٹے کو کاروباری انسان بنانے کی ٹھانی اور ایک دن اس کو چالیس روپے دے کر چوہڑ کانہ بھیجدیا کہ جاؤ کوئی سچا (کھرا) سودا کر کے آؤ۔ دوسرے الفاظ میں کوئی ایسا ونج ویاپار کرو جو منافع بخش ہو۔

سچا سودا

شری گورو نانک دیو وہ روپے لے کر چل پڑے ابھی وہ چوہڑ کانہ نہیں پہنچ پائے تھے کہ راستہ میں ان کو ایک جگہ چند سادھو مہاتما ڈیرہ ڈالے پڑے نظر آئے۔ ایشور بھگت نانک ان کی جانب بڑھا۔ سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر انہیں نمسکار کیا۔ باتوں باتوں میں آپ کو پتہ چلا۔ کہ یہ سب کچھ دنوں سے بھوکے پیاسے یہاں پڑے ہیں، کھانے پینے کو پاس کچھ ہے نہیں اور خریدنے کے لئے ٹکے پیسے نہیں، انسانیت کے پجاری اور منش ماتر کی سیوا کے لئے سنسار میں آئے نانک کا دل رو اٹھا۔ سوچا کسی بھوکے پیاسے کو جل پان کرانے اور بھوجن کھلانے سے بڑھ کر سچا کھرا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ آبادی میں گئے اور پتا کے دیئے ہوئے روپیوں کا کھانے پینے کا سامان خرید کر لائے اور آن کر ان سنت مہاتماؤں کی بھینٹ کر دیا۔ کہ لو اس سے آپ اپنی بھوک پیاس دور کر لیں۔ شام تک گورو نانک ان کے پاس بیٹھ کر گیان گوشٹی میں مگن رہے اور خالی ہاتھ واپس گھر آ گئے۔ کالو رام بہت دیر سے اپنے بیٹے کے کوئی نفع بخش بیوپار کر کے آنے کی راہ دیکھ رہے تھے اسے واپس آتا دیکھ کر بیتابانہ آگے بڑھے اور سوال کیا نانک کہو کیا سچا سودا کر کے آ رہے ہو؟ بیٹے نے کمال سادگی معصومیت سے اور بغیر تالو روک ہو کر جواب میں کہا۔ مجھے چند سادھو مہاتما مل گئے تھے۔ جو کئی دنوں کے بھوکے پیاسے تھے میں نے آپ کے دیئے ہوئے چالیس روپے ان کے جل پان پر خرچ کر دیئے کیونکہ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اور سچا سودا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ سن کر کالو رام آگ بگولا ہو گئے اور بیٹے کو بہت کچھ جلی کٹی سنا ڈالیں۔ لیکن بھگتی اور شانتی کے ساگر گورو نانک دیو جی وہ سب بڑے شانت چت ہو کر سنتے رہے اور اپنے منہ سے کوئی شبد نہ نکالا — خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی۔ باپ کے نزدیک بیٹے کا یہ کرم بھاری مالی نقصان کا ثبوت تھا، مگر بیٹے کے لئے بے حد لابھ دائیک کیونکہ اسے منش ماتر کی سیوا کا اوسر ملا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور بھروقت اور لہریں کسی کا انتظار بھی تو نہیں کرتیں۔ باپ نے بیٹے کو دنیادار انسان بنانے کے لئے سلطان پور لودھی میں وہاں کے حاکم کے مودی خانہ میں نوکر کرا دیا کہ چلو اس بہانے سے اسے ویاپارک شدھ بدھ پراپت ہو گی مگر وہ کیا جانے کہ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

کبھی رہا نہ ہوئے زلف آزادی کے اسیر
بوئے گل پھاند گئی باغ کی دیواروں کو

گورو نانک دیوجی نے وہاں بھی اپنا لوک سیوا کا مشن پورا کرنا شروع کر دیا اور جو کوئی حاجتمند بھوکا، ننگا، محتاج اور سوالی وہاں آتا اُسے جھولیاں بھر بھر کر اناج اور آٹا دال اُٹھا دیتے سانھ کے کام کرنے والوں نے یہ دیکھا تو حاکم کے پاس فریاد کر دی کہ اس طرح تو قارون کا خزانہ بھی تھوڑے دنوں میں ہی خالی ہو جائے گا۔ اس پر پڑتال کی گئی تو مودی خانے کے سٹاک میں رتی بھر کی بھی کمی نہ پائی گئی بلکہ وہ کچھ زیادہ ہی مقدار میں دیکھنے میں آیا۔ اس واقعہ نے گورو مہاراج کی روحانی عظمت کا سکہ دور و نزدیک لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔

کالو رام جی نے اپنے بیٹے کو دنیاداری کے حلقہ میں قید و پابند کرنے کے لئے ایک اور قدم اُٹھایا۔ انھوں نے اس کی شادی کر کے گویا ایک نئی اور کڑی زنجیر ان کو پہنا دی، مگر اس سے بھی میرے دلدار کے پاؤں نہ ڈگمگائے اور یہ سنہری اور شسندر بندھن بھی ان کی راہ کا روڑا نہ بن سکا، وہ گرہست جیون میں بھی جل میں کنول بن کر رہے، آپ کے ہاں دو سپتر ہوئے سری چند اور لکھمی چند۔ حیرت ہے کہ جہاں باقی سارے ننکانہ نواسیوں نے گورو صاحب میں آتمک بل اور ایشور بھگتی کا جوہر اور گُن بڑی جلدی پہچان لیا وہاں ان کے پتا کو یہ کیوں نہ نظر آیا۔ اُس نے اُنہیں ہمیشہ ایک رسا دھارن، بالک اور نوجوان ہی سمجھا؛ ور اپنی طرح ہی ایک عام دنیادار بنائے رکھنا چاہا۔ مگر وہ تو اس سنسار اسار اور دنیائے فانی اور بے ثبات جہان کو روحانیت کی راہ دکھاتے آئے تھے، ان کے سامنے ایک وشال مشن اور پروگرام تھا جس کی پورتی کے لئے انہوں نے اپنا گھر بار پتنی اور بیٹے تیاگ دیئے۔ وہ تو سارے وشو کو انسانیت کے معانی اور راستہ بتانے آئے تھے کہ کسی انسان کے اس دنیا میں آنکھیں کھولنے جینے اور آیو بتانے کا حقیقی اور اعلیٰ مقصد کیا ہے۔

آپ سب کے سانجھے تھے اور سبھی سنسار واسیوں کو اپنا سمجھتے تھے، انسان اور انسان کے درمیان اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تفریق یا امتیاز نہ تھا سبھی آپ کے نزدیک برابر تھے سارے ہی ایشور پتر تھے۔ ہندو اور مسلمان آپ کے لئے ایک سمان تھے۔ ہر کسی کا سمان سیوا اور دلداری آپ کی زندگی کا اولین مقصد۔ آدرش اور نشانہ تھا۔ ایشور بھگتی آپ کے جیون کا جوہر اور مکھیہ منتو تھا اور اس کا آپ نے ساری عمر پرچار اور سنچار کیا۔ جہاں کہیں بھی آپ گئے لوگوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت عزت دی، سر آنکھوں پر بٹھایا اور آپ کے اپدیش سے روحانی تسکین اور فیض پا کر نہال ہو گئے

(باقی پھر)



پرتگیا

تب زندگی کو سمجھا سب زندگی گنوا کر

(از قلم گوسائیں پہلوار تن پنجاب اچیوٹ ودھاتا)

وطن کی راہ میں ہر اک بلا سر پر اٹھائیں گے
نہ اپنی موت کے بھی سامنے گردن جھکائیں گے
ضرورت پڑ گئی تو خون اپنا ہم گرا دیں گے
پر اپنی آتما کا خون ہونے سے بچائیں گے
دماغ و دل سے اپنے ستیہ جس کو ہم سمجھتے ہیں
اسی کو ہی زباں پر اپنی بے خوفی سے لائیں گے
حکم باپو کا بے شک واجب التعمیل ہے ہم کو
بجا لائیں گے اپنے عہد سے باہر نہ جائیں گے
مہاں سے بھی مہاں شکتی جسے پرنام کرتی ہے
اسی کے ہی در دولت پہ ہم نشچے جائیں گے
اگر بھگوان ہی وہ سختیوں پر بھی اتر آئیں!
تو ہم اپنا کلیجہ سخت پتھر کا بنائیں گے
جگر ظالم ہمیں زنجیر سے سی دیں زباں اپنی
جفا کاری کے اس خرمن کو آہوں سے جلائیں گے
زہے قسمت اگر اس کشمکش میں پران بھی جائیں
خلاف پاپ ہم پرچار کا بیڑا اٹھائیں گے
دعائیں دے گئے گوسائیں جی اسے جو اپنا قاتل ہے
یہی ویناو طیرہ ہے جو آخر تک نبھائیں گے

وعدے کئے خدا سے جس نے گڑ گڑا کر
نید شکم سے مجھ کو بھیجا تھی جھڑ اکر
بچپن کے بعد آئی جب کہ بہار جوبن
لاکھوں شگفتہ کلیاں توڑیں نظر بچا کر
بے کس یتیم بچے عصمت کی دیویوں کو
پاؤں سے روند کر نہ دیکھا نظر اٹھا کر
جس نے کہ سر اٹھایا اس کو مٹا کے چھوڑا
اپنی شمع جلا دی ان کی شمع بجھا کر
ایسا بھی وقت آیا نہ تھا گمان جس کا
اپنے بھی پاس آتے راضی نہ تھے بٹھا کر
آنکھیں اندر دھنسی تھیں رخسار تھے بے رونق
بے جاں جوانی کر دی پیری نے اب دبا کر
صد چاک ہو چکے جب یہ زندگی کے دامن
سمجھا نہیں زندگی تب سب زندگی گنوا کر
اے ناتھ کے حبیبو میری لحد پہ آ کر
نظروں سے پھینک دینا ووٹ ھوکریں لگا کر

شریمد بھگوت گیتا کا

ادھیائے ۱۸ (منظوم)

از قلم شری ایس کے ہستی نیوز ایڈیٹر روزانہ ملاپ نئی دلی

کنتی نندن نے کہا:-
اے مہا باہو! دلوں کے راز دا
راکشش کیشی کے قاتل چکر دھر!
صاف لفظوں میں مجھے بتلائیے
کیا ہے سچا تیاگ اور سنیاس کیا
فرق کیا ہے تیاگ اور سنیاس میں؟
کرشن جی بولے کہ اے کنتی کے لال!
یہ ہے ودوانوں کی رائے
چھوڑنا اس کرم کو سنیاس ہے
جس میں ہو کچھ کامنا
کرم کا پھل تیاگ دینا تیاگ ہے
بعض منیوں کی ہے رائے
دوش ہے ہر کرم میں
اس لئے ہر کرم تجنا چاہئیے
بعض کہتے ہیں کسی بھی حال میں
ناروا ہے دان یگیہ اور تپ کا تیاگ
اے بھرت کل کے چراغ۔

تین قسموں کا ہے تیاگ
دان یگیہ اور تپ نہ تجنے چاہئیں
یہ ضروری فرض ہیں
اس سے ہوتا ہے پوتر اور شدھ
عقلمند انسان کا دل
اے بہادر میری پختہ رائے ہے
دان تپ اور یگیہ ایسے نیک کام
دوسرے بھی کام جو ہیں دھارمک
پھل سے رہ کر بے نیاز
موہ ممتا تج کے کرنے چاہئیں
شاستر کی رو سے جو ہو ناروا
توڑتا ہو دھرم کی پابندیاں
جس میں ہو کچھ کامنا
دور رہنا چاہئیے اس کرم سے
شاستر جب کرم کا دیتا ہو حکم
اس کو نا سمجھی کے باعث چھوڑنا
ناروا ہے، تیاگ یہ ہے تامسی

یہ سمجھ کر جب کوئی کرتا ہی کرم
دکھ ہی دکھ ہیں کرم میں
فرض ادا کرتا نہیں
پھل نہیں پاتا وہ ایسے تیاگ کا
یہ سمجھ کر شاستر کہتا ہے کیا
موہ ممتا چھوڑ کر
پھل سے رہ کر بے نیاز
جب کوئی انسان ادا کرتا ہے فرض
ساتوک ہے اس کا تیاگ
ہو نہ کچھ نفرت جسے
دکھ سے خالی کرم سے
کچھ کشش رکھتے نہ ہوں جس کے لئے
کام راحت بخش بھی
ستوگن سے اس کا دل بھرپور ہے
قابل تعریف اس کا تیاگ ہے
اس لئے کچھ اس کا رہ سکتا نہیں
تیاگ پورا کرم کا ممکن نہیں

اس لئے جس نے تجا پھل کرم کا
ہے وہی گیانی ہی سچا اس کو گیان
پھل کی خواہش رکھ کے جو کرتے ہیں کرم
مر کے پاتے ہیں ضرور
ان کا پھل اچھا برا
پر کوئی انسان جب
پھل کی خواہش چھوڑ کر کرتا ہی کرم
کرم کا پھل اس کو چھو سکتا نہیں
سانکھ درشن میں ہے درج
کرم سدھی کے ذریعے پانچ ہیں
جسم، کرم، آتما اور کوششیں
پانچویں تقدیر ہے۔
جو نظر آتی نہیں
من زبان اور جسم کے ہر کرم میں
کارفرما ہیں یہ پانچ
جس کو کم عقلی کے باعث ہو یہ وہم
آتما ہی کرم کرتا ہے تمام

اس کی اُلٹی ہے سمجھ
کچھ نہیں وہ جانتا
چھوڑ دی جس نے خودی
پھل کی خواہش چھوڑ دی
چاہے قتل عام کرے جنگ میں
جنگ کا مجرم ٹھہر سکتا نہیں
چھو نہیں سکتا اسے کوئی بھی پاپ
کرم کے کارن ہیں تین
گیان - مقصد گیان اور گیان دان
جب کوئی کرتا ہے دل میں فیصلہ
کیا اسے کرنا ہے کیا کرنا نہیں
کرم کی بڑھتی ہیں من میں راغ بیل
اور ذرائع کام میں لاتا ہوا
جب وہ ہو جاتا ہے سرگرم عمل
ٹھوس صورت میں نظر آتا ہے کرم
غور سے سن تین قسموں کا ہے گیان
تین قسموں کا ہے کرم
کیونکہ ان میں تین قسموں کے ہیں گن
جب نظر آئے کسی انسان کو
ہر کس و ناکس میں اوناشی پربھو
ان بٹا گھٹ گھٹ میں بھی
ساتوک ہے اس کا گیان
جب سمجھتا ہو کوئی
مختلف جیووں کی ہستی ہے الگ
راجسی ہے اس کا گیان
جب نہ ہو بنیاد کچھ بھی گیان کی
اس کا مقصد کچھ نہ ہو
اسے حاصل کچھ نہ ہو
جب کسی کو ہو یہ وہم
آتما کچھ بھی نہیں
جسم تک ہے زندگی
تامسی ہے اس کا گیان
شاستر کے حکم پر چلتے ہوئے
جو کیا جاتا ہے کرم
ہو نہ کرتا پن کا جس میں کچھ خیال
جس میں کچھ رغبت نہ ہو نفرت نہ ہو
پھل کی خواہش سے نہ جو آلودہ ہو
کرم ہے وہ ساتوک
جب کیا جاتا ہے کرم
اپنی خواہش کے خلاف
خود نمائی کیلئے یا سہہ کے جبر
کرم ہے وہ راجسی۔
جب یہ بن جانے کیا جاتا ہے کرم
ہو بھی سکتا ہے یہ کیا
دوسروں کا اس میں کیا نقصان ہے
اس میں خود کرتا کا کیا نقصان ہے
جب نہ کرتا سوچ اتنی بھی کرے
کیا وہ اس کے اہل ہے
کرم ہے وہ تامسی
ہو نہ جس کرتا کے دل میں کوئی موہ
مر چکی ہو جس کی مَیں
جس کا دل وشواس سے لبریز ہو
عزم ہو جس کا اٹل
کامیابی پر نہ ہو جسکو خوشی
ہو نہ ناکامی پہ دکھ
ساتوک اس کو سمجھ
جب ہو کرتا موہ کے زیر اثر
پھل کا خواہشمند ہو یا لالچی
دوسروں کو دے کے دکھ ہوتا ہو خوش
جس کا دل لیتا ہو دکھ سکھ سے اثر
جس کے دل میں ہو کدورت اور بدی
راجسی اس کو سمجھ
اپنے پر قابو نہ جب کرتا کو ہو
نیک کاموں سے سدا رہتا ہو دور
جو ہو غصہ ور فریبی اور گنوار
آلسی ہو یا اداسی کا شکار
ٹالتا رہتا ہو کل پرسوں پہ کام
جس کو رہتا ہو جنون
دوسرے لوگوں کی روزی چھین لیں
تامسی اس کو سمجھ۔
جس کو یہ معلوم ہو
کرم ہیں کرنے کے قابل کونسے
کن سے بچنا چاہئے
خوف کیا ہے اور بےخوفی ہے کیا
کرم بندھن کیا ہے اور مکتی ہے کیا
طاقتیں کیا کیا ہیں دھرم و پاپ کی
ساتوک ہے اس کی عقل
ہو نہ جس کو ٹھیک گیان
دھرم کیا ہے پاپ کیا
کرم کرنے کے ہیں قابل کونسے
کن سے بچنا چاہئے۔
راجسی ہے اس کی عقل
جب کسی کی عقل پر چھایا رہے
اندھکار اگیان کا
دھرم کو جس نے سمجھ رکھا ہو پاپ
اور برے کاموں کو دھرم
جس کو آتی ہو نظر
ذہن میں ہر شے الٹ
تامسی ہے اس کی عقل
وہ اٹل دھیرج کوئی اس کے طفیل
دھیان میں رہ کر مگن
بس میں کر لیتا ہے اپنی سانس کو
بس میں کر لیتا ہے اپنی اندریاں
من کی سب سرگرمیاں
ساتوک اس کو سمجھ
راجسی دھیرج ہے وہ جس سے کوئی
کرم کے پھل کے لئے
فرض دھن اور سکھ سے جا تا ہے چمٹ
اور وہ دھیرج جس سے کوئی بیوقوف
راہ سے بھٹکا ہوا
.... سے چھٹکارا پا سکتا نہیں
اپنے دل سے دور کر سکتا نہیں
خوف، غم مایوسیاں
بچ نہیں سکتا غرور
تامسی اس کو سمجھ

(باقی پھر)

دہلی کا قطب مینار

از قلم پنڈت کنور ناتھ جی پربھاکر شہادرہ

(دنیا کے عظیم ترین جیوتشی آچاریہ وراہ مہر)

بھارت کی راجدھانی دلی میں مہرولی کے نزدیک ایک بہت اونچی عمارت کھڑی ہوئی ہے جسے عام لوگ مہرولی کی لاٹ یا قطب کی لاٹ اور قطب مینار کے نام سے پکارتے ہیں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس عمارت کا تعلق مسلمان بادشاہوں سے ہے کیونکہ اس کا نام عربی کے لفظ قطب سے شروع ہوتا ہے۔ یہی نہیں ہمیں اتہاس میں بھی یہی پڑھایا جاتا ہے کہ یہ عمارت غزنی کے سلطان محمد غوری کے غلام قطب الدین ایبک نے بنوائی تھی جو محمد غوری کی فوجوں کا جرنیل بھی تھا۔ اس لئے اس عمارت کا نام اس کے بنوانیوالے قطب الدین کے نام پر رکھا گیا۔ آج ہمیں آزاد ہوئے ۲۲ سال ہو گئے ہیں مگر ہمیں غلامی کے عہد میں انگریز کے انویائیوں کا لکھا ہوا اتہاس پڑھایا جاتا ہے، بھارت کی تمام سرکردہ عمارتیں ہندو عہد کی تعمیرات ہیں اور بیرونی حملہ آوروں نے مذہبی جنون میں آکر انہیں مقبروں اور دوسری شکلوں میں بدل دیا۔ اس کے بارے میں پرسدھ اتہاس کار شری پی۔ این اوک کا لٹریچر پڑھنے کے قابل ہے جس کو پڑھ کر ہر پڑھے لکھے آدمی کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اسی طرح قطب مینار بھی زمانہ قدیم کی ہندو عمارت تھی جسے طاقت کے زور سے بدل کر ایک نیا روپ دیدیا گیا۔

سمراٹ وکرمادتیہ (چندر گپت دوئم) کو بھارت کا ہر بشر جانتا ہے کیونکہ اس عظیم سمراٹ کا رائج شدہ سمت بکرمی آج تک چل رہا ہے اس سمراٹ کی راجدھانی اجین (مدھیہ پردیش) تھی، جہاں سے اس وقت آج کے گرین وچ کی طرح دنیا کی گھڑیوں کے ٹائم ملائے جاتے تھے، اسی سمراٹ کی سبھا میں مہا کوی کالیداس مہان پنڈت امر سنگھ اور مہان جیوتشی وراہ مہر موجود تھے جو سبھا کے نو رتنوں میں سے ایک تھے جن کا نام آج بھی دنیا کے مہان ودوانوں میں سب سے پہلے لیا جاتا ہے۔ یہاں پر آچاریہ وراہ مہر کے بارے میں اتنا ہی لکھنا کافی ہوگا کہ اسی ودوان نے دنیا میں سب سے پہلے زمین کو گول اور کشش کی طاقت سے آکاش میں کھڑا ہوا بتایا تھا۔

آچاریہ وراہ مہر کا جنم استھان موجودہ کا پتھا گاؤں میں ہے جو اجین کے نزدیک ہے، ان کے پتا کا نام پنڈت آدتیہ داس تھا اور باپ بیٹا دونوں سوریہ دیو کے اپاسک تھے اس لئے دونوں کا نام سوریہ دیو کے نام سے ہی رکھا گیا تھا، آدتیہ کا مطلب اور مہر کا مطلب سوریہ ہی ہوتا ہے، کا پتھا گاؤں میں گزشتہ سالوں میں

ہوئی کھدائی میں ایک بہت سندر بھگوان سوریہ دیو کی مورتی بھی نکلی ہے۔

آچاریہ وراہ مہر نے جیوتش کے بے شمار گرنتھ لکھے ہیں جن میں برہت سنگھتا، برہت جاتک اور پنچ سدھانتکا تو دنیا میں پرسدھ ہیں۔ گیارھویں صدی عیسوی میں بھارت آنے والے غیر ملکی یاتری البیرونی نے برہت سنگھتا اور لگھو جاتک کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا جو وہاں سے مدھیہ یورپ میں پہنچا تھا۔

اسی مہان جیوتشی نے ایک بہت بڑی جیوتش کی ویدھ شالہ (آبزرویٹری) بنوانے کا سنکلپ لیا تھا۔ سمراٹ وکرمادتیہ نے اس مہان کاریہ کے لئے دل کھول کر دھن خرچ کیا اور آخر کار موجودہ دہلی میں اس کام کو سرانجام دیا گیا۔ کیونکہ دہلی سے دھروتارا صاف دکھائی دیتا تھا جب کہ مدھیہ بھارت اور دکھشن میں دھروتارا کا زاویہ بہت ہی چھوٹا ہو جانے سے وہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پرانی دہلی جہاں پر بعد میں رائے پتھورا کا کوٹ (قلعہ) تعمیر کرایا گیا تھا۔ اس جگہ پر آبزرویٹری کا نرمان شروع ہو گیا۔

ایک بہت بڑے پانی کے سرور (تالاب) کے درمیان میں ستّر گز اونچی ایک عمارت جیوتش کے مطابق کھڑی کی گئی۔ اس کی سات منزلیں سات گرہوں کے مطابق ہیں (راہو۔ کیتو گرہ نہیں ہیں۔ انہیں چھایہ گرہ کہتے ہیں) نیچے سے لے کر اوپر تک ۲۷ نکشتروں کی روشنی کو دیکھنے کے لئے ۲۷ روشندان تھے اور ہر منزل پر ۲۷ سوراخ اور ۲۷ محرابیں وکونیں انہی ۲۷ نکشتروں کے حساب سے تھیں۔ اس کا ماڈل شری مد بھاگوت مہاپران میں آئے ہوئے سمیرو پربت کے مطابق تھا جو کہ ایک لاکھ یوجن اونچا بتایا جاتا ہے۔ اس کا نام تھا میرو ستمبھ۔

اس عمارت کے چاروں طرف ۲۷ نکشتروں اور ۱۲ راشیوں کی کھوج کرنے کے لئے ۲۷ بھون (۲۷ مندر) بنوائے گئے جو کہ بہت ہی قیمتی اور عالیشان تھے۔ ان ۲۷ بھونوں میں اس اونچی عمارت کی زمین میں چھایا گھومتی تھی جس سے کئی چیزوں کا گیان ہوتا تھا اور رات کو جھیل کے پانی میں سے تاروں کے عکس دیکھے جاتے تھے۔

اس [OBSERVATORY] آبزرویٹری کے نزدیک ہی آچاریہ وراہ مہر اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ نواس کرتے تھے اس لئے اس جگہ کا نام مہر۔اولی یعنی مہر آچاریہ کے رہنے کا استھان تھا جو بعد میں بگڑ کر اب مہرولی پڑ گیا ہے۔ اس آبزرویٹری کے دیکھنے کے لئے اس وقت کے بہت بڑے بڑے ودوان بھارت میں آئے اور انہوں نے یہاں سے علم جیوتش کی شکشا حاصل کی۔

بھارت کی تقدیر نے پلٹا کھایا اور یہاں پر غیر ملکی لٹیروں اور حملہ آوروں نے اندھا دھند حملے شروع کر دیئے۔ دلی کا مہاراج پرتھوی راج چوہان لڑائی میں پکڑا گیا اور محمد غوری نے آ کر دلی پر قبضہ جما لیا اس وقت یہ آبزرویٹری بالکل صحیح سلامت تھی۔ بلکہ پرتھوی راج کی لڑکی اسی سو گز مینار پر چڑھ کر جمنا جی کے درشن کرتی تھی۔ درندوں کی طرح دوسرے شہروں کو روندتے ہوئے جب یہ لوگ دلی پہنچے تو انھوں نے آبزرویٹری کو دیکھا اور حیران رہ گئے۔ چونکہ مذہب کی آڑ لے کر وہ سب کچھ تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اس لئے انھوں نے

دُنیا کی سب سے بڑی اور پہلی اس آبزرویٹری کو کھنڈرات میں بدل دیا اور وہاں پر ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کروائی، آج بھی وہیں پر فارسی میں یہ عمارت کھدی ہوئی ہے جسے پڑھ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس جگہ پر پہلے کیا چیز تھی۔

"قلعہ ۵۸۷ ھجری (۹۲-۱۱۹۱ عیسوی) میں فتح کیا گیا۔ جامع مسجد کو جرنیل امیر قطب الدین نے تعمیر کروایا جو کہ تمام امیروں میں افضل او ایبک سلطان ہے۔ خدا اس کے پیرو کاروں کی امداد کرے مسجد ۲۷ مندروں کو گرا کر اس سے اکٹھے کیئے گئے سامان سے بنوائی گئی ہے جس میں سے ہر ایک مندر کی لاگت ۲۰ لاکھ ڈیلی وال ہے، خداوند کریم ان سب کی سہائتا کرے جو اس مسجد کی تعمیر کرنے والے کے لئے دعا کریں۔

اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اس میں اور دوسری جگہ پر کہیں پر بھی یہ نہیں لکھا ہوا ملتا ہے کہ قطب الدین نے یہ مینار تعمیر کروایا، ۲۷ مندروں کا ذکر ضرور آیا ہے اور ۲۷ مندر صرف جیوتش کے ۲۷ نکھشتروں کے بھون (مندر) ہی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی کتنے قیمتی تھے اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ ۱۰۰ گز اونچی عمارت کو ان لوگوں نے نہ گروایا بلکہ اس کے چاروں طرف قرآن شریف سے پر اتھنائیں اور اپنے نام کھدوا دیئے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ اسے قطب الدین ایبک اور اس کے داماد التمش نے بنوایا تھا۔ جو جو پتھر ان لوگوں نے بعد میں عربی بھاشا میں کھدوا کر لگوائے تھے وہ اب تک ٹھیک طرح جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ جیوتش کے حساب کے مطابق رکھے گئے روشندانوں میں بھی فرق آ گیا ہوا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عمارت کے باہر کمل کے پھول اور گھنٹے کھدے ہوئے ہیں جو کہ صرف ہندو عمارتوں پر ہی ہوا کرتے تھے۔

اس وشال عمارت کا نیچے کا دروازہ دھروتارا (POLE STAR) کی طرف ہے نہ کہ کعبہ کی طرف ہے جیسے کہ اسلامی عمارتوں میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ اگر یہ وشال عمارت کسی مسجد کا مینار ہوتا تو دوسرا مینار کہاں چلا گیا۔ یہی نہیں مسجد کا مینار ہمیشہ چبوترے پر بنوایا جاتا ہے سپاٹ زمین پر مسجد کی مینار نہیں تعمیر کی جاتی ایک اور خاص بات دھیان دینے کی ہے کہ یہ وشال عمارت بالکل سیدھی نہ ہو کر ۵ ڈگری جنوب ڈھلان ہے۔ جیسے عام جیوتش کی عمارت میں دیکھئے دلی کا ہی جنتر منتر اس میں دھرو دیکھنے والی لمبی دیوار ۵ ڈگری جنوب کو ڈھلان ہے) اگر یہ اسلامی عمارت ہوتی تو ۵ ڈگری مغرب کو جھکی ہوتی۔

چونکہ یہ عمارت جیوتش سے تعلق رکھتی تھی اور خاص طور پر دھروتارا (قطبی ستارہ) سے وابستہ تھی اس لئے ان غیر ملکی لوگوں نے اس کو قطب مینار کہنا شروع کر دیا جس کا مطلب ہوتا ہے قطب کو دیکھنے والی عمارت۔ جیسے کہ قطب نما گھڑی سے مراد قطب کو بتانے والی گھڑی ہے۔ اس کا تعلق نہ تو قطب الدین سے ہے اور نہ ہی خواجہ قطب سے ہے جن کا مزار مہرولی میں ہے۔ یہ عمارت دنیا کی عظیم ترین

جیوتش کی آبزرویٹری کا ایک انش ہے، کاش وہ آبزرویٹری آج موجود ہوتی۔

اسی آبزرویٹری کے نرماتا آچاریہ وراہ مہر کی یاد میں دنیا میں پہلی بار سہارنپور میں بھارتیہ جیوتروگیان انوسندھان سنستھان نے ایک بہت بڑا اتسو منایا تھا جس میں آچاریہ وراہ مہر کی جیونی اور قطب مینار کے متعلق روشنی ڈالی گئی تھی۔

اس مرتبہ بسنت پنچمی (۱۰ فروری ۱۹۷۰ء) پھر ایک عالیشان اتسو منانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں اور قطب مینار کے متعلق بہت سے اور بھی راز بتائے جائیں گے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ ہماری سنسکرتی تہذیب کتنی پُرانی ہے۔ کاش کہ ہماری موجودہ حکومت تعصب اور تنگدلی کو خیرباد کہہ کر اپنی بھارتی تہذیب اور اپنے پراچین لٹریچر اور اتہاس کو آنکھیں کھول کر دیکھے نا سنکلتا کا تیاگ کرے تو محض بھارت کو ہی نہیں بلکہ دنیا کو لابھ پہنچ سکتا ہے۔ (پربھاکر)

ریویو

وید چکھشو (ہندی)

راج جیوتشی پنڈت کیدار ناتھ جی پربھاکر لکشمی نگر سہارنپور نے "وید چکھشو" نامی دھارمک اور جیوتش شاستر کا ادبھت پرچہ جاری کیا ہے جس کا پہلا انک ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء کو شائع ہوا تھا جس میں ۴۳ لیکھ درج ہیں۔

وید سنجیونی - وشو کا مہان منتر گائتری - پرتھوی سوکت - پنچ مہا یگیہ ہماری سنسکرتی - مہارشی بھرگو اور بھرگو سنگھتا - وید اور جیوتش - ہمارا مہان بھارت تیرتھ شرادھ وغیرہ وغیرہ - ہندی جاننے والے سجنوں کیلئے تحفہ

کاغذ اعلیٰ سفید — گیٹ اپ بے نظیر

تقریباً دو سو صفحات — قیمت صرف پانچ روپے Rs. 5/-

ملنے کا پتہ

:- پنڈت کِدار ناتھ پربھاکر، راج جیوتشی لکشمی نگر سہارنپور (یوپی)

(از قلم کوی لوک ناتھ جی دل خوشاب نواسی)

باوا گنگا داس جی

بل ہین ویکتی سدا درآتما جنوں کے لابھ کا کارن اور لکش بنتا ہے۔ شرتی کا یہ انش سدیو سب کے سنمکھ رہتا۔ تھا سمرتھ سروگیہ کا اتم اپدیش جس پر سب آچرن کرتے۔ آشرم میں رہنے والے سبھی سادھک سوامی جی کے پگ چنہوں پر چلتے۔ سبھی سادھک مالا کے ساتھ تلوار کے بھی دھنی ہوتے، ان کے کان پیڑتوں، ابلاؤں اور گئووں کی پکار سننے کیلئے ہر سمے ساودھان رہتے اور ان کی رکھشا کے لئے کٹی بدھ۔ سبھی سادھو ہرشٹ پشٹ دیر باہو لنگوٹ بند دکھائی دیتے۔ سب کے مکھ پر برہمچریہ کا تیج جھلکتا۔ سب کے شریر مانو لوہے کے ہوتے سب کے ہردیہ واستوک مانوتا پورن ہوتے۔ ان کے للاٹ پر ایک جیوتی جگمگاتی۔ ان کی گرجنا بالکل سنگھ جیسی ہوتی اور ان کے انگ پرتی انگ بجر جیسے ہوتے کیونکہ سرسوں کا تیل اور اکھاڑے کی مٹی کا نت پرتی سب ہی سیون کرتے تھے۔

شریر مرتیو کا گراس ہے، ناشوان ہے۔ چھن بھنگر ہے۔ پرنتو سوبھاگیہ اس کا ہے جو راگھویندر سرکار کی سیوا میں نت پر رہے جو کسی کی ویدنا دور کر سکے جو کسی کو مکت کرا سکے۔ جو کسی کو جیون دان دے سکے یہ جب بھی کسی گھرے ہوئے پرانی کو دشٹوں سے بچانے کے لئے جاتے تو بنا شستر پریوگ کے ہی چھڑا لاتے شستر پریوگ تب کرتے جب اور کوئی چارہ ہی نہ رہ جاتا۔ کیونکہ سمرتھ سوامی کا یہ اپدیش تھا کہ سادھو کا کوئی شترو نہیں اور انیاچاری دیا کا پاتر ہے کیونکہ وہ ستیہ پتھ سے بھٹکا ہوا ہے۔ یدی وہ دنڈ کا پاتر بھی ہے تو دنڈ دینے کا ادھیکار نیائے آدھیش کو ہے یا راجہ کو۔ سادھو کو نہیں۔ پران دے کر بھی پیڑت کا ادھار کرنا پرم ورت ہے۔ آگھات سہہ کر بھی پیڑت کی رکھشا کرنا سچی شورتا ہے۔ پرنتو یہ دھرم سادھو کا ہے گرہستی کا نہیں۔

کبھی ہی کوئی ایسا اوسر آیا ہوگا جب ان کو ہتھیاروں سے کام لینا پڑا ہو۔ ورنہ ان کی للکار سے ہی شترو شکار چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، ان کی للکار ہی پیڑت کی مکتی کا کارن بن جاتی تھی اور ان کے لئے تو ایسا پرسدھ تھا کہ یہ جب تلوار شترو کے رکت میں بھگوتے ہیں تو آکاش پر یوگنیاں کھپر لے کر رکت پان کرنے کے لئے آ جاتی ہیں اور اس کھیتر میں ورشوں تک مہا ماری پھیلا جاتی ہیں۔ شترو ان کی للکار سے ہی بھئے بھیت ہو جاتا اور یہ دکھی کو لے آ کر اپنے آشرم میں رکھتے، اس کی مرہم پٹی کرتے۔ اس کو دودھ اور حلوا آدی کھلاتے

اس کو بھگوت کتھا آدی سناتے اور پرشٹ اپشٹ بنا کر گھر کے لئے بھیجتے۔

آشرم کی سبھی گؤوں کا دودھ سادھکوں کے لئے یا پیتروں کے لئے ہی پریوگ ہوتا۔ پرنتو سمرتھ سوامی تو دھونے پر لگا ہوا جوار کا ٹکرا کھاتے یا پھر ہرے پتوں اور بیل گری آدی سے اُدر پورتا کرتے۔ ان کے پاس کیول دو کوپین لنگوٹ، ایک تونبے کا کمنڈل اور ایک موٹا سا ڈنڈا رہتا۔ یہی تھی ان کی جیون سمپتی۔ ہاتھ پر کھانا۔ چلّو بھر پینا۔ بہت کم سونا۔ جیون بھر بھجن یا دکھیوں کی سیوا۔ یہ تھا ان کا تیاگ مئے سندر جیون انھوں نے جلنے بھی آشرم نرمان کے تھے سب میں رگھو ینددر سرکار یا ماروت ستت ہنومان جی کے مندر ہوتے اور ترت پرتی ان دیوتاؤں کی پوجا ام یا ستا ہی ان کے جیون کا پھل ہوتا۔ سمرتھ سوامی پرانہ ساینگ ایک بات سب سادھکوں کو کہتے جو شور ہر ہٹو ر کرا کرت نہیں کر سکتا، وہ سادھو نہیں ہو سکتا اندریوں پر وجے پانا ہی سادھک کا سادھو پن ہے۔

(۲)

شیر شاہ سوری کا بسا ہوا یہ نگر جس کا نام خوشاب پرسدھ تھا۔ سرگودھا ضلع (پنجاب) میں دریائے جہلم کے تٹ پر تھا۔ دو بار دریا کی بھینٹ ہونے پر بھی اس نگر کی شوبھا کھنڈن نہیں ہوئی تھی اور وشش کر کے بیراگی سمپردائے کا یہ شری رگھوناتھ مندر تو بہت ہی سندر تھا جس سمپردائے کا میں نے اُدپر ورنن کیا ہے اسی بیراگی سمپردائے کی اس مندر پر چھاپ تھی۔ اس کے مہنت باوا گنگا داس جی بیراگی تھے۔

آپ جب خوشاب میں پدھارے تو آپ کی آیو لگ بھگ ۱۲۔۱۳ ورش کی تھی۔ جیون ڈھلتے ڈھلتے ڈھل گیا پرنتو سدا چار کی نیا کا اونچی ہی اٹھتی چلی گئی۔ آپ کا جیون گنگا جل کی طرح نرمل دوپہر کے سورج کی طرح تھی اجول اور دیو مندر کی طرح پوتر تھا۔ آپ وشنو کل کھوشن بال برہمچاری اور رگھو بندر سرکار کے انینہ بھگت تھے۔ آپ کے منتریوں میں تپسیا کا تیج آپ کی للاٹ پر سدا چار کا پربھاؤ اور آپ کی جیبھا پر رام کا مدھر نام رہتا تھا۔

سدا چار ہی مانو کی پونجی ہے، اسے آپ نے بڑی سادھانی سے سنبھال کر رکھا۔ مانو کے بھیتر ننانوے پرتی شت اوگن ہوں۔ پرنتو سدا چار کا دھنی ہو تو اس کا سنمان ہوتا ہے اسے جاتی کا ابھوشن کہتے ہیں۔ یدی سدا چار کی سمپتی کھو بیٹھے اور سنسار بھر کے گن یدی اس میں ورشٹی گوچر ہوں تو بھی اس کا سماج میں کوئی ستھان نہیں ہوتا۔ وہ جیون میں ایسے لگتا ہے جیسے ٹمٹماتا ہوا تارا جیسے بجھتا ہوا دیپک جیسے مرجھایا ہوا پھول۔

یوتیاں

کارتک اور ماگھ ماس میں نورتیاں نو یوتیاں اور بردھا استریاں ندی سنان کر کے پراتہ ۴۔۵ بجے ہی مندر میں آجاتیں اور پھر آٹھ ۸½ بجے تک وہاں ہی رہتیں۔ پراتہ کال جب روشا کی دیوی سولہ سنگار

کر کے مانگ کے سیندور کو جگمگاتے ہوئے بھگوان بھون بھاسکر کے درشنوں کے لئے آتی اور سائن کال کو سندھیا بالا آرتی کے تھال میں تاروں کے دیپ جلا کر اپستھت ہوتی تو مندر میں شنکھ گھنٹے گھڑیال ڈھولک بنجیرے اور چمٹے بج اٹھتے جن کی مدھر دھونی سے آکاش گونج اٹھتا۔

گوسوامی تلسی داس جی دوارا رچت۔ نیلا منبج شامل کو ملانگم ڈروادل دھوتی تن۔ ترونا بج تیتر شری رام چندر کرپال بھج من ہرن بھو بھیئے دارونم۔ بھیئے پر کٹ۔ کرپالا۔ دین دیالا۔ کوشلیا ہتکاری اور پھر جے جگدیش ہرے سوامی جے جگدیش ہرے۔ ساتھ ساتھ جے سیا رام۔ جے جے سیارام کی دھونی کرتے ہوئے مندر کی چار پری کرما لیتے۔ اس کے بعد چرنامرت ملتا۔ پرساد بٹتا اور سب نرناری آنند وبھور ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے۔

(۳)

لگ بھگ سنہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے جب کہ شری کناس راج کی یاترا کر کے پانچسو بیراگی سادھو بیساکھی کا میلہ دیکھ کر خوشاب کے اس مندر میں آکر ڈٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ستھان ایودھیا بن گیا پانچسو ۵۰۰ مندروں کا نرمان ہو گیا۔ اور چٹکی بجانے کی دیر میں ہزاروں نرناریوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کچھ چھتریوں کے نیچے اور کچھ چندوہوں کے نیچے۔ دونوں سمے مردنگ بجتے، نگارے بجتے، گھنٹے گھڑیال بجتے، شنکھ بجتے اور آرتی گان ہوتا۔ کہیں سنکیرتن ہوتا، کہیں کتھا ہوتی، کہیں شستروں کی پردرشنی ہوتی، کہیں لاٹھی گتکے کا اکھاڑہ جمتا اور کہیں پنچ اگنی تاپنے کا درشیہ دکھائی دیتا۔

صبح سے لے کر رات کے گیارہ بجے تک وہاں کندھے سے کندھا چھلتا۔ بھگت نرناری امڈ کر آتے اور جھوم کر چلے جاتے۔ سارا دن ہی وہاں ہری چرچا ہوتی۔ بھگوت گن گان ہوتے۔ ست سنگ کی سبھائیں گرم رہتیں۔ کہیں رام للہ اور تھلیش للی (سیتا جی) کی بات چلتی۔ کہیں ہنومنت لال جی کی چرچا ہوتی اور کہیں کہیں پر نندلال کے ماکھن چور کی جھانکیں ہوتے دکھائی دیتے۔ سنکیرتن کی دھونیاں گونجتی رہتیں۔ چرنامرت پرساد بٹتے رہتے اور بھگت پریوار آنند وبھور ہوتے رہتے۔ سب آنگنے نمن چکور جھومتے۔ سب کے من میور ناچنے لگتے۔ سب کے ہردیہ کمل کھلنے لگتے۔

جہاں دھوپ، اگر چندن اور گلاب آدی کی خوشبو پھیل رہی ہوتی، وہاں شدھ گھی کے کڑاہ پرساد کی بھینی بھینی سباس بھی نا سکا کو پرسن کرتے ہیں کوئی کمی نہ اٹھا رکھتی۔ انتم دوس تو کھیر اور مال پوا بھی خوب کھانے کو ملا اور رات رات میں ہی یہ سارا کھیل ختم ہو گیا۔ دن چڑھا تو پھر وہی بیراگی مندر، وہی گئو شالا اور وہی باوا گنگا داس۔

ایسے بڑے بڑے میلے کنبھوں کے اوسر پر تیرتھ ستھانوں میں لگتے تھے، پرنتو نہ جانے کیسے اکا ایک خوشاب نگری کے بھاگ جاگے، ایودھیا بن کر وہ گئی جو چھپا ہم نے دیکھی تھی اس کا درشن یہ سیکھی کہا نہیں سکتی۔ پرنتو سنکیت بھی نہ کیا جائے تو کہانی ادھوری رہ جاتی ہے۔ اسلئے کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے۔

(۸)

باوا اگنگا داس جی رچیہ کوٹی کے مہانتما تھے۔ کرم یوگی سنت تھے۔ پرم گیانی بھگت تھے۔ ٹینٹوں میں سنگدھی کو بھگوان کی وبھوتی مان لینا۔ تاراگن میں جیوتی کو بھگوان کی مسکان مان لینا۔ سندر پھولوں میں سرستا کو بھگوان کی کرپا مان لینا کوئی کٹھن نہیں۔ سندر وستو میں ان کو مورتی مان دیکھ لینا اسمبھو نہیں پرنتو کانٹوں کی نوک میں۔ سلگتے انگاروں میں اور مرتیو کے وشیں میں بھگوان کو پہچاننا سا دھارن بات نہیں۔

کبھی کبھی ہم باوا جی کے پاس جاتے تو یہی چرچا ہو رہی ہوتی۔ آتما امر ہے۔ شریر ناشوان ہے شریر سے موہ کائیر کرتے ہیں۔ جو ویر پورش ہوتے ہیں وہ مرتیو سے بھی بھیت نہیں ہوتے بلکہ مرتیو کی دیوی جب دوار کھٹکھٹاتی ہے تو مہا پورش بھگوت اچھا کو ستیہ مان کر مرتیو کا ساور ستکار کرتے ہیں اور اس کا سنکیت پا کر موَن دھارن کیے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اس سمے ان کی وانی سے ایک ہی دھنی سنائی دیتی ہے۔ ہے پربھو! تیری اچھا پورن ہے۔

مندر میں کتھا۔ کیرتن۔ ست سنگ نت پرتی ہوتا تھا۔ جہاں رام چرت مانس کی کتھا ہوتی وہاں شری مد بھگوت گیتا کی بھی چرچا ہوتی۔ تلسی۔ میرا اور سور جی کے پد گان بھی ہوتے۔

۱۴ مارچ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ چیت کی سنکرانتی تھی۔ آپ کے ساتھ دو اور بھی مہا پورش تھے، ایک کنڈیاں کے مہنت کشوری داس جی اور دوسرے ان کے چیلے، آپ تلوار اور لاٹھی اور تیر کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ سنتر دیو ا کے ساتھ لٹک رہے تھے۔ باوا اگنگا داس جی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ پرنتو ہردیہ جوان تھا۔ پھر بھی موَن بیٹھے تھے۔

عطر، عبیر اور گلال اڑانے کے دن تھے۔ پرنتو نردوش بچوں، استریوں اور بوڑھوں کے رکت سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ مالو تالے وانو تا کا آواہن کیا۔ مرتیو نے رن چنڈی کا روپ دھارن کر لیا اور مہا کال پگ پگ پر تانڈو نرت کرنے لگ پڑا۔ بھلے برے سب وناش کے گہرے کوئیں میں گرنے لگے، چاروں اگنی کانڈ ہونے لگے۔ برچھے، بھالے اور کلہاڑے، نر ناری کے رکت میں ڈوبنے لگے۔ نگر اور گرام کے غنڈے ان کے پاس بھی مرتیو کا سندیش لے کر آئے۔ یہ چوک بازار اور ہنومان مندر کو ویران کر کے آئے تھے، آگ کی لپٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔ "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہو رہے تھے، مارو کاٹو کی بھیانک آوازیں آکاش میں گونج رہی تھیں۔

جب غنڈوں نے آپ کے پران لینے کے لئے ہتھیار اونچے اٹھائے تو آپ نے بڑی گمبھیرتا سے اپنا سر نیچے جھکا دیا۔ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے پران لے کر، دھن سمپتی لے کر۔ مکتی متر گاوے گروہ چلے گئے اور نربوؤ! انہیں رکت میں لتھ پتھ دھرتی پر تڑپتی رہ گئیں۔

بقیہ مضمون صفحہ 159 پر ملاحظہ فرمائیں

آریہ جاتی

(ایڈیٹر)

کی معراج ترقی اور زوال کے اسباب

نہیں کوئی ہرگز کسی کو گراتا　　نہیں کوئی ہرگز کسی کو ستاتا
نہیں کوئی نیچا کسی کو گراتا　　نہیں کوئی ہستی کسی کی مٹاتا

گراتے ہمیشہ ہیں اعمال اپنے
مٹاتے ہمیشہ ہیں افعال اپنے

مندرجہ بالا اشعار آریہ جاتی کی پستی اور گراوٹ پر صادق آتے ہیں۔ یہ وہی جاتی ہے جس کے کارناموں اور فسانوں کی نظیر تمام دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے کبھی نہیں ملتی۔ اس جاتی کی فیاضی، رحمدلی، دھرم اور کرم کا زمانہ قائل ہے۔ جا بجا تواریخ اور پراچین اتہاس ہماری تحریر اور دلیلوں کی زندہ شہادت اور ثبوت ہیں۔ یہ اُتم جاتی فیاض تھی۔ آج اس کے نونہال ٹکڑوں کے لئے محتاج ہیں۔ یہ جاتی غریب پرور تھی۔ آج اپنی غریبی کی بدولت دکھوں کا منبع بن رہی ہے۔ کسی زمانے میں اس جاتی کے عروج رعب وجلال، ہنر وکمال، ہمت و استقلال کے سامنے کسی قوم اور ملک میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ جھوٹ، چوری، بدمعاشی، پاپ، دغابازی۔ لڑائی اور مکاری سب عیوب کافور تھے۔ سچائی ہی سب کا دھرم تھا۔ کوئی شخص غریب نہیں تھا۔ سب لوگ آرام اور سکھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ گویا یہ بھارت ورش سورگ تھا۔ جیسے آج یورپ میں یہاں کے لوگ ودیا حاصل کرنے جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں وہاں کے لوگ یہاں آتے تھے۔ گویا بھارت ورش سب دنیا کا گورو تھا۔ یونان، چین، فارس، عرب، جس بھی کسی ملک کے سیاحوں کی سیاحتی کتب کا مطالعہ کیا جائے، وہ سب ہندوؤں کی راست بازی اور انصاف پسندی کی تعریف سے بھر پور ہیں۔ چنانچہ میگس تھنیز، جو شاہ سلوکس کی طرف سے چندر گپت کے دربار پاٹلی پتر (پٹنہ) میں بطور سفیر آیا تھا تحریر کرتا ہے کہ:

ہندوستان میں چوری کرنا قریباً معدوم تھا اور اہل ہند صداقت اور نیک خصائل کی بڑی قدر کرتے تھے۔

آرین جو ایکپیٹس کا شاگرد دوسری صدی عیسوی میں ہو گزرا ہے ہندوستان کے منتظمان کے بارے میں لکھتا ہے۔

حکام اچھی طرح نکھتے ہیں کہ گاؤں یا قصبات میں کیا ہو رہا ہے۔ ہر واقع کی رپورٹ مجسٹریٹ کے پاس جاتی ہے۔

جھوٹی رپورٹ دینا ان کی سرشت سے بعید ہے۔ کوئی ہندو جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہے۔"

ہیون سانگ جو چین کا مشہور سیاح ہو گزرا ہے اس نے ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سیاحت کی اور اس نے لکھا۔

اگرچہ اہل ہند سبک مزاج ہیں لیکن اپنے چال چلن کی دیانتداری اور صداقت کے لئے ممتاز ہیں۔ کوئی چیز ناجائز طریق پر کسی سے نہیں لیتے، انصاف اور راستبازی ان کے نظام سلطنت کا مشہور وصف ہے۔"

تیرھویں صدی میں مارکیو لپولو کی شہادت موجود ہے۔ وہ برہمنوں کی نسبت تحریر کرتا ہے:

"اگرچہ ان کا پیشہ تجارت نہیں ہے لیکن اگر راجہ انہیں تجارتی کاروبار میں لگائے تو وہ بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں۔

برہمن نہایت راستی پسند ہیں وہ روئے زمین پر کسی چیز کی خاطر کبھی جھوٹ بولنا گوارا نہ کریں گے"

سولہویں صدی میں ابوالفضل۔ وزیر شہنشاہ اکبر۔ "آئین اکبری" میں یوں لکھتا ہے:۔

ہندو لوگ دھارمک۔ ملنسار۔ خوش مزاج۔ انصاف پسند۔ کاروباری۔ قابل صداقت کے دلدادہ شکر گزار اور پرلے درجے کے وفادار ہیں۔ ان کے سپاہی میدان کارزار میں ہرگز پشت نہیں دکھلاتے" پس کہاں تک کتابوں کے حوالے نقل کئے جاویں۔ قرون وسطی میں باہر سے جس قدر سیاح اور دیگر لوگ ہندوستان میں آئے یا اس سے متعلق رہے وہ سب بھارت واسیوں کی صداقت اور راست بازی کے ثنا خواں ہیں۔

اورنگ زیب کے بھائی داراشکوہ نے بھی ہندو شاستروں اور علم سنسکرت کے متعلق اپنا فیصلہ دیا کہ جیسا مکمل علم سنسکرت میں ہے ویسا کسی اور زبان میں نہیں ملتا۔ چنانچہ داراشکوہ نے اپنشدوں کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اس میں یہ تحریر کیا کہ "میں نے عربی فارسی وغیرہ علم پڑھے لیکن میرے من کا سندیہہ دور نہ ہوا اور نہ ہی دل کو تسکین نصیب ہوئی۔ لیکن جب سنسکرت ودیا میں اپنشدیں پڑھیں اور دیگر وید گرنتھ دیکھے تو میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور مجھے پرم شانتی نصیب ہوئی۔

مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آرین عظمت کا دور دورہ اس بھارت ورش میں کافی عرصہ رہا۔ اب مندرجہ ذیل مثالوں سے ثابت ہوگا کہ آریہ لوگوں کا تعلق تمام دنیا کے ساتھ تھا اور جو سائنس کی ترقی آج کل یورپ میں نظر آتی ہے وہ پہلے یہاں بھی موجود تھی۔

رامائن میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب بھگوان رام لچھمن اور سیتا جنگل میں اپنے پتا کی آگیا (حکم) کا پالن کرنے کے لئے گئے تو ان کو گرمی، سردی، بھوک، پیاس وغیرہ برداشت کرنے کے علاوہ کئی جنگلی لوگوں سے بھی دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ چنانچہ کھر اور دوکھن راکھش اپنی بے شمار ٹڈی دل فوج لے کر آئے مگر رام نے اکیلے ہی ان کا اور ان کی تمام فوج کا تھوڑے ہی عرصہ میں کام تمام کر دیا۔ ان کے پاس صرف دو ہی بان تھے جن کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا اور وہ دشمن کا مقابلہ کر کے واپس آجاتے تھے۔ راون جیسے طاقتور راجہ کا بھی انھوں نے ملیا میٹ کر دیا۔ ہنومان جی نے سنجیونی بوٹی ایک ہی رات میں ہمالیہ پربت سے لاکر لنکا پہنچائی جس کے استعمال سے فوراً لچھمن پھر سے جی اٹھے، ہنومان جی میں کئی سدھیاں اور کئی ایسی شکتیاں موجود تھیں جس سے وہ اپنے جسم کو چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا بنا سکتے تھے، انھوں نے رامیشور سے لنکا تک تمام سمندر ایک ہی چھلانگ میں پار کر لیا اور ساری لنکا کو آگ لگا دی لیکن راون کے بڑے سے بڑے یودھا بھی انہیں پکڑ نہ سکے۔ جب بھگوان رام راون کو مار کر کے لنکا کا راجہ بھیکشن کو دے کر فارغ ہوئے تو پشپک ومان (ہوائی جہاز جس میں سینکڑوں اشخاص بیٹھ سکتے تھے) پر سوار ہو کر ایک ہی دن میں اپنی راجدھانی اجودھیا پہنچ گئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ ہوائی جہازوں سے اس زمانے کے ہوائی جہاز زیادہ بہتر تھے اور وہ منتر شکتی اور مالک کے سنکلپ سے چلتے تھے ان میں کوئی مشینری نہیں تھی۔ اور دیکھئے۔

घटयैकया क्रोश दशीकमश्वः सुकृत्रिमो गच्छति चारुगत्या ।

वायुं ददाति व्यजनं सुपुष्कलं विना मनुष्येण चलत्यजस्रम् ॥

راجہ بھوج کے راجیہ اور گرد و نواح میں ایسے ایسے سائنسداں تھے کہ جنھوں نے گھوڑے کی شکل کا ایک یان یتر کلا (مشین) بنایا تھا جو ایک گھنٹہ میں ساڑھے ستائیس کوش جاتا تھا۔ وہ بھومی (زمین) اور انترکھش (آسمان) میں بھی چلتا تھا۔ اور دوسرے ایک ایسا پنکھا بنایا تھا کہ بنا منش کے چلائے کلا یتر کے بل سے ہمیشہ چلا کرتا اور پشکل وائیو دیتا تھا۔

मेरोर्हरेश्च द्वे वर्षे वर्षे हैमवतं तत॥
क्रमेणैव व्यति क्रम्य भारतं वर्षमासदत्॥
स देशान विविधान पश्यंश्चीन हूण निषेवितान॥
(अ० ३२६॥)

یہ شلوک مہابھارت شانتی پرب موکھش دھرم میں ویاس شکدیو سنواد میں آتے ہیں۔ ارتھات۔ ایک سمے ویاس جی اپنے پتر شکدیو اور شِش سہت پاتال (امریکہ) میں نواس کرتے تھے۔ شُک آچاریہ نے پتا سے ایک پرشن پوچھا کہ آتم ودیا اتنی ہی ہے یا اور بھی؟ ویاس جی چونکہ اس بات کا پہلے اُپدیش کر چکے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس کا دوبارہ جواب نہ دیا۔ بلکہ فرمایا۔ کہ ہے پتر! تُو متھلا پوری میں جا کر یہی پرشن جنک راجہ سے کر۔ وہ اس کا ٹھیک ٹھیک اُتر (جواب) دیگا۔ پتا کا وچن سُن کر شکدیو پاتال سے متھلا پوری کی طرف چلے۔ پہلے میرو یعنی ہمالیہ سے شمال مغرب میں جو دیش بستے ہیں۔ ان کا نام ہری ورش हरि वर्ष تھا۔ ارتھات ہری کہتے ہیں۔ بندر کو۔ اس دیش کے منش اب بھی رکت مکھ یعنی بندر کے سمان بھورے نیتروالے ہوتے ہیں۔ جن دیشوں کا نام اس سمے یوروپ ہے۔ انہی کو سنسکرت میں ہری ورش کہتے تھے۔ ان دیشوں کو دیکھتے ہوئے اور جن کو ہون हूण یہودی بھی کہتے ہیں۔ ان کے دیشوں کو دیکھکر چین میں آئے، چین سے ہمالہ اور ہمالہ سے متھلا پوری آئے۔

شری کرشن اور ارجن پاتال میں اشوتری (अश्वतरी) ارتھات جن کو اگنی یان نوکا (جہاز) کہتے ہیں اس پر بیٹھکر پاتال میں جاکر مہاراجہ یدھشٹر کے یگیہ میں اُدالک رشی کو لے آئے تھے۔

دھرت راشٹر کا وواہ گاندھار (गांधार) جس کو قندھار (कंधार) کہتے ہیں وہاں کی راج پتری سے ہوا۔ مادری راجہ پانڈو کی استری ایران (ईरान) کے راجہ کی کنیا تھی۔ اور ارجن کا وواہ پاتال یعنی (امریکہ) کے راجہ کی لڑکی اُلوپی (उलोपी) کے ساتھ ہوا تھا جب مہاراجہ یدھشٹر نے یگیہ کیا تھا۔ تو تمام دنیا کے راجاؤں کو اس میں شامل ہونے کے لئے نمنترن دینے کے لئے بھیم، ارجن نکل اور سہدیو چاروں اطراف میں گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آریہ ورت کے لوگوں کا سمبندھ تمام دنیا کے ساتھ قائم تھا۔ بلکہ یوں کہئے کہ تمام دنیا میں صرف ایک ہی مت تھا۔ تمام لوگ ویدوں کو مانتے تھے اور ان پر چلتے تھے۔ آریہ دھرم ہی سب کا دھرم تھا جگہ جگہ پُرانوں کی کتھائیں ہوا کرتی تھیں۔ جن میں روچک، بھیانک اور یتھارتھ تینوں قسم کے اپدیش ہوتے تھے۔ جیسے پورانک گرنتھوں کی نند یا شروع ہوئی اور لوگوں کو ان سے متنفر کیا گیا تب سے اشردھا بڑھی اور لوگوں نے اپنا تمام دھرم کرم چھوڑ دیا۔ لوگ ناستک ہو گئے اور اخلاق کا دیوالہ نکل گیا۔

زوال:- اس سب سے شریشٹھ اور سب کے سرتاج بھارت ورش کو مہابھارت کے یدھ نے ایسا دھکا دیا کہ اب تک یعنی پانچہزار سال کے بعد بھی یہ اپنی پہلی حالت کو نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ دن بدن تنزلی کی طرف ہی جا رہا ہے۔ جیسے بڑے بڑے ودوان، راجہ

مہاراجہ، رشی مہرشی لوگ مہابھارت کے یدھ میں مارے گئے۔ تب سے ویدوں کا پرچار نشٹ ہونے لگا۔ باہمی ایرشا دویش ابھیمان کو ترقی نصیب ہوئی، جو طاقتور ہوا وہ راجہ بن بیٹھا۔ اس طرح ہندوستان میں کئی راجے بن گئے۔

آپس میں اتفاق نہ رہنے سے طاقت کمزور ہو گئی ۷۰۵ء میں خلیفہ ولید نامی مسلمان نے ہندوستان پر حملہ کیا اور خوب نوچا کھسوٹا۔ پھر خلیفہ مامون آیا مگر اس نے شکست فاش کھا کر پھر یہاں دوبارہ حملہ نہیں کیا اور قریب ڈیڑھ سو برس تک امن و امان رہا۔ اس کے بعد ۹۷۷ء میں محمود سبکتگین حملہ آور ہوا جے پال دہلی کا راجہ تھا شکست کھا گیا۔ سبکتگین تو لوٹ مار کر چلا گیا۔ جے پال کو اپنی حفاظت کا خیال پیدا ہوا۔ فوجیں آراستہ کی گئیں۔ اور غزنی پر چڑھائی کی نتیجہ خراب نکلا۔ جے پال پکڑا گیا مگر اس زمانہ کا ایک مورخ لکھتا ہے۔ ہندو اس وقت تک اپنی قومیت کو سمجھتے تھے۔ عورتیں چرخہ کات کر اس کی آمدنی راجہ کو لڑائی کے وقت پہنچاتی تھیں۔ بعضوں نے ناک ناتھ تک فروخت کر کے ملک کی حفاظت کے خیال سے مدد دینا دھرم کا کام سمجھا تھا چھوٹے چھوٹے کشتریوں کے لڑکے لڑائی میں شوق سے شریک ہوتے تھے۔ یہ سب پرانوں کی تعلیم کا اثر تھا۔ لوگوں کو اپنے دھرم پر پورن شردھا تھی۔ وہ راجہ کو بھگوان کا اوتار مانتے تھے اور اپنا تن من دھن سب کچھ ارپن کرنے کو تیار رہتے تھے سبکتگین کے بعد محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء میں متواتر حملے کئے اس کے حملوں سے ہزاروں لاکھوں مرد، عورت بے خانماں اور آوارہ ہوئے، لاکھوں مندر توڑے گئے، کروڑوں کا مال لوٹا گیا۔ جوالا مکھی کے مندر سے ساٹھ لاکھ مہر سات سو من سونا ۴۰ من جواہرات اس کے ہاتھ لگے۔ اس کا پانچواں حملہ کورکشیتر پر ہوا۔ شہر کو آگ لگا دی گئی اور کثیر التعداد ہندوؤں کو پکڑ کر غزنی لے جایا گیا۔ آٹھواں حملہ متھرا پر ہوا، اور ۲۵ ہزار آدمی پکڑ کر لے جائے گئے۔ پھر سومناتھ پر حملہ کیا۔ لاکھوں گھر تباہ کر کے بڑی دولت لوٹ کر لے گیا۔ محمود کے بعد، محمد غوری کی فوج کشی میں ہندوستان کا آخری مہاراجہ پرتھوی راج مارا گیا۔ اس وقت سے ہمیشہ کے لئے اس بدنصیب دیش کی پیٹھ ٹوٹ گئی اور اس کا کوئی والی وارث نہیں رہا۔ پھر مسلمان فرمانرواؤں نے جو جو ظلم و ستم کئے اس کیلئے یہاں لکھنے کی گنجائش نہیں

اتنی تکلیفیں اٹھاتے ہوئے اب اس پراچین یعنی ساتن آریہ جاتی کے صرف کھنڈرات ہی رہ گئے ہیں لیکن ابھی تک اس جاتی کے قائم رہنے کا سبب یہ ہے کہ رشیوں کا خون ابھی اس کے رگ و ریشہ میں موجزن ہے۔ اور سوامی رام، سوامی ویویکانند، سوامی دیانند جیسی مہان آتمائیں ان کھنڈرات کی تعمیر کرتی رہی ہیں۔ جن سے یہ نشانات باقی ہیں۔

انگریزوں سے آزادی ملنے کے بعد اگر مہاتما گاندھی زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ ہمارا دیش روبہ ترقی ہوتا لیکن بدقسمتی سے وہ جلد ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے اور حکومت ناستک اور مغرب زدہ لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ناستک ہو گئے، اخلاق کا دیوالہ نکل گیا، بھرشٹاچار۔ انیاچار بڑھ گئے۔ دھرم کرم اور شرم جاتی رہی فیشن پرستی بڑھ گئی اور لوگوں نے اپنا تمام پہلا اتہاس بھلا دیا۔

اے رشی سنتان! باہمی تفرقات کو مٹا کر ایک ہو جاؤ۔ بھارت ماتا کی دکھ بھری داستان کو اپنے سر دے میں جگہ دے۔ اپنے پراچین اتہاس کو نظرانداز نہ کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کی آن اور شان کو دوبالا کر غیر بھاشاؤں کو اپنانے کے بجائے برہم دویا کو گرہن کر۔ برہم ودیا سے ہی تیرا کلیان ہوگا اور تو پھر پہلے کی طرح تمام دنیا پر سکھ اور شانتی پھیلا سکے گی۔

(اوم شانتی شانتی شانتی اوم)

انسان اور بھگوان

از قلم پنڈت رام لعل ساکت چنڈی گڑھ ۔ شاگرد رشید شری سوامی رامانند پرم ہنس یوگیراج

(رنگ اوّل)

ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی!
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی!

(۱) اپنے سانچے میں ڈھال تجھے ہیں کیا کیا رنگ بھرے اس میں — خود ہو کر اس پر شیدائی ، بن آتم روپ بسے اس میں
اس سے بڑھ کر انسان تجھے اب اور غنیمت کیا ہوگی
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی

(۲) سروتر سدیو ویاپک تو ، ہر نام روپ میں بستا ہے — خود کھیل جگت کا کھیلے تو ، کہیں روتا ہے کہیں ہنستا ہے
ہے جلوہ ترا ہی جب ہر سو ، پھر دید کی حسرت کیا ہوگی!
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی!

(۳) ہے دید ، شنید ، کلام تو ہی ، ہر شکل تو ہی ، ہر نام تو ہی — آغاز تو ہی ، انجام تو ہی ، ہے ساقی کا پیغام تو ہی
اس رازِ حقیقت کو پا کر ، مرشد کی ضرورت کیا ہوگی
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی

(۴) وہ تاب تصور میں ہے ترے جو چاہے شکل عطا کر دے — پتھر سے بت پیدا کر کے ، پھر بت کو عین خدا کر کے
جب پیدا کُن قادر ہے تو ، پھر تیری قدرت کیا ہوگی
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی

(۵) فانوس بدن میں شمع جلے ، نت ترا باطن روشن ہے — تو خود ہے عشق اور حسنِ جہاں ، خود شیریں اور خود کوہکن ہے
اس پہ بھی جو سمجھے جسم ہوں میں پھر اور جہالت کیا ہوگی
انسان تری صورت سے الگ بھگوان کی صورت کیا ہوگی

(رنگ دوم)

(۶) وہ ایک بتِ ہرجائی ہے ہو دیر و حرم میں قید کہاں! — جس جا سے پکارے تو اس کو ہونا ہے وہ موجود وہاں
اب کھوج میں در در کی ٹھوکر کھانے کی ضرورت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۷) ہر مندر سہر[۱] کا مندر ہے ، اک سہر ہر اک کے اندر ہے — ناچے جو اپنے مرکز[۲] پر وہ عاشق مست قلندر ہے

---

۱ سہر بمعنی خدا ۔ ۲ ادھشٹان

اسیے مستانے کے آگے دنیا کی حقیقت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۸) جو اپنی حقیقت جان گئے اور ذاتِ خدا پہچان گئے — اپنا ہی جلوۂ نورانی اس دنیا کو جو مان گئے
ہیں واصل حق سدا، ان کو ہجر کی زحمت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار، پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(9) جب آتشِ عشق ہیں کو دپڑے پھر انجام سے کب وہ ڈرتے ہیں — تسلیم و رضا کے بندے کہاں، محبوب سے شکوہ کرتے ہیں
جی جاں کو لٹانے سے بڑھ کر اور عشق کی قیمت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار، پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۱۰) دنیا کے حسیں چہرے سارے میری تسبیح کے دانے ہیں — میں ان کی مالا جپتا ہوں یہ میرے میت پرانے ہیں
اس سے اعلیٰ اور سہل بھلا اور طرزِ عبادت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۱۱) جو محفل عشق میں آتا ہے، وہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے — ساقی سے نظر کے ملتے ہی بندے سے خدا ہو جاتا ہے
متلاشیِ حق اس سے بڑھ کر ساقی کی عنایت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۱۲) ہستی کی دوکاں کو بیچ کے ہم آ بیٹھے خاک نشینوں میں — اب اپنی نظر میں فرق نہیں پتھر میں اور نگینوں میں
اس شانِ فقیری کے آگے دنیا کی امارت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار پھر اس کی مورت کیا ہوگی

(۱۳) توحید کی مے پینے والے جو بھی تشنہ لب آتے ہیں — میخانۂ ساقی سے پی کر کیا مست جھومتے جاتے ہیں
اے سالک بادہ خوار تری اور خوبیٔ قسمت کیا ہوگی
ایشور کو جو مانیں نراکار، پھر اس کی مورت کیا ہوگی

ایک ننھا سا گھنٹا

شری جگت ناتھ کھنہ صفی

جس نے مہاراجہ اشوک کا جیون پلٹ دیا

چارو مترا کا بلیدان

بھارت ورش کے اتہاس میں مہاراجہ اشوک کو ایک خاص درجہ حاصل ہے نہ صرف اس لئے کہ وہ ایک نہایت قابل حکمران تھے۔ بلکہ اس لئے کہ انھوں نے سارے بھارت کو متحد کر دیا تھا اور بدھ مت کے پرچار کو اپنی زندگی کا مقصد عظیم بنا کر تن من دھن سے اس میں منہمک ہو گئے تھے اور اپنی لاثانی قابلیت کی وجہ سے دنیا کے سمراٹوں میں بھی شمار ہوتے تھے۔ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلکر انھوں نے دیش میں ایکتا اور اتحاد کے جذبات پیدا کرنے کی قابل قدر کوشش کی اور اس میں انھیں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ ان کے دور حکومت میں بھارت نے بہت ترقی کی اور اسی بات کے پیش نظر بھارت کی سرکار نے "اشوک چکر" دیش کی ایکتا کا چنہ تسلیم کیا۔

اشوک کے زمانے میں کالنگہ کی بھی ایک آزاد سلطنت تھی۔ مہاراجہ اشوک اس کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے تھے۔ کالنگہ کا راجہ بھی ایک مشہور یودھا اور سلمہ شور بیر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی فوجی طاقت مہاراجہ اشوک سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھی اور وہاں کے باشندے بھی بڑے دیش بھگتی (محب وطن) تھے۔ اشوک نے کالنگہ کے خلاف فوجی محاربہ شروع کر دیا جو بہت عرصہ تک جاری رہا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر دونوں طرفوں کو جان و مال کا سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ کالنگہ کے راجہ نے اشوک کی حملہ آور فوج کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور اس کی شور بیرتا اور شجاعت کا ہی نتیجہ تھا کہ یہ سنگرام اتنی دیر تک جاری رہا۔ اشوک نے اس ریاست کو فتح کرنے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی اور بڑے استقلال اور اولوالعزمی سے اس جنگ کو جاری رکھا اور اسی طرح سے کالنگہ کا راجہ بھی اس کے مقابلے میں بڑی بردباری اور حوصلہ سے ڈٹا رہا۔

مہاراجہ اشوک کی رانی بہت پتی برتا اور دھرماتما عورت تھی۔ وہ بھی اپنے پتی کے ساتھ میدان جنگ میں جا پہنچی تھی اور اپنے پتی کی خدمت میں مصروف رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ دونوں طرف کی فوجوں کے بہت سے بہادر جوان کام آ چکے ہیں اور وہ جانی نقصان دن بدن بڑھتا جاتا ہے اس خیال سے اس کے دل پر چوٹ لگی اور وہ بیمار پڑ گئی۔ اس کی نیند حرام ہو گئی دن رات تڑپ تڑپ کر کاٹتی۔ اس کی خادمہ چارو مترا نام کی ایک نوجوان لڑکی جو کالنگہ کی رہنے والی تھی اس کی خدمت میں رہتی اور اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرتی۔ اگرچہ چارو مترا اپنے مالک اور مالکہ کی دل و جان سے سیوا کرتی نہیں لگی رہتی پھر بھی محض اس لئے کہ وہ کالنگہ کی رہنے والی تھی اور اسے اپنی ماتری بھومی سے بھی بہت پریم تھا مہاراجہ اشوک

اس پر بڑی کڑی نگاہ رکھتے، چارومترا دونوں راجاؤں اور ریاستوں کی بہتری اور رانتی کے لئے ہر وقت پرارتھنا کیا کرتی۔ مہاراجہ اشوک اس کے دلی جذبات کو اچھی طرح سے جانتے ہوئے بھی اس کے سچے سیوا بھاؤ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا تھا کہ کسی نہ کسی دن انہیں دھوکہ دے گی۔ لیکن بپاس خاطر اپنی رانی کے اُسے کچھ کہتے نہیں تھے مبادا اس سے اس کے دل پر چوٹ لگے۔ لیکن ہمیشہ کسی موقعہ کی تلاش میں رہتے کہ چارومترا کے خلاف کوئی ثبوت ان کو ملے تو وہ کوئی کارروائی اس کے خلاف کر سکیں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مہاراجہ تھوک دن کھوجی سے وقت پر نہ لوٹے رانی کو بہت چنتا ہو گئی۔ بیمار تو وہ پہلے ہی تھی اس کی حالت اور خراب ہو گئی۔ اس وقت اس نے مجبور ہو کر چارومترا کو بلایا اور اپنی ہاردک پیڑا کو دور کرنے کے لئے اسے گانا سنانے کے لئے کہا۔ کیونکہ وہ اس کلا میں بڑی ماہر تھی۔ رانی کا خیال تھا کہ اس کا گانا سننے سے اس کے ہردے کو کچھ شانتی پراپت ہو گی۔ جب چارومترا گانے کو تیار ہو رہی تھی اسی وقت مہاراجہ اشوک آپہنچے اور چارومترا کو اس حالت میں دیکھ کر بہت برانگیختہ ہوئے، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چارومترا اپنے ذاتی (کالنگن) پریم کے جذبے سے مغلوب ہو کر مہارانی کو بڑی چالبازی سے دھوکہ دینا چاہتی ہے۔ یہ راگ سننے میں مست ہو جائے گی تو کالنگا کے سپاہی آپہنچیں گے اور اپنی من مانی کارروائی کریں گے۔ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتے ہی وہ چارومترا کو ڈنڈ دینے کو تیار ہو گئے اور اسی وقت حکم دیدیا کہ اس کا سر قلم کیا جائے لیکن جب ملکہ نے انہیں یقین دلایا کہ گانے کا کاریہ کرم تو کیول اس کی اپنی آگیا سے ہی پر آرمبھ ہو رہا تھا۔ اس میں چارومترا کی اپنی مرضی اور بدنیتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سُن کر مہاراجہ نے اپنا حکم واپس لے لیا اور چارومترا کی جان بچ گئی۔ لیکن اس گھٹنا سے اس کے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں ایسے جیون کو سماپت کر دوں گی جس میں مہاراج مجھے اتنا دوشی ٹھہرا رہے ہیں اپنے مان اور عزت کی خاطر میں اسے قربان کر دونگی، ایسے جیون سے مجھے کیا لابھ۔ مہاراج کو اپنی سچائی اور نردوشتا کا نشچیہ کرا دینا ہی اب میرا دھرم ہے، اب وہ کسی موقعہ کی تلاش میں تھی جو جلدی ہی اسے پراپت ہو گیا۔ ایک دن جب مہاراجہ کیمپ کی طرف جا رہے تھے (یدھ کھیشتر میں جو انھوں نے اپنے واسطے بنا رکھا تھا اور وہاں سے ہی اپنی فوج کو لڑنے کا حکم دیا کرتے تھے) دشمن کے سپاہیوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان کا ایک جتھا ان پر حملہ کرنے کیلئے گھات میں بیٹھ گیا جسن اتفاق سے چارومترا کا بھی اسی راستہ سے گزر ہو گیا اور اس نے چھپے ہوئے سپاہیوں کو دیکھ لیا اور فوراً اس کو شک ہو گیا کہ ان کا مقصد مہاراجہ پر حملہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے ان کو للکارا اور فوراً ان پر حملہ کر دیا (جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت کی مہلائیں اس زمانے میں ہر وقت مسلح رہتی تھیں) اور پہلے ہی وار میں کئی ایک کو ختم بھی کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی خود بھی بُری طرح سے زخمی ہو گئی اور وہیں گر کر سسکنے لگی، اُدھر سے مہاراجہ کا بھی گزر ہوا۔ تو چارومترا کی اس حالت جانکنی میں دیکھ کر بہت دُکھی ہوئے۔ اس نے بڑی مدھم سی آواز میں مہاراجہ کو بتایا کہ یہ گھٹنا کس طرح سے ہوئی اور اگر یہ نہ ہوتی تو اس کا کیا نتیجہ ہوتا۔ اس کے بعد چارومترا پرلوک سدھار گئی اور مہاراجہ صاحب کے دل پر اس کے بلیدان کا کچھ عجیب پربھاؤ پڑا۔ انھوں نے فوراً یہ فیصلہ کیا کہ فوج کے ذریعے کسی پر حملہ کرنے میں کوئی بڑائی نہیں ہے اس غرض کے لئے فوجی طاقت کا استعمال بالکل فضول اور نرا بھک ہے۔ چاہئے تو یہ کہ اس غرض کے لئے جنتا جنارذھن کے ہردوں کو پریم وش کیا جائے۔ اسی خیال کے پیدا ہوتے ہی مہاراجہ نے لڑائی بند کر دینے کا حکم دیدیا اور اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور اس طرح سے مہاراجہ اشوک اہنساوادی بن گئے۔

امر چند قیس جالندھری

شانِ بے نیازی

"شان بے نیازی" جناب قیس کی مثنوی "لاوا" کا ایک ورق ہے جو انھوں نے گورو گوبند سنگھ جی کے متعلق سپرد قلم کی ہے۔ "لاوا" کے چند اوراق کسی زمانے میں "اوم" کی زینت ہو چکے ہیں ——— (دنندہ)

۱۔ وادیوں میں عینِ اطمینان سے　　بہہ رہی تھی شوخ جمنا شان سے!
۲۔ اپنی دھن میں مست اٹھلاتی ہوئی　　گنگناتی۔ جھومتی۔ گاتی ہوئی
۳۔ لڑکھڑاتی اور بل کھاتی ہوئی　　ڈگمگاتی اور لہراتی ہوئی
۴۔ ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی　　ہر قدم پر حشر سا ڈھاتی ہوئی
۵۔ اِس طرف ساحل سے ٹکراتی ہوئی　　اُس طرف ساحل سے کتراتی ہوئی
۶۔ صاف ظاہر تھا یہ اس کی چال سے　　کہہ رہی ہے وہ زبانِ حال سے
۷۔ ایک دن ساگر سے مل جاؤں گی میں　　دولتِ تسکینِ دل پاؤں گی میں

۸۔ دل رُبا منظر تھا جنگل کا سماں　　دل کشا تھا نیلا نیلا آسماں
۹۔ چار جانب جھاڑیاں چھائی ہوئی　　بوٹے بوٹے پر بہار آئی ہوئی
۱۰۔ غنچہ و گل تھے بہار اندر بہار　　تھی مسلّط سارے منظر پر بہار
۱۱۔ آبشاروں کا تکلم سحر تھا　　جوئباروں کا ترنّم سحر تھا
۱۲۔ بہہ رہے تھے چشمے ہر اک غار سے　　آنکھ اُٹھتی ہی نہ تھی کہسار سے

۱۳۔ پُر فضا بھی تھا یہ منظر چار سُو　　خوف بھی طاری تھا اس پر چار سُو
۱۴۔ جلوۂ فطرت تھا پوری شان پر　　ست گورو رہتے تھے اس استھان پر
۱۵۔ ایک دن تھے مست اپنے دھیان میں　　تیرتی تھی زندگی عرفان میں

۱۶- اِک کتاب دِل کُشا تھی رُو بہ رُو | مظہرِ شانِ خدا تھی رو بہ رو

۱۷- اتنے میں اک طالبِ دیدارِ حق | ڈھونڈتا پھرتا تھا جو انوارِ حق
۱۸- جو امارت پر بہت مغرور تھا | مال و دولت کے نشے میں چُور تھا
۱۹- خدمتِ سرکار میں حاضر ہوا | آپ کے دربار میں حاضر ہوا
۲۰- جھک کے پائے اقدس و پُرنور پر | آنکھ اُٹھا کر چہرۂ مسرور پر
۲۱- التفاتِ خاص کا جویا ہوا | دست بستہ اس طرح گویا ہوا
۲۲- نام ہے رگھوناتھ پُرتقصیر ہوں | مَیں سراپا کُفر کی تصویر ہوں
۲۳- جان سے بیزار ہوں مغموم ہوں | روح کی تسکین سے محروم ہوں
۲۴- شورشِ دنیا سے گھبرایا ہوا | عالمِ پُرغم سے تنگ آیا ہوا
۲۵- سنگِ دل دنیا سے رشتہ توڑ کر | خود غرض احباب سے منہ موڑ کر
۲۶- آپ کے قدموں میں اب آیا ہوں میں | اور نذرانہ بھی کچھ لایا ہوں میں
۲۷- شانِ عالی کے شایاں بھی نہیں | پیش کر کے مَیں پشیماں بھی نہیں
۲۸- نذر ہے منظور فرمائیں اسے | جیسے چاہیں صرف میں لائیں اسے
۲۹- مجھ پہ صرف اتنی نوازش کیجئے | حق سے میری بھی سفارش کیجئے

۳۰- اتنا کہہ کر پُرغرور انداز سے | اک رعونت سے ۔ ادائے ناز سے
۳۱- اس حریص و بندۂ ناکام نے | رکھ دیئے سونے کے کنگن سامنے
۳۲- دائرے جن کے نظر افروز تھے | قیمتی ہیرے نظر افروز تھے

۳۳- پہلے اک کنگن اٹھایا آپ نے | اور انگلی میں گھمایا آپ نے
۳۴- پھوٹ پھوٹ اٹھیں شعاعیں نور کی | برق رقصاں تھیں شعاعیں نور کی
۳۵- اتفاقاً یہ نکل کر گر پڑا | آبِ دریا میں پھسل کر گر پڑا

۳۶- اُڑ گئی سونے کی چڑیا ہاتھ سے | چیخ اک نکلی لبِ رگھوناتھ سے
۳۷- اشک اُمڈے چشمِ حسرت بار میں | مضطرب تھی جانِ جسمِ زار میں
۳۸- لیکن اک لمحہ ابھی گزرا ہی تھا | رخ پہ رنگِ زرد ابھی آیا ہی تھا

۳۹۔ اس طرح لپکا وہ کنگن کی طرف
شیر جھپٹے جیسے دشمن کی طرف

۴۰۔ کود کر وہ داخل ہوا دریا میں وہ
ایک مچھلی بن گیا جمنا میں وہ

۴۱۔ ست گورو کو اس کی کچھ پروا نہ تھی
زر کی خواہش آپ کو اصلا نہ تھی

۴۲۔ ہو گئے محو کتاب آپ اس طرح
یہ کتابی واقعہ ہو جس طرح

۴۳۔ آپ کی نظروں میں دولت کچھ نہ تھی
قیمتی کنگن کی وقعت کچھ نہ تھی

۴۴۔ اور کنگن کو چھپا کر ناز سے
ہاں، اسی رو میں، اسی انداز سے

۴۵۔ گامزن پانی تھا منزل کی طرف
بحرِ موج افزا کے ساحل کی طرف

۴۶۔ دن کی سب رنگینیاں جانے لگیں
شام کی تاریکیاں آنے لگیں!

۴۷۔ روشنی سایوں سے ہم آغوش تھی
بزمِ عالم کی فضا خاموش تھی

۴۸۔ سائے ہر جانب جہاں پر چھا گئے
ماہ و انجم آسماں پر چھا گئے

۴۹۔ ایسے میں رگھوناتھ ابتر حال سا
واپس آیا خستہ و پامال سا

۵۰۔ بے طرح پانی سے لت پت تھا لباس
جسم سے چمٹا ہوا گیلا لباس

۵۱۔ یاس کے آثار تھے رخ سے عیاں
رنج تھا رگھوناتھ کے رخ سے عیاں

۵۲۔ حسرت و واماندگی سے چور تھا
بے دلی سے رنگِ رخ کافور تھا

۵۳۔ ہانپتا تھا اور دم میں دم نہ تھا
کانپتا تھا اور وہ دم خم نہ تھا

۵۴۔ عالمِ افسوس میں کھویا ہوا
رکتے رکتے اس طرح گویا ہوا

۵۵۔ بحرِ رحمت! کیا بتا سکتے ہیں آپ؟
وہ جگہ مجھ کو بتا سکتے ہیں آپ

۵۶۔ قیمتی کنگن گرا ہے کس جگہ؟
ڈھونڈ لوں گا میں وہ ہوگا جس جگہ

۵۷۔ اب بھی باقی ہے ذرا سی روشنی
ہلکی ہلکی پھیکی پھیکی روشنی

۵۸۔ زیرِ لب کچھ مسکرا کر آپ نے
دوسرا کنگن اٹھا کر آپ نے

۵۹۔ جانبِ آبِ رواں لڑھکا دیا
پھر لبِ جاں بخش سے فرما دیا

۶۰۔ پہلا کنگن جو ترا مقصود ہے
غالباً وہ اس جگہ موجود ہے

شری جگن ناتھ جی کھنہ صوفی

مکتی کیا ہے؟

یہ اس حالت کا نام ہے جب ہم بندھ سے چھوٹ جاتے ہیں اس کے لئے کوئی خاص وقت یا میعاد مقرر نہیں بلکہ یہ ایک خاص حالت کا نام ہے جو ہر وقت پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کے ابتدائی مراحل طے کئے جائیں۔ یاد رکھو کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ ضرور فنا ہوتی ہے جو چیز حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قید زمانی، مکانی نقصانی سے مبرا نہیں اس کو بقا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر مکتی مرنے کے بعد ظہور میں آتی ہے تو وہ مکتی نہیں کیونکہ پھر اس کا انجام ضرور ہوگا۔ لیکن درحقیقت ایسا ہو نہیں سکتا۔ مکت کا سروپ دائمی ہے۔ بندھ اس تعلق کا نام ہے جو دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے کے مابین ہوتا ہے، آتما اور جگت کے درمیان بھی یہی تعلق ہے، جیو آتما اور جگت کی مخلوط حالت کا نام بندھ عقدہ، یا گرہ ہے۔ جب ہم بذریعہ گیان اس موہوم عقدہ کو کھولتے ہیں تو وہیں ہماری مکتی یا موکش ہو جاتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موکش جیتے جی ہی ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہو سکتا جس نے جیتے جی اس بندھن سے آزادی حاصل کر لی وہ مکت ہو گیا۔ اگر شریر باقی رہے تو وہ جیون مکت پد کو حاصل کر لیتا ہے ورنہ وہ بدیہہ مکت پد کو پراپت کر لیتا ہے۔ اس قسم کی آزادی کہنے میں ایک دو لفظوں میں ہی ادا ہو سکتی ہے لیکن اس کو حاصل کرنے میں جنم جنمانتر لگ جاتے ہیں۔ پھر بھی: اگر اس پدوی کو انسان پراپت ہو جائے تو غنیمت ہے ورنہ جنم مرن کے ہیر پھیر اور چکر میں پھنس کر نکلنا نہایت مشکل ہے۔

گیان اور اگیان قسمیں:- اگیان دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو ایشور کی ہستی سے منکر ہونا، اور دوسرا یہ کہنا کہ ایشور دکھائی نہیں دیتا۔ اس طرح دو طرح کے گیان سے ان ہر دو اگیانوں کی نورتی ہوتی ہے۔ وہ ہیں پروکش اور اپروکش پروکش گیان سے ایشور کی ہستی کا قائل ہونا تو ممکن ہے لیکن ساکھشات کار یا مشاہدہ عینی نہیں ہوتا۔ اپروکش گیان سے غیریت کا پردہ بھی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور صاف صاف ایشور درشن ہوتے ہیں یعنی جلوہٴ حقانی پیش نظر ہوتا ہے۔

آتما کے ساکھشات درشن کیوں نہیں ہوتے:- آتما جسم انسانی میں اس طرح محفوظ ہے جس طرح کوئی بادشاہ قلعہ کے اندر۔ جہاں ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص اس بادشاہ سے شرف باریابی حاصل کرنا چاہے تو بہت سے دروازوں سے گزر کر اور دربانوں کی اجازت سے ہی وہاں پہنچ سکتا ہے، اسے کئی قسم کی مشکلات کو عبور کرنا پڑتا ہے ویسے تو آتما کی موجودگی بحالت زندگی کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کی چوٹی تک اس کی ہی جھلک نظر آتی ہے۔

جسم کا کوئی حصہ نہیں جہاں آتما کا ظہور نہ ہوا ور جو اس سے بھرپور نہ ہو۔ البتہ ہردے دیش یعنی دل کے مقام میں اس کا خصوصی نظارہ ہے۔ وہاں اس کے مشاہدہ کے لئے بہت سی منزلوں کو طے کرنا پڑتا ہے اور نہایت ودھی پوروک یم نیم آدمی سادھنوں کا پالن کرتے ہوئے جب شریر اور من پر پوری طرح سے ضبط حاصل ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ پانچ کوش یا غلاف کھلتے ہیں جن سے آتما ڈھپا ہوا ہے وہ غلاف یا پردے ہیں۔ انّ مے کوش۔ پران مے کوش۔ منومے کوش۔ وگیان مے کوش اور آنند مے کوش، تو دھی وت سادھن کرتے سے یہ منزلیں طے ہوتی ہیں اور پھر گیان کے نیتر کھلتے ہیں اور پرم پد کی پراپتی ہوتی ہے جنم مرن کے بندھن سے چھوٹ کر پرم دیو پرماتما کی مہان سنتا میں لے ہو جانا ہی واستو میں مکتی ہے، اس سے بڑھکر منشیہ کے لئے اور کوئی آدرش نہیں ہو سکتا۔ ارجن کو اپدیش کرتے ہوئے بھگوان نے اس کی ویاکھیا میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ منشیہ ماتر کے لئے اس گیتا اپدیش سے بڑھکر سنسار بندھن سے چھوٹنے کا اور کوئی اُپائے نہیں ہے۔ شریمد گیتا کی اس مہتا یعنی فضیلت و عظمت کو سب دنیا تسلیم کرتی ہے اور ہندو دھرم کے لئے یہ باعث فخر ہے کہ سب پرانیوں کے کلیان کے لئے یہ بات جیت مہابھارت کے یدھ شروع ہونے سے پہلے کورکشیتر کے میدان جنگ میں بھگوان اور ارجن کے درمیان ہوئی اور بھگوان نے اس حقیقت کو اس پر واضح کر دیا اور وہ آمادۂ جنگ ہو گیا۔ یہ ایک طرز عمل خصوصی تھا۔ جو بھگوان نے اسے سمجھایا۔ یہی نشکام کرم یوگ کہلاتا ہے جس سے تتو برہم کی پراپتی ہوتی ہے جو گیتا کا واستوک روپ ہے اسی آلوکک اپدیش میں بھگوان نے اپنی اننیہ بھکتی کو بھی اس اپدیش کے لئے سب سے بڑا سادھن بتلایا ہے، نویں ادھیائے کے آخری شلوک میں جو کچھ بھگوان نے فرمایا وہی پھر اٹھارویں ادھیائے کے آخر میں ۶۵ ویں شلوک میں دہرایا۔

मन मना भव मद्भक्तो मद्याजी मां नमस्कुरु ॥

یعنی ہے ارجن تو نتیہ کیول مجھ واسدیو میں ہی اننیہ پریم سے اچل من والا ہو نتیہ میرے نام اور گنوں کو سمجھنے والا ہو میری ہی پوجا کر اور بھکتی اور پریم سہت مجھ واسدیو کو ڈنڈوت پرنام کر ایسا کرنے سے تو مجھ کو ہی پراپت ہو گا۔ اس سے پہلے ۶۲ ویں شلوک میں بھی آپ نے فرمایا۔

तमेव शरणं गच्छ सर्व भावेन भारत ।

तत प्रसादात् परां शान्ति स्थानं प्राप्स्यसि शाश्वतम् ॥

ارتھات:۔ اس لئے ہے بھارت سب سرکار سے اس پرماتما کی ہی اننیہ شرن کو پراپت ہو اس کی کرپا سے ہی پرم شانتی کو اور سناتن پرم دھام کو پراپت ہو گا۔

بھگوان اپنی اننیہ بھکتی سے بھکتوں کو بدھی یوگ پردان کرتے ہیں جس سے انایاس ہی وہ برہم کو پراپت کر لیتے ہیں۔ بھکتی یوگ کے آشرے سے اپنے اِشٹ کی پراپتی آسان ہو جاتی ہے۔ من کی چنچلتا بھی بھگوان کے پریم وش ہو جانے سے آہستہ آہستہ دور ہو جاتی ہے۔ ایک مہاتما کا واک ہے

بھو ساگر سے ترن کی ہے یہی اک ریت
بھگتی بھاؤ میں ایش کی بنی رہے نت پریت
سب سادھن میں بھکتی کا ہے سادھن پردھان
بن بھگتی بھگونت کی چھوٹے سب پرمان

(فقط صفی)

شری سوامی پری پورنانند جی رشی کیش

وہ تیرے رُوبرُو ہوتا تو اُس کے روبرو ہوتا

تیرا اگر اپنے مرشد کی ہدایت سے شروع ہوتا — وہ تیرے روبرو ہوتا تو اُس کے روبرو ہوتا

کبھی کامل گیا ہوتا تجھے وہ چشمۂ ہستی — اگر بیدار ہو کر تو ذرا در جستجو ہوتا

خدا کو تو اندھیرے میں ہے ڈھونڈے آنکھیں بند کرکے — ملے وہ کس طرح کیونکر ترے وہ روبرو ہوتا

تری آنکھوں کو بند کر کے ملے جبروت میں ہر روز — کھلی آنکھوں اُجالے میں مزا تھا دُوبدُو ہوتا

صفا اور بے حرکت یہ دل کا شیشہ گر ہوتا — وہ تیرے روبرو ہوتا تو اس کے روبرو ہوتا

بنایا آرزوؤں نے ہے یزداں سے تجھے بندہ — خدا خود تھا اگر یہ دل ترا بے آرزو ہوتا

انہی آنکھوں سے ہر شے میں تجھے دیدار رب ہوتا — بہایا یاد میں اس کی اگر ان سے لہو ہوتا

جہاں اس کا نشاں ہے یہ اگر دل میں بٹھا لیتا — تو رب العالمیں سے پھر سدا در گفتگو ہوتا

تو آیا کام جس کو گر مکمل کر لیا ہوتا — کبھی مالک کے آگے پھر یوں شرمندہ نہ تو ہوتا

تو انساں ہی ظاہر سے مگر باطن سے ذاتِ پاک — حقیقت جان کر اپنی خدا سے سُرخرو ہوتا

فضل مرشد کا حاصل کر کما تا گر سخن پورن
خدا پھر کُو بہ کُو ملتا وہ ملتا سُو بہ سُو ہوتا

بقیہ بابا گنگا داس سلسلے کیلئے دیکھو ص ۱۴۴ (۵)

جنتا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو جونک کی طرح گائے کے دودھ بھرے تھنوں سے بھی رکت ہی چوستے ہیں جو مکھی کی طرح چندن چرچت انگوں کو تج کر پیپ بھرے گھاؤں پر ہی بیٹھتے ہیں۔ جو کوے کی بھانتی سروادشٹ مشٹھانوں کو تیاگ کر دوشت ہی چونچ مارتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی ٹیکا ٹپنی کرتے رہے۔ چندرما پر دھول اچھالتے رہے اور دودھ پی پی کر وش اگلتے رہے۔ کسی نے کہا کتنے شور ویر تھے بڑی لکڑی لے کر کھڑے ہو جاتے تو سب کا منہ موڑ دیتے۔ کسی نے کہا ایک تلوار کے بھرپور وار سے سب کا نشٹ ہرن کر سکتے تھے۔ کسی نے کہا سب مال پوڑے، ماکھن، بادام کھا کر حرام کر گئے۔

پرنتو اس رہسیہ کو بہت کم لوگ جان سکے کہ بھگوان کا اننیہ بھگت جب ان کی چھبی لولا جیسی سندر مسکان پر من ہی چھاور کرتا ہے تو اماوس جیسی کالی الکوں پر بھی بلیدان ہو سکتا ہے۔ اس کیلئے محبوب کے دیئے ہوئے جیون میں بڑی سکھ ہے تو پیارے کی پر ان کی ہوئی مرتیو میں بھی دکھ نہیں۔ وہ جیون سے آنند پراپت کرتا ہے تو مرتیو کو منہ سے لگانے کے لئے بھی تیار رہتا ہے۔ اس کا ہردیہ ایسا نہیں جو پیارے کی ایک ادا سے تو پیار کرے اور دوسری سے دویش۔ جیون کا سواگت کرے اور مرتیو کا ترسکار۔ چاند جیسے چہرے پر بل بل جائے اور گھٹاؤں جیسی الکوں کا اپمان۔

یہی کارن تھا کہ مرتیو کا سندیش لائے ہوئے یونوں میں بھی آپ نے اپنے اشٹ دیو کا ہی درشن کیا۔ گیانی تھا یوگی کو دبا اور سدھیتوں کی پراپتی سے ابھیمان ہو جاتا ہے۔ وہ ان کے بل پر کسی کا ترسکار کرتا ہے کسی کو شاپ دے ڈالتا ہے۔ پرنتو بھگت دن بدن نمر ہوتا ہے اس لتا کی طرح جس پر سندر پھل لگتے ہیں وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے جس میں اسے اپنے دیوتا کے درشن ہوتے ہیں جس میں وہ اپنے پران ناتھ کو اپنے اشٹ دیو کو، اپنے پربھو کو ساکشات دیکھتا ہے۔ جاگرتی میں نہیں بلکہ سپن میں بڑبڑا کر کہہ اٹھتا ہے۔

سیا رام مئے سب جگ جانی
کروں پرنام جوری جگ پانی

ایسی ہی ستھتی تھی باوا گنگا داس جی کی۔ ان کو ان بدھکوں میں بھی، ان اتیاچاریوں میں بھی، ان دشٹوں میں بھی سیتا رام کے ہی درشن ہوئے اس لئے ان کے سامنے سر جھکا دیا اور تن روپی پشپ سیا رام کے چرنوں میں سمرپن کر لیا۔ دوسرے ساتھیوں کو ہتھیار اٹھانے سے روک دیا اور سوئم بھگونت اچھا کو ستیہ مان کر ساکیت باسی ہو گئے۔



اوم اوم

فہرست کتب

دھارمک رسالہ اوم دہلی سے مندرجہ ذیل کتب منگوا کر جیون کو سپھل بنائیں

پرشوتم آنک سنہ ۱۹۶۳ء تقریباً پچاس
مضامین کا مجموعہ قیمت اڑھائی روپے
آستک ناستک سنواد سوامی
شوانند جی. قیمت صرف 25 پیسے
برہمچریہ (ڈرامہ) قیمت صرف 50 پیسے
رام درشن (باتصویر) قیمت سوا روپیہ
لندن یاترا اور مہاتماؤں کے
ساتھ وارتالاپ قیمت 60 پیسے
روحوں کی دنیا 3½ روپے
شریمد بھگوت گیتا مجلد مترجم و
تشریح از شری رام لال پربھاکر جی. ½ ۲ روپے
یوگ وشسٹ سار اردو 3/- روپیہ
گیتا منظوم. از خواجہ دل محمد ایم اے پرنسپل
شلوک وار منظوم ترجمہ ہے قیمت 3/-
جپ جی و سکھمنی صاحب منظوم. از
خواجہ دل محمد صاحب ایم. اے (3/50)
تلسی رامائن مکمل باتصویر مجلد اردو
سلیس زبان میں معہ شلوک ترجمہ 10/50
پربھو کے ساکشات درشن. ایک روپیہ
تقدیر اور تدبیر کا الجھن ہے. ایک روپیہ
ستیہ درشن مصنفہ پروفیسر رتن جی (ہندی)
قیمت رعایتی دو روپے 2/-
گوبند پرکاش (ہندی) قیمت روپے

وویک چوڑامنی اردو 2½ روپے
وچار مالا ایک روپیہ ویدانت بودھ 20 پیسے
آتم جگیاسا 20/- رام گیتا 15 پیسے
میں کون ہوں. 10 پیسے
آتم اناتم وویک 10 پیسے
کلام منتظر. 50 پیسے
برہمانند کی پراپتی 70 پیسے
برہم سوتر ہندی 16 روپے
گوبند پرکاش (ہندی) مصنفہ شری سوامی
گوبند آنند جی مہاراج. صفحات 640
قیمت لاگت کے مطابق 3½ روپے
ہندو دھرم کی عظمت اردو دو روپے
انوبھوتی پرکاش ہندی اپنشد بھاگ 7/- روپے
انوبھوتی پرکاش ہندی اپنشد بھاگ 8/- روپے
شریمد بھگوت گیتا. مترجم بخشی نرسنگھ داس
بھاگ. قیمت 6½ روپے
رتن رامائن ڈیڑھ روپیہ رتن گیتا منظوم 1/-
حقیقی آنند کا راستہ. 2/- روپے
لطف زندگی کا منشی رام جی جاوید 2/-
امرت کنڈ. قیمت ڈیڑھ روپیہ
انسان. قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ
اے مسلم بھائی. قیمت ڈیڑھ روپیہ
آدرش گرہستھ. قیمت ایک روپیہ
پریت سنیہے. قیمت دس آنے

گنگا کی لہریں. قیمت بارہ آنے
آدرش مانو (ہندی) قیمت چھ روپے
امرت بندو (ہندی) ،، ۱۲ آنے
من جیتے جگ جیت (ہندی)
قیمت تین روپے (3/-)
آدرش پریوار (ہندی) قیمت تین روپے
روحانی مکالمہ. سوامی شنکر آچاریہ جی
کی مشہور کتاب پرشنوتری کا اردو منظوم ترجمہ
قیمت صرف 37 پیسے
ساگر سنگیت مجموعہ بحر ترنم. شری
سی آر داس کا شاہکار قیمت (1/50)
صوفی کی گیتا. موسومہ بھگوت گیتا منظوم
از علامہ لچھمن پرشاد جی صدر قیمت 2/-
گجیندر موکش منظوم قیمت 37 پیسے
پردہ مجاز. منشی پریم چند قیمت 6/-
روٹھی رانی. 1/50
کربلا. 3/- خواب خیال 3/8
شیواجی. قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
روحانی اشارے. ایک روپیہ چار آنے
سائیں کے سو خیال. ایک روپیہ آٹھ آنے
کبیر بھجناولی. قیمت دو روپے چار آنے
سولہ سنگار. پانچ 5/- روپے
بیوی اور بیسوا. کشن چند زیبا 1/8/-

Printed at : Saqi Litho Press, Daryaganj, Delhi-6 Phone : 274437